رسالہ شاہ عبداللطیف

شاہ عبداللطیف بھٹائی

کے کلام کا منظوم اردو ترجمہ

مترجم

شیخ ایاز

Sindhica
سندھیکا

اردو سلسلہ اشاعت نمبر ۱

رسالہ شاہ عبداللطیف بھٹائی

(شاہ عبداللطیف بھٹائی کے کلام کا منظوم اردو ترجمہ)
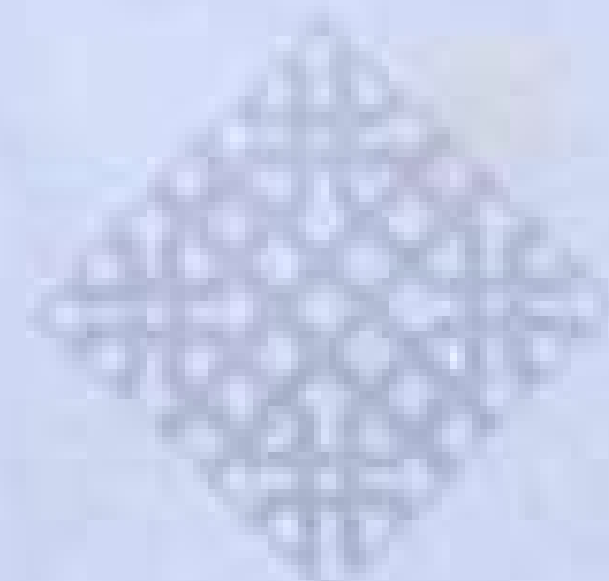
مترجم

شیخ ایاز

Sindhica
سندیکا

پبلشر نوٹ

سندھیکا اکیڈمی کی جانب سے سندھی زبان میں علمی و ادبی شہ پاروں کی اشاعت کے ساتھ ساتھ سندھ شناسی کے متعلق اردو اور انگریزی میں گرانقدر کتابیں شایع کرنے کا تہیہ کیا ہوا ھے تاکہ پاکستان اور دنیا کی دوسری اقوام کیلئے سندھ کی تاریخ، فکر، ثقافت اور مسائل کو سمجھنے میں آسانی ہو۔

امن و محبت کے حوالے سے آج کی دنیا جس بے تابی سے فکری مسیحائی کی متلاشی ھے، شاہ عبداللطیف بھٹائی کا پیغام ان حالات میں اذانِ سحر کی حیثیت رکھتا ھے۔ خاص طور پر سندھ کے حوالہ سے دیکھا جائے تو شاہ بھٹائی کا پیغام ارر کلام سندھ کے تمدنی، تہذیبی اور ثقافتی زندگی کی واضح نشاندھی کرتا ھے، اور اس پیغام سے ھدایت و رھنمائی کے جو چشمے پھوٹتے ھیں وہ آگ بہ گرفتہ سندھ کیلئے برداً و سلاماً کا پیغام ھے۔

رسالہ شاہ عبداللطیف بھٹائی کا منظوم ترجمہ سندھ کے معروف دانشور اور شاعر جناب شیخ ایاز نے کیا ھے جس کا پھلا ایڈیشن ۱۹۶۳ع میں اور دوسرا ایڈیشن ۱۹۷۷ع میں شایع ہوا۔ گذشتہ چند سالوں سے یہ ترجمہ نایاب تھا اور پاکستان کے علمی و ادبی حلقوں میں اس کا برابر تقاضا ہو رہا تھا۔ سندھیکا اکیڈمی کی طرف سے جب شیخ صاحب سے اس کی اشاعت کی اجازت کا کہا گیا تو انہوں نے فراخدلی سے اکیڈمی کو اشاعت کے حقوق حوالے کر دئے۔

لسانیات کے نوجوان محقق آفتاب ابڑو نے رسالہ کے اشاعت کے مختلف مراحل میں تعاون کیا جس کے لیے ہم انکے مشکور ھیں۔

سندھیکا اکیڈمی کی طرف سے اس عظیم المرتبت شاعر کے فکر و نظر کا یہ لافانی شاھکار اردو زبان میں اس توقع کے ساتھ پیش کیا جا رہا ھے کہ وہ اس خطے کے لوگوں کیلئے روحانی و فکری رھنمائی کے ساتھ سرور و انبساط کا موقعہ فراہم کرے گا۔

نور احمد میمن

چیئرمین

سندھیکا اکیڈمی

پہلے ایڈیشن کا پیش لفظ

شعر و سخن کے کسی معمولی مجموعہ کو بھی ایک زبان سے دوسری زبان میں منتقل کرنا ایک بڑا دقت طلب کام ہے چہ جائیکہ شاہ لطیف رحہ جیسے عظیم فن کار کے الہامی کلام کو سندھی سے اردو میں ترجمہ کرنا، یہ دشواری اس وجہ سے نہیں کہ جس زبان میں اسے منتقل کیا جارہا ہے وہ کوتاہ دامن ہے بلکہ اس لیے کہ ہر زبان کا ایک خاص مزاج ہوا کرتا ہے اور اس مزاج کو دوسری زبان کے مطابق بنانا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ اس مہم کی مشکلات میں غیر معمولی اضافہ اس وجہ سے بھی ہوا کہ شاہ صاحب کے کلام کو اردو نظم میں پیش کرنے کا فیصلہ کیا گیا تھا۔ اس کام کی اہمیت اور دقت کے پیش نظر یونیورسٹی نے وہ تمام طریقے اختیار کیے جو ترجمہ کی صحت اور اسکو معیاری بنانے کے لیے مفید اور ضروری ہو سکتے تھے۔ چنانچہ سندھی اور اردو کے نہایت قابل علما اور شعرا کی فنی اور ماہرانہ خدمات سے اس منصوبہ کے مختلف مرحلوں پر استفادہ کیا گیا جس کا اعتراف یہاں ضروری ہے۔

جناب سید حسام الدین راشدی صاحب کو اردو اور سندھی دونوں زبانوں کے ادب پر بڑی مہارت حاصل ہے۔ اسی لیے یونیورسٹی نے اس منصوبہ کی عام نگرانی اور رہنمائی کے لیے ان سے درخواست کی تھی جس کو انھوں نے بکمال مرحمت قبول کیا اور اس فریضہ کو بحسن خوبی انجام دیا ہے۔

منظوم ترجمہ کا اصل کام جناب شیخ ایاز صاحب نے کیا ہے جو اردو اور سندھی کے معروف شاعر ہیں۔ اس ترجمہ کے علاوہ شیخ صاحب نے شاہ لطیف رحہ کے سوانح حیات اور ان کے کلام کی خصوصیات و محاسن پر ایک تفصیلی مقدمہ بھی تحریر کیا ہے جو یقیناً شاہ صاحب کی ذات اور ان کے خیالات کو اردو دان طبقہ سے روشناس کرانے میں نہایت مفید ثابت ہوگا۔

چونکہ ترجمہ کرنے سے قبل "شاہ جو رسالو" کا مستند نسخہ فراہم کرنا ضروری تھا اس لیے اول تو ڈاکٹر گربخشانی کے مرتب کردہ معیاری نسخہ کو منتخب کیا گیا اور اس آخری حصہ کے لیے جس کو ڈاکٹر گربخشانی مکمل نہیں کر سکے تھے، ڈاکٹر نبی بخش بلوچ سے معیاری نسخہ مرتب کرنے کی درخواست کی گئی۔

پھر اس امر کا اہتمام بھی ضروری تھا کہ سندھی سے اردو میں ترجمہ کرتے وقت شاہ صاحب کے کلام کا کوئی حصہ مشکوک یا مبہم نہ رہ جائے اس لیے جناب مخدوم امیر احمد صاحب، پرنسپل، اورینٹل کالج، حیدرآباد، سے جنہیں دونوں زبانوں پر پورا عبور حاصل ہے درخواست کی گئی کہ وہ "رسالو" کا لفظی اور لغوی ترجمہ اردو نثر میں تیار کریں۔ یہ لغوی ترجمہ شیخ ایاز صاحب کے حوالہ کردیا گیا تاکہ وہ اپنے منظوم ترجمہ کو تیار کرتے وقت اس کو پیش نظر رکھیں۔

اس کے بعد کا مرحلہ یہ تھا کہ اس منظوم ترجمہ پر اردو کے کسی بڑے مستند شاعر سے نظر ثانی کروائی جائے۔ اس کام کے لیے جناب حفیظ ہوشیارپوری صاحب سے درخواست کی گئی جنہوں نے بڑی دلچسپی سے اس کام میں حصہ لیا اور نہایت مفید مشورے دئے۔

آخر میں ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں، صدر شعبہ اردو، سندھ یونیورسٹی، نے منظوم ترجمہ اور مقدمہ دونوں پر تنقیدی نظر ڈالی اور بڑی محنت کی۔ اس کے بعد یہ مسودہ پریس کے حوالے کردیا گیا۔

ان تمام مرحلوں میں ظاہر ہے کہ سب سے زیادہ اہم مرحلہ منظوم ترجمہ کا تھا اور اس کو انجام دینے کا سہرا شیخ ایاز صاحب کے سر ہے۔

اس مختصر کیفیت سے قارئین کو کچھ اندازہ ہوگیا ہوگا کہ اس کتاب کی ترتیب و اشاعت میں کس قدر اہتمام کیا گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ شاہ صاحب کے خیالات اور ان کے کلام کی عظمت ہر طرح اس کی مستحق ہے کہ اس کو نہایت اہتمام کے ساتھ دنیا کے سامنے پیش کیا جائے۔ ان کا کلام اسلامی ادب کا ایک لازوال سرمایہ ہے۔ انہوں نے عوامی کہانیوں کے ذریعے تصوف کے نکات و

رموز کو جس خوبی سے پیش کیا ھے اس کی نظیر دنیا کے کلاسیکی ادب میں بہت کم ملتی ھے۔ اس "رسالو" میں ملاحوں، ماھی گیروں، لوھاروں، جلاھوں، چرواھوں، کسانوں اور سنیاسیوں وغیرہ کے احساسات اور جذبات کی ترجمانی بذات خود اس حقیقت کی دلیل ھے کہ شاہ صاحب عوام سے کس قدر قریبی تعلق رکھتے تھے اور انھیں سے تعلق رکھنے والی کہانیوں کے ذریعے وہ کیوں کر ان کی اصلاح اور فلاح کے آرزومند تھے۔ یہ صرف اسی "رسالو" سے واضح ھوتا ھے کہ سسئی پنھوں، نوری جام تماچی، عمر ماروی وغیرہ زبان زد خاص و عام کہانیاں، اپنی افسانوی دلکشی کے ساتھ ساتھ کس قدر رمز اور اشاریت کی حامل ھوسکتی ھیں۔ سندھ کی معاشرت، معیشت اور تصوف و مذھب سے متعلق اس زمانے کے اکثر عوامل کا علم بیک وقت صرف اس کتاب سے ھوسکتا ھے۔

شاہ صاحب ایک زبردست صوفی شاعر تھے۔ ان کے کلام میں معرفت الٰھی، دنیا کی ناپائداری، اسلامی رواداری اور خلق عظیم پر زور دیا گیا ھے اور مختلف سروں یا راگنیوں کے ذیل میں ڈھولا، دوھے، چوپائی، وائی اور کافی وغیرہ اصناف سخن کو اختیار کیا گیا ھے جن کا تعلق عموماً ایسے ھی مضامین سے ھوا کرتا ھے۔ شاہ صاحب کی شخصیت ان تمام کمالات پر محیط ھے اور اسی لیے بے حد ممتاز ھے۔

رضی الدین صدیقی
وائس چانسلر، سندھ یونیورسٹی۔

گذارش

شاہ عبداللطیف بھٹائی (علیہ الرحمہ) کے شعری مجموعے کا یہ منظوم اردو ترجمہ بکمال خلوص پیش کیا جا رہا ہے ، اس امید کے ساتھ کہ اہل دل کی محفل میں حسنِ قبول سے سرفراز ہوگا .

شاہ محض سندھ یا سندھی زبان کے عظیم شاعر نہیں ہیں ، ان کی شخصیت عالم گیر ہے. زبانْ اور ولادت کی وجہ سے اگرچہ سندھ کو ان کی بدولت، ایک لافانی شرف ضرور حاصل ہے لیکن، درحقیقت ان کی ذات یا ان کا پیغام نہ کسی خاص خطے کی ملکیت ہے نہ کسی مخصوص طبقے کی میراث ، وہ پوری انسانی برادری کی میراث ہیں اور ان کا پیغام ہر اہلِ دل انسان کی روح اور فکر کے لیے باعث تقویت اور تسکین ہے، چاہے کوئی مشرق میں رہتا ہو یا کسی کا مسکن مغرب میں ہو .

اسی افادیت کی بنا پر ضرورت ہے کہ ان کے پیغام اور ان کے فلسفے کو دنیا کی زیادہ سے زیادہ زبانوں میں منتقل کیا جائے ، تاکہ انسانی برادری کا زیادہ سے زیادہ حصہ ان کے افکار سے آشنا ہوکر ان سے استفادہ کرسکے .

یہ ترجمہ اسی ضرورت کی ایک کڑی سمجھنا چاہیے، جس کی ابتدا اپنے ہی گھر سے کی جا رہی ہے . پاکستان کے مختلف حصوں میں مختلف زبانیں رائج ہیں، لیکن اردو قومی زبان ہونے کے علاوہ، ملک کے ہر حصے میں عام طور پر پڑھی ، لکھی اور سمجھی جاتی ہے، اس لیے یقین ہے کہ اس ترجمے کی وجہ سے پاکستان کا پڑھا لکھا طبقہ ، شاہ (علیہ الرحمہ) کے افکار سے اب پوری واقفیت حاصل کر سکے گا اور اپنے ملک کی ایک غیرفانی شخصیت سے متعارف ہو جائے گا .

اس ترجمہ کی تحریک کا سہرا پاکستان کی مرکزی وزارتِ تعلیم کے سر ہے جس کی معارف پروری نے ۱۹۵۲ع میں سندھ یونیورسٹی کو دو علمی کام سپرد کیے تھے : ایک یہ کہ شاہ کے کلام کا اردو ترجمہ کیا جائے اور دوسرا یہ کہ " سندھی - اردو " اور " اردو - سندھی " لغتیں لکھوائی جائیں . اس زمانے میں

علامہ آئی۔ آئی۔ قاضی صاحب وائس چانسلر تھے۔ جب یہ مسئلہ درپیش ہوا تو انہوں نے مجھ سے فرمائش کی کہ اس پورے کام کی تکمیل اور نگہداشت کی ذمہ داری میں قبول کروں۔ اول تو یہ دونوں کام علمی اور ضروری تھے، پھر حضرت قاضی صاحب جیسے شفیق بزرگ کا حکم، میں اپنی بے مایگی کے باوجود انکار نہ کر سکا۔ چنانچہ کام کی نوعیت اور طریقہء کار کے متعلق باہمی مشورے کے بعد طے پایا کہ لغت کا کام جناب ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ کے حوالے کیا جائے اور شاہ کے شعری مجموعے کا ترجمہ جناب شیخ ایاز صاحب کے سپرد کرنا چاہیے۔ یہ دونوں فاضل عزیز، اس کام کے لیے ہر لحاظ اور نوعیت سے موزوں اور مناسب تھے۔

لغت کا منصوبہ دو سال پیشتر تکمیل کو پہنچ چکا ہے اور یہ ترجمہ بھی، جو آج اہل دانش کے ہاتھوں میں پہنچ رہا ہے، بہت پہلے مقررہ وقت پر تیار ہو جانا چاہیے تھا، لیکن بعض ناگزیر وجوہ کی بنا پر دیر ہوگئی، جس کے لیے میں ذاتی طور پر معذرت خواہ ہوں۔ ابھی امکان تھا کہ تیاری اور طباعت کے سلسلے میں کچھ اور تعویق ہو جائے، لیکن سندھ یونیورسٹی کے موجودہ فاضل و فعال وائس چانسلر جناب ڈاکٹر رضی الدین صاحب صدیقی نے جو ہمیشہ ہمارے علمی اور ثقافتی امور کو اپنا فرض سمجھ کر ان میں دلچسپی لیتے رہتے ہیں، اپنی ذاتی کوشش اور توجہ سے تمام مشکلیں اور سارے مراحل فوراً طے کرا دیے، جس کے لیے جتنا زیادہ ان کا شکریہ ادا کیا جائے کم ہے۔

فاضل مترجم کا میں سپاس گزار ہوں کہ انہوں نے میری گذارش پر یہ اہم کام اپنے ذمہ لیا اور بخیر و خوبی اس کو انجام تک پہنچا دیا، شعراء کرام عموماً ذمہ داری اور پابندی قبول کرنے سے گریز کرتے ہیں لیکن یہاں تو شیخ ایاز صاحب تھے جو نہ صرف اس دور کے مایہء ناز شاعر ہیں، بلکہ وکالت کی بہت ہی مصروف زندگی گذارتے ہیں۔ مجھے خوشی ہے کہ انہوں نے اپنی تمام مصروفیات کے باوجود کسی نہ کسی طرح وقت بچا کر محبت، محنت، اور بڑی عرق ریزی اور سلیقے سے اس مشکل کام کو اختتام تک پہنچایا۔

ترجمۂ کے متعلق مجھے ناظرین کی خدمت میں فقط وہی کلیہ پیش کرنا ہے کہ کوئی کام، چاہے وہ کسی ادبی اور علمی نوعیت کا ہو، یا کسی سائنسی موضوع پر ہو، "حرف آخر" کبھی بھی نہیں ہو سکتا۔ جب تک ذہن

رسا، لطافت نظر اور حسن ذوق موجود ہے، اُس وقت تک بہتر کام اور اچھی سے اچھی تخلیق کے مواقع اور امکان موجود ہیں۔ لیکن ہر فن کار کی اپنی جگہ پر ہمیشہ یہی خواہش اور کوشش رہتی ہے کہ اس کے کام میں کسی عنوان کوئی کسر نہ رہنی چاہیے، چنانچہ اس ترجمہ میں شروع سے آخر تک یہی جذبہ کار فرما نظر آتا ہے۔

اس موقع پر مجھے اپنے ایک عزیز ساتھی کی یاد رہ رہ کر ستا رہی ہے، کئی سال ہوئے کہ وہ خدا کو پیارے ہو چکے۔ وہ تھے دنیائے علم و دانش کے درخشندہ ستارے اور پاکستان کے مایۂ ناز عالم قاضی احمد میان اختر جوناگڑھی مرحوم و مغفور جو کہ اُس وقت سندھ یونیورسٹی میں شعبۂ تاریخ اسلام کے صدر تھے۔ خدا انہیں کروٹ کروٹ جنّت نصیب کرے۔ انہوں نے اس منصوبے کے ابتدائی مراحل میں نہ فقط میری مدد کی تھی بلکہ صحیح رہنمائی بھی فرمائی تھی۔

آخر میں ان تمام احباب کا بھی میں شکریہ ادا کرتا ہوں، جنھوں نے اس علمی اور قومی کام کے سلسلے میں کسی نہ کسی منزل پر امداد فرمائی۔ مخصوصاً اپنے فاضل دوست جناب ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان صاحب، صدرِ شعبۂ اردو، سندھ یونی ورسٹی، کا بصمیمِ قلب ممنون ہوں، انہوں نے مسودہ پر شروع سے آخر تک زبان و ادب کے لحاظ سے نظر ثانی فرمائی اور دوست مکرم جناب حفیظ ہوشیارپوری صاحب کی عنایات بھی بھول نہیں سکتا کہ جنھوں نے بڑی کاوش سے شاعرانہ نقطۂ نگاہ سے مسودہ کو دیکھا۔ پروردگار ان سب کو خوش و خرم رکھے۔ آمین!

سید حسام الدین راشدی

کراچی

۱۳- جون ۱۹۶۳ء

اظہار تشکر

شاہ عبداللطیف بھٹائی کے مجموعۂ کلام کے اس اردو ترجمہ کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں پیر حسام الدین راشدی صاحب، ابراہیم جویو صاحب، مخدوم امیر احمد صاحب، حفیظ ہوشیار پوری صاحب اور عزیزی آفاق صدیقی صاحب نے مجھے بڑی مدد دی۔ راشدی صاحب کا گرانقدر مشفقانہ تعاون اور جویو صاحب کا پرخلوص مشورہ ہر منزل پر مجھے حاصل رہا اور دونوں حضرات کے اشتراکِ عمل سے یہ مشکل کام تکمیل کو پہنچا۔ محبی آفاق صدیقی صاحب نے سندھی ادب سے دلی وابستگی کی بنا پر میرا ہاتھ بٹانے میں جتنی محنت کی ہے وہ ہر لحاظ سے قابل قدر ہے۔

مخدوم امیر احمد صاحب نے نثری ترجمہ بہم پہنچانے اور حفیظ ہوشیار پوری صاحب نے منظوم ترجموں پر نظر ثانی کرنے کی زحمت گوارا کی جس کے لئے میں ان دونوں حضرات کا تہہ دل سے شکرگذار ہوں۔ سندھی زبان و ادب کے جن محققین کی مایۂ ناز تصانیف سے میں نے استفادہ کیا ہے ان میں ڈاکٹر سورلے صاحب، ڈاکٹر گربخشانی صاحب، ڈاکٹر داؤد پوتہ صاحب، مولانا دین محمد وفائی صاحب، پروفیسر جھمٹ مل صاحب، جی۔ ایم۔ سید صاحب اور دورِ حاضرہ کے مشہور و معروف محقق ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ صاحب خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

شیخ ایاز

دیباچہ

فہمیدہ ریاض

شاہ کا کلام دنیا بھر کے عظیم ترین ادب کے مماثل ایک ادبی معجزہ ہے۔ وہ ایک گھنگھور گھٹا تھی جو سرزمین سندھ پر برسی اور اسی طرح کے سندھی زبان، سندھی ادب، سندھ کے شہر گاؤں آج تک اسی سے سیراب ہیں۔ بلاشبہ یہ معجزہ نما شاعری صرف سندھیوں کی نہیں، کل عالم انسانیت کی میراث ہے۔ اسی کلام کو اقوام عالم تک پہنچانا ایک ایسا فریضہ ہے، جس کے لئے "شوق فضول و جرأت رندانہ" چاہئے۔ شوق فضول اسی لئے کہ ایک تو تقسیم برصغیر کے بعد پاکستان ایک چھوٹا سا ملک، دنیا کے ادبی نقشہ پر، جہاں بڑی قوتوں اور صنعتی ممالک کے ادب کا قبضہ ہے وہاں ایک غیر اہم نام۔ مستزاد یہ کہ اس ملک کے بھی ایک چھوٹے سے صوبہ کی زبان کا ادب۔ کون جانے گا، کون پہچانے گا۔ دلچسپی کیسی ہوگی؟؟ اور جرأت رندانہ اسی لئے کہ عام ادیب بہ ہوش و حواس اس دیو کے نطق کو چھونے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا۔

شاہ تو وہ کوہ فلک بوس ہے جسکے جانب نگاہ اٹھاکر ہی انسان ہانپ جائے، کجا اس نابالغئہ روزگار کے کلام کا تمام بار اپنے کندھوں پر اٹھانے کی کوشش کرے۔ مگر تمام فنونِ لطیفہ کی طرح ادب میں بھی کوئی ایسی الوہی صفت موجود ہے جو "ناممکن" میں "سہل" کا بیج بوتی ہے۔ "سوچو تو مشکل، اور محسوس کرو تو آسان" یہی ادب عالیہ کا خلاصہ ہے۔ رومی ہو کہ شیکسپیئر، یا بھٹ کا شاہ۔ ان کی تخلیقات لازوال اسی لئے ہیں کہ یہ فاصلہ سے خوفزدہ ضرور کرتی ہیں، لیکن اگر کوئی جی دار پیراک ان کے سمندروں میں چھلانگ لگانے کی جرأت کر ہی لے تو ان کی لہریں اسے پھولوں کی طرح اٹھا لیتی ہیں۔

ہمارے ہم عصر اور برصغیر کے ایک نہایت اہم شاعر شیخ ایاز نے برسوں پہلے اس معجزہ کو اردو قارئین تک پہنچانے کا بیڑا اٹھایا تھا۔ یہ کام شروع کرنے سے قبل غالباً ان کی وہی کیفیت ہوئی ہوگی جو تاریخ میں پہلی بار ہومر کا کسی دوسری زبان میں ترجمہ کرنے والے کی ہوئی تھی۔ مغرب میں تو پھر بھی ترجمہ ایک مستند ذریعہ ابلاغ ہے اور مترجم کو متعدد سہولتیں حاصل ہوتی ہیں۔ ایک سے

زائد ماہرین جو دونوں زبانوں کے ادب پر عبور رکھتے ہوں، مترجم کی مدد کے لئے میسر ہوتے ہیں۔ لیکن شیخ ایاز کے پاس ماسوا لطیف سے عشق کے کوئی دوسری قابل ذکر سہولت موجود نہ تھی۔ یہ کام کس قدر دشوار ہوگا، اسی کا تصور تک کرنا محال ہے۔ اوّل تو شاعری کا ترجمہ نثر کے ترجمہ سے بدرجہا مشکل ہوتا ہے اور یہ قول عام ہے کہ شاعری کے ترجمہ میں اصل کی بیشتر خوبیوں کا زیان ناگزیر ہوتا ہے۔ دوئم، شاہ کی شاعری کے ترجمے کے لئے صدیوں کے فاصلوں کا الانگھنا بھی شامل تھا۔ سوئم، ایاز کو جن مسائل کا سامنا تھا، وہ انہوں نے خود بھی تحریر کیئے ہیں اور ہم ان پر بعد میں تبصرہ کریں گے۔ لیکن سندھی زبان و ادب سے واقفیت رکھنے والی ایک معمولی شاعر کی حیثیت سے میں یہاں چند ردّہائے عمل کا ذکر مناسب سمجھتی ہوں۔

ہم نے اوپر لکھا کہ شاہ کا کلام ایک ادبی معجزہ ہے۔ معجزہ ہی میں محض شعور کا دخل نہیں ہوتا۔ جو معجزہ خاکیِ آدم سے ظہور پزیر ہو اس میں کشف یا "ناقابل بیان" کا عنصر بھی شامل ہوتا ہے۔ اس کی ایک سطح لاشعوری ہوتی ہے جو اصل خیال کا ہیئت اور بولی سے میلاپ کرتی ہے۔ شاہ کے طبع کی وارفتگی، اس کے سوز اور گداز نے سندھی شاعری کی مخصوص ہیئت بیت میں ایک کامل ذریعۂ ابلاغ پایا تھا۔ بیت کی بحر ایک دلربایانہ فرق کے ساتھ دوہے سے مشابہ ہے جو اس ہیئت کو پروقار ٹھراؤ اور درد عطا کرتا ہے۔ مثال کے طور پر:

رحیمن دھاگا پریم کا، مت توڑو چھٹکائے،
ٹوٹے تو پھر نا جڑے، جڑے گانٹھ پڑ جائے۔

بیت کے نظمِ قافیہ و ردیف میں یوں لکھا جائے گا۔

رحیمن دھاگا پریم کا، مت توڑو چھٹکائے،
جڑے گانٹھ پڑ جائے، ٹوٹے تو پھر نا جڑے۔

یا اسی دوہے:

کاگا سب تن کھائیو، چُن چُن کھائیو ماس،
دو نیناں مت کھائیو، پیا ملن کی آس۔

کی بیٹھک سندھی بیت میں اس طرح ہوگی:

کاگا سب تن کھائیو، چن چن کھائیو ماس،
پیا ملن کی آس، دو نیناں مت کھائیو۔

سندھی صنف سخن بیت میں مصرعہ آخر میں، ردیف کو مصرعہ کے درمیان لاکر ایک ٹھراؤ پیدا کردیا جاتا ہے۔ جو سندھی موسیقی کی اس "ڈھاعی تال" سے میل کھاتا ہے جو پورے شمالی ہندوستان

کی موسیقی میں بے مثال اور منفرد ھے۔ یہ ایک بے مثال مظہر جمالیات ھے۔ اس کی جہات روحانی ھیں۔ اس کا گھرا تعلق اس قدیم ھندوستانی فلسفہ سے ھے جو "روانی" کو زندگی کی واحد حقیقت نہیں سمجھتی۔ بلکہ تحرک کے ساتھ ساتھ "ٹھراؤ" یا "سکوت" کو تحرک کے برابر اھمیت دیتی ھے۔ کیونکہ آپ دیکھ سکتے ھیں کہ ردیف کو مصرعہ کے درمیان لانے سے تحرک ختم ہو رھا ھے، 'روانی' میں 'سکوت' کا ایک وقفہ آ جاتا ھے۔

مصوّری، سنگ تراشی اور موسیقی کی طرح شاعری کی ہیئت ایک خاص سرزمین کے باسیوں کی طرزِ فکر اور اسی نیم شعوری فلسفہ حیات کے بارے میں ھمیں بہت کچھ بتاتی ھے جو زندگی میں ایک زیریں رو کی مانند رواں ھیں۔

ایاز نے شاہ کا ترجمہ کرتے ھوئے بیت کی ہیئت سے بوجوہ کنارکیا۔

دوئم شاہ نے ابلاغ کے لیئے جو زبان استعمال کی وہ پُر تکلف نہ تھی۔ شاہ کی زباں شاعرانہ سافیات اور روزمرہ کی عام بول چال میں استعمال ھونے والی زبان کا ایک اثرانگیز سنگم ھے۔ اسی امتزاج سے وہ مختلف کیفیات تخلیق کرتے ھیں۔

یہاں ھم ان کے محض ایک سُر "سُر سورٹھ" کی مثال لیتے ھیں، یہ بیقراری اور وارفتگی کی ایک عجب داستان ھے۔ بیجل ایک ایسا گائک ھے جو راجہ رائے ڈیاچ کو راگ سنانے کا عوضانہ یہ طلب کر رھا ھے کہ رائے ڈیاچ اپنا سر قلم کر کے بیجل کے حوالے کر دے۔ اس لرزہ خیز حوالے کے ساتھ دیکھئے کہ شاہ سر سورٹھ میں آغاز کلام ھی سے کسی طرح "روح داستان" کی بنیاد ڈال رھے ھیں۔

سُر سورٹھ کے اولیں بند کا لفظی ترجمہ یوں ھوگا:٥

اللہ کی آس کرکے، وہ چلا تھا۔
گائک نے چنگ میں، گھنگرو باندھے تھے اور تسمے کے پُھول۔
ڈولی رائے ڈیاچ کی، دور سے آتی دیکھی۔
اسی پل واحد کے در پر بنتی کی،
میرے پیارے سائیں، رائے کو راگ سے رجھالے!

اسی کا ترجمہ ایاز نے اس طرح کیا ھے:

چنگ آراستہ کیئے "چارن"، منتظر تھا کہ رائے 'ڈیاچ' آئے،
اور یہ اس کے موہ لینے کو، راگ عھد الست کا گائے۔

مندرجہ بالا ترجمہ میں ایاز نے وہ بات بیان کردی ھے جو شاہ نے کہی۔ یعنی کہانی سنانا شروع کردی ھے۔ پھر بھی دونوں بندوں میں کسی قدر فرق ھے۔ "آراستہ ساز" غالباً چنگ میں "گھنٹیاں اور

تسمؤں کے پھول" باندھنے کا مطلب ادا کرتا ہو۔ لیکن بیجل کی نظروں کا راہ پر لگا ہونا (جو رائے ڈیاچ کی ڈولی دور سے آتی دیکھنے سے ظاہر ہوتا ہے) اور پھر بے قراری اور وارفتگی اور خاکساری کی یہ دعا: "میرے پیارے سائیں! رائے رجھادے راگ سے!" کیا۔

"منتظر ہے کہ رائے ڈیاچ آئے
اور یہ اس کے موہ لینے کو
راگ عہدالست کا گائے۔"

کے ذریعہ قاری تک پہنچ رہا ہے؟ اسی کے برعکس یوں محسوس ہوتا ہے کہ اردو منظوم ترجمہ صرف لفظی مطلب ہے۔ جب کہ لفظی نثری ترجمہ شاہ کی بوطیقا کی بہتر ترجمانی کر رہا ہے۔

اسی سُر میں شاہ کی ایک وائی ہے۔ جس کا "لفظی" ترجمہ اسی طرح ہے۔ (یہ وائی رائے ڈیاچ کی زبان سے ادا کی گئی ہے)

میرے سَر میں تیری جھنکار (گونج رہی ہے) او یار۔ منگتے، میں تجھے دان دوں گا!! اے گائک، جوناگڑھ میں، چلو، ہم یارانہ کرتے ہیں۔ مبادا تو میرا گلہ کرے! اگر میرے اوپر ہزار سر بھی ہوتے تو تیرے تند کی تانور پر ایک ایک کرکے انہیں قلم کرتا۔ اس سر کو قلم کرتے ہوئے بھی شرم آتی ہے، میری جھولی میں تو کچھ بھی نہیں! بھنو، شاہ لطیف کہتا ہے کہ چاہت کی رم جھم برکھا ہو رہی تھی۔

اسی کا ترجمہ شیخ ایاز یوں کرتے ہیں:

سیس تو تیرا ہو چکا ہے، اے چارن مہمان،
دینا ہے کچھ اور بھی، بن مُکھ مانگے دان،
اے چارن مہمان۔
بیجل اب نہ چھپائیو، مجھ سے من کی بات،
جوناگڑھ میں لے چلوں، تجھ کو اپنے ساتھ،
واروں لاکھوں سیس میں، سن کر تیری تان۔
اے چارن مہمان۔
لاج نہ جائے پریم کی چاہے سر کٹ جائے،
سب کچھ تجھ پر واروں، پھر بھی چین نہ آئے،
کہتا ہے جو لطیف ہمیشہ رکھیو اس کا دھیان۔
اے چارن مہمان

یہ ترجمہ شاہ کے اصل متن سے نزدیک تر ہے۔ ایاز نے جب اور جہاں پر تکلف اردو سے کنارا کیا

ھے اور دیہاتی بولی اپنائی ھے، وھیں وہ شاہ کے اصل متن سے قریب تر ہوگئے ھیں۔

ممتاز متشرق ایچ- ٹی سورلی نے ۱۹۳۸ع میں شاہ لطیف کے کلام کے منتخبات کا انگریزی میں ترجمہ مکمل کیا تھا۔ تب سے اسی صدی کے اختتام تک انگریزی شاعری میں بے شمار تبدیلیاں آئی ھیں، مگر حق تو یہ ھے کہ اس فرنگی مجنوں کا ترجمہ آج بھی پڑھیں تو قاری بے ساختہ داد دینے پر مجبور ہو جاتا ھے۔ چونکہ "سُر سورٹھ" سے اقتباسات لیے گئے ھیں لہٰذا اسی سر کا ایک بند اگر ہم لیں جسے شاہ نے اس طرح موزوں کیا ھے۔

لفظی ترجمہ:

چند ھی لوگ تھے جنھیں اس بھید کا گمان ہو سکا، جو رمز تک پہنچ سکے اور پارس بن گئے۔ گایک نے یہ وائی چھیڑی کہ الانسان، سرّی و انا سرّہ ' (انسان میرا راز ھے اور میں انسان کا راز ہوں)۔ راجہ اور راگی (راگ گاتے اور سنتے ہوئے) دونوں مل کر ایک ہوگئے۔

سورلے کا ترجمہ یوں ھے:

"Man is my secret: I am his.
Here lies the key to mysteries.
This Phrase the singer took to sing.
The song he sang before the king:
And when he sang, where there were two.
The pair to single One-ness grew.

اس سادہ، دلکش اور پُراثر ترجمہ میں فرنگی سورلے نے شاہ کے کلام کی روح کو حتیٰ الامکان بچا لیا ھے۔ نہ صرف منظوم ترجمہ کی انگریزی بحر شاہ سے قریب تر ھے، بلکہ سندھی شاعری کی مخصوص موسیقی جو صوفی تکرار سے پیدا ہوتی ھے (راجہ راگی، رسیا، رمز) اس تک کو برقرار رکھا ھے۔ (Song, sang, king)

اسی بیت کے نچوڑ کو ایاز نے اسی طرح پیش کیا ھے:

"خود فراموش ہوگیا راجہ، سن کے سائل کی سرمدی آواز،
مٹ گیا فرق ما و تو یکسر، سوزِ نغمہ ہوا اثر انداز،
بھید کیا تھا کسی کو کیا معلوم، کسی طرح دونوں ہوگئے ہم راز۔"

سورلے کی کامرانی اور تاثیر آفرینی کی ایک بڑی وجہ یہ ھے کہ اس نے شاہ کے کلام کے بنیادی نکات مضبوطی سے گرفت میں لے لیئے تھے۔ انگریزی صوفیانہ (Mystic) شاعری کا مطالعہ اس کی تعلیم و تربیت کا جزو لاینفک تھا۔

اس لیے شاہ کے صوفیانہ کلام کو انگریزی صوفی شعراء کے طرز اظہار کے قالب میں ڈھالنے میں

اسے دشواری محسوس نہیں ہوئی- ایاز نے شاہ کے کلام کا اردو ترجمہ کرکے ایک عظیم کارنامہ سرانجام دیا ہے- لیکن ہر کارنامہ کو بہتر بنایا جا سکتا ہے- شاہ کے ترجمہ کے لیئے اگر اردو کی بولیوں میں کی گئی صوفی شاعری کے طریقہ اظہار کو اپنایا جائے تو شاہ کے کلام کے ساتھ بہتر انصاف ہو سکے گا- شیخ ایاز نے اپنے "مقدمہ" میں ترجمہ کے مسائل کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ایک اہم رکاوٹ اردو کے ذخیرہ الفاظ اور مترنم سانچوں کی گنجائش کا کافی نہ ہونا تھا- لیکن اردو کو صرف شہری زبان نہ سمجھ کر یہ رکاوٹ دور کی جاسکتی ہے- "ہندوستانی" زبان بولنے والے وسیع و عریض خطّہ میں کھڑی بولی، سے لے کر پوربی تک از- منہ قدیم سے شعر و شاعری کا حسین و جمیل میدان رہوار سخن کے لیئے موجود ہے- اپنے فارسی اور عربی الفاظ تو وہ ان علاقوں کے گاؤں میں استعمال ہونے والی بولیوں میں نگینوں کی طرح جڑے ہیں اور تلسی اور کبیر کے کلام میں بھی بہ افراط موجود ہیں- اردو کا 'لفظی' مطلب "لشکر" ضرور ہوگا- لیکن اسی کا 'حقیقی' مطلب شمال ہندوستان کی بولیوں کی ایک دوسرے میں مدغم ہوجانے کی اور دوسری زبانوں کے الفاظ جذب کرنے کی لامحدود صلاحیت ہے- اس لیئے کم از کم قدیم شاعری کے ترجمہ کے لیے بعض الفاظ کو ہندی سمجھنے سے گریز کرنا لازمی ہو جاتا ہے- شاہ لطیف سندھ میں جس وحدت الوجود کے ترجمان تھے، برصغیر میں اسی فلسفہ حیات کے بانی شاہ لطیف کے پیش رو کبیر اسی "اردو" علاقہ میں جنمے تھے- اسی لیئے میں اس دیباچہ کو ان کے یہی ایک "مترنم سانچے" سے ختم کرتی ہوں-

کبیرا کھڑا بجار میں، مانگے سب کی خیر،
ناکو ہوسے دوستی، ناکو ہوسے بیر-

فہرست

مقدمہ

مقدمہ

سوانح حیات

شاہ عبداللطیف بھٹائی کی ولادت (۱) ۱۶۹۰ع / ۱۱۰۱ھ میں موجودہ ضلع حیدرآباد کے تعلقہ ہالا میں ہوئی۔ آپ کے والد سید حبیب، ہالا حویلی میں رہتے تھے، اور موصوف کا شمار اس علاقے کی برگزیدہ ہستیوں میں تھا۔

شاہ صاحب کی پیدائش کے متعلق مشہور ہے کہ سید حبیب نے یکے بعد دیگرے تین شادیاں کیں، لیکن اولاد سے محروم رہے۔ آپ نے اپنی اِس محرومی کا ذکر ایک درویش کامل سے کیا، جن کا اسم گرامی عبداللطیف بتایا جاتا ہے۔ موصوف نے دعا کرتے ہوئے کہا کہ انشاء اللہ آپ کی مراد برآئے گی۔ میری خواہش ہے کہ آپ اپنے بیٹے کا نام میرے نام پر عبداللطیف رکھیں، خدا نے چاہا تو وہ اپنی خصوصیات کے لحاظ سے یکتائے روزگار ہوگا۔

سید حبیب کی پہلی بیوی سے ایک بچہ پیدا ہوا، درویش کی خواہش کے مطابق اُس کا نام عبداللطیف رکھا گیا، لیکن وہ بچپن ہی میں فوت ہوگیا۔ پھر اُسی بیوی سے جب دوسرا لڑکا پیدا ہوا تو اس کا نام پھر عبداللطیف رکھا گیا، یہی لڑکا آئندہ چل کر درویش کی پیشین گوئی کے مطابق واقعی یگانۂ روزگار ثابت ہوا۔

شاہ بھٹائی کے آباو اجداد سادات کے ایک اہم خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ کا سلسلۂ نسب حضرت علی رضی اللہ عنہ اور رسول خدا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے۔ امیر تیمور کے زمانے میں ہرات کے ایک بزرگ سید میر علی بہت سی خوبیوں کے مالک تھے، اور آپ کا شمار اس علاقے کے معزز ترین افراد میں ہوتا تھا۔ ۱۳۹۸ع / ۸۰۱-۲ھ میں جب امیر تیمور ہرات آیا، تو سید صاحب نے اس کی اور اس کے ساتھیوں کی بڑی خاطر و تواضع کی، ساتھ ہی ایک بڑی رقم بطور نذرانہ پیش کی۔ تیمور اس حسنِ سلوک سے بیحد متاثر ہوا، سید صاحب اور اُن کے دو بیٹوں میر ابوبکر اور حیدر شاہ کو

---

(۱) "عنایت شمار" سے یہ سال برآمد ہوتا ہے۔ (سال تاریخ از غلام محمد شاہ "گدا")

مصاحبین خاص میں شامل کر کے ہندوستان لے آیا۔ یہاں آنے کے بعد میر ابوبکر کو سندھ کے علاقے سیوھان کا حاکم مقرر کیا، اور سید میر علی اور حیدرشاہ کو اپنے ساتھ رکھا۔ بعد کو سید حیدرشاہ بھی اپنے والد بزرگوار اور تیمور کی اجازت سے گھومتے پھرتے مستقل طور پر سندھ میں آگئے، اور ھالا کے علاقے میں شاہ محمد زمیندار کے مہمان ہوئے۔ شاہ محمد نے آپ کی کچھ اِس طرح خدمت کی کہ وقتی راہ و رسم، پُرخلوص محبت میں تبدیل ھوگئی۔ کچھ دنوں کے بعد اُس نے اپنی لڑکی فاطمہ کی شادی آپ سے کردی، چونکہ آپ کی ماں کا نام بھی فاطمہ تھا، اِس لیے شادی کے بعد اِس نام کو سلطانہ سے بدل دیا گیا۔ سید حیدرشاہ قریب قریب تین سال تک ھالا میں رہے، پھر اپنے والد بزرگوار کی وفات کی خبر سن کر ھرات گئے جہاں تین چار سال تک رھنے کے بعد وھیں وفات پاگئے۔ کہتے ھیں کہ جب سید صاحب ھرات روانہ ھوئے تو آپ کی اھلیہ حاملہ تھیں، اُنھوں نے چلتے وقت یہ وصیت کی کہ اگر میری عدم موجودگی میں بچہ پیدا ھو تو لڑکا ھونے کی صورت میں اس کا نام میر علی رکھنا، اور لڑکی ھو تو اس کا نام فاطمہ رکھنا۔ چنانچہ لڑکا پیدا ھوا، اور سید صاحب کی وصیت کے مطابق اس کا نام میر علی رکھا گیا۔ میر علی کے خاندان میں بڑے بڑے صاحب کمال بزرگ پیدا ھوے۔ ان بزرگوں میں شاہ عبداللطیف کے علاوہ شاہ کریم، سید ھاشم اور سید جلال وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ھیں۔

شاہ لطیف کی ولادت کے کچھ ھی دن بعد اُن کے والد اپنے آبائی گانو کو چھوڑ کر کوٹری میں آ کر رھنے لگے، اور پانچ چھ سال کی عمر میں آخوند نورمحمد کی مشہور درسگاہ میں تحصیل علم کے لیے بھیجے گئے۔ عام روایت ھے کہ شاہ صاحب نے الف کے سوا کچھ اور پڑھنے سے صاف انکار کردیا، لیکن مجھے اس روایت میں کوئی صداقت نظر نہیں آتی۔ شاہ کے کلام کو بنظر غائر دیکھنے سے معلوم ھوتا ھے کہ موصوف کو نہ صرف اپنی زبان پر عبور حاصل تھا، بلکہ عربی، فارسی، ھندی اور دوسری علاقائی زبانوں میں بھی خاصی دسترس حاصل تھی، بلکہ ان زبانوں کے ادب سے بھی واقفیت رکھتے تھے۔ آپ نے اپنے کلام میں جہاں کہیں عربی اور فارسی کا استعمال کیا ھے، وہ کچھ ایسا برمحل ھے کہ اس سے کلام کی اثرآفرینی کچھ اور بڑھ جاتی ھے۔ ظاھر ھے کہ یہ اثر آفرینی گہرے مطالعے ھی سے پیدا ھو سکتی تھی۔ ڈاکٹر ٹرمپ نے اس

روایت کو غلط ثابت کرتے ہوے لکھا ھے کہ "شاہ کے پڑھے لکھے ہونے کا سب سے بڑا ثبوت آن کا مجموعۂ کلام ہی ھے، جس میں عربی اور فارسی کا استعمال بڑے سلیقے سے کیا گیا ھے"۔ ہوسکتا ھے کہ تحصیلِ علم کے لیے شاہ نے کسی استاد سے زیادہ مدد نہ لی ہو، بلکہ طبع سلیم اور جذبۂ شوق کی بنا پر ظاہری اور باطنی علوم حاصل کیے ہوں۔

'مقالات‌الشعراء' کے مصنف میر علی شیر 'قانع' ٹھٹوی جو شاہ کے ہمعصر بھی ہوتے ہیں، اس ضمن میں لکھتے ہیں کہ "آنجناب لطیف اگرچہ امی بود اما علم عالم بتمام بر لوحِ محفوظ دل شان مثبت بوده"۔ مرزا قلیچ بیگ، ڈاکٹر گربخشانی، مولانا دین محمد وفائی، پروفیسر جیٹھمل، ڈاکٹر سورلے، پروفیسر کلیان آڈوانی، اور دوسرے محققین نے بھی اس مسئلے پر رائے زنی کی ھے۔ بہر صورت مجموعی طور پر بھی نتیجہ اخذ کیا جاتا ھے کہ شاہ کو اُمّی قرار دینا کسی عنوان درست نہیں۔ بات در اصل یہ ھے کہ شاہ کے زمانے میں اور اِس سے قبل سندھ میں عربی اور فارسی کا دور دورہ تھا، اور عام طور پر صاحب علم و فضل اُس شخص کو تسلیم کیا جاتا تھا، جو اِن دونوں زبانوں اور خصوصاً فارسی کی قابلیت رکھتا ہو۔ شاہ کی افتاد طبع اوائلِ عمری سے ہی کچھ مختلف تھی، لہذا اُن کی جولانیٔ طبع محض رسمی طور پر اکتساب کی متحمل نہ ہوسکی، بلکہ عام روش سے ہٹ کر اپنے لیے نئی راہ پیدا کرنے کی سعی و تجسس میں مشغول رہی۔ غالبا اسی انحراف کی وجہ سے میر علی شیر 'قانع' نے شاہ کا عقیدتمند ہونے کے باوجود اپنی فارسی دانی کے طفیل شاہ کو اُمّی مشہور کیا۔ ممکن ھے کہ موصوف کے نزدیک یہ بھی ایک قسم کی عقیدت کا اظہار ہو، لیکن جہاں تک شاہ کے کلام کی معنویت اور فنی لوازمات کا سوال ھے، یہ بات بہرکیف تسلیم کرنی پڑتی ھے کہ "قبول خاطر و لطف سخن خداداد ست" کی شرط کے علاوہ بھی کچھ شعوری کوششیں ایسی ہیں جو شاعرانہ مزاج پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ یہ کوششیں خواہ علمِ مجلسی کی ساختہ و پرداختہ ہوں یا باضابطہ حصولِ علم کی مرہونِ منت، بہر صورت ان کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ شاہ کے یہاں ایک دو نہیں بلکہ سیکڑوں ایسی مثالیں ملتی ہیں جن میں ان علمی کوششوں کا عمل دخل نمایاں طور پر محسوس ہوتا ھے جو یقیناً علوم ظاہری اور کتاب زیست سے حاصل ہوئیں۔ رہا باطنی بصیرت کا معاملہ تو اس کے لیے یقیناً کہا

جا سکتا ھے کہ "تا نہ بخشد خدائے بخشندہ"۔ اِس کو خواہ کشف و کرامات پر محمول کیجیے، یا ایک بلند پایہ شاعر کا حسیّاتی ردِّ عمل کہیے، معاملے کی اصل نوعیت میں کوئی فرق پیدا نہیں ہوتا۔ خیال ھے کہ شاہ نے مروّجہ علوم و فنون کو نہ صرف غور و فکر سے حاصل کیا تھا، بلکہ گہرائی اور گیرائی کے ساتھ ساتھ جدت طرازی کی پوری قدرت بھی حاصل کی تھی۔

جن دنوں شاہ حبیب کوٹڑی میں آ کر آباد ہوئے، اُن دنوں کوٹڑی(۱) میں مرزا مغل بیگ ارغون کا ایک معزز خاندان سکونت پذیر تھا۔ شاہ حبیب کی پاکبازی اور بزرگی نے مغل بیگ کو بہت متاثر کیا۔ کچھ دنوں بعد وہ اپنے پورے خاندان کے ساتھ شاہ حبیب کے مریدوں میں شامل ھو گیا۔ جب کبھی مرزا کے گھر میں کسی کو کوئی بیماری ھوتی، شاہ (حبیب) کو دعاے صحت کے لیے بلایا جاتا۔ گو کہ مرزا کے گھرانے میں سخت قسم کے پردے کا رواج تھا، لیکن شاہ حبیب کے لیے اس رسم کو بالکل ختم کردیا گیا تھا، گھر کی تمام مستورات بلا تکلف ان کے سامنے آجاتیں، اور حسب ضرورت دعا تعویذ لے کر آنے والی بلاؤں کو ٹالتیں۔

ایک مرتبہ مرزا مغل بیگ کی نوجوان بیٹی بیمار ھوئی۔ حسب معمول شاہ حبیب کے پاس ملازم بھیجا گیا، لیکن چونکہ اتفاق سے شاہ حبیب کی طبیعت بھی کچھ ناساز تھی، اِس لیے انھوں نے اپنے نو عمر بیٹے کو ملازم کے ساتھ روانہ کر دیا۔ مرزا پہلے تو بڑا چونکا، لیکن یہ سوچتے ھوئے کہ پیر و مرشد کا فرزند ارجمند ھے، بڑے تپاک سے خیر مقدم کیا، اور اپنے ساتھ زنانخانے میں لے گیا۔ نوجوان شاہ لطیف نے دفعتاً جب ایک حسین و جمیل دوشیزہ کو اپنے سامنے دیکھا، اور دونوں کی آنکھیں یک بیک ایک دوسرے کی طرف اٹھیں تو دونوں دلوں میں محبت کی آگ سلگ اٹھی، جس کا اندازہ فوراً مرزا کو ھوا، لیکن مصلحتاً اس وقت ٹال گیا۔ شاہ لطیف بادل نخواستہ دعاے خیر کر کے اپنے گھر چلے گئے، لیکن محبت کی وہ چنگاری جو قلب و نظر میں اتفاقیہ طور پر سلگ چکی تھی، بجھانے سے بھی نہ بجھی۔ ممکن ھے مرزا کی نوجوان صاحبزادی کا بھی کچھ

---

(۱) موجودہ کوٹڑی سے الگ یہ ایک چھوٹا قصبہ کوٹڑی مغل کے نام سے موجودہ بھٹ شاہ سے ۰ کوس پر آباد تھا جو اب ویران ھے۔

ایسا ہی عالم رہا ہو، اور اسی وجہ سے مرزا کے شکوک و شبہات نے تشویشناک صورت اختیار کر کے شاہ حبیب سے ترک تعلق پر مجبور کردیا ہو۔ بہر صورت جب شاہ حبیب تک یہ بات پہنچی تو انہیں بہت دکھ ہوا۔ بیٹے کو سمجھایا بجھایا، لیکن کوئی قابل اطمینان نتیجہ بر آمد نہ ہوا۔ آخر کار آپ نے مجبوراً کوٹری چھوڑ کر کسی دوسری جگہ رہنا مناسب سمجھا۔

شاہ کے اِس حادثہٗ عشق کو کچھ اِس طرح بھی بیان کیا جاتا ھے کہ جب نوجوان دوشیزہ کی کلائی موصوف کے ھاتھ میں آئی تو آپ کی زبان سے بیساختہ یہ جملہ نکل گیا کہ "جس کا ھاتھ سید کے ھاتھ میں آجائے پھر اس کے لیے درد دکھ کیسا!"۔ عام روایت ھے کہ یہی بات سن کر مرزا مغل بیگ بد ظن ھوا، اور اُس نے انتقاماً شاہ حبیب کو کوٹری سے جانے پر مجبور کیا۔ بہر طور واقعات خواہ کچھ بھی ھوں یہ حقیقت ھے کہ اِس حادثے کا شاہ کی زندگی پر گہرا اثر پڑا۔ گھر بار چھوڑ کر اُنھوں نے دور دراز جنگلوں اور صحراؤں کا رخ کیا، متواتر تین سال تک دشت نوردی کی۔ اُسی زمانے میں انھوں نے بعض اور علاقوں کی سیر کی، جس کا ذکر اُن کے کلام میں جا بجا نظر آتا ھے(۱)۔ مشہور ھے کہ جب آپ گھومتے پھرتے ٹھٹے میں آئے تو وھاں کے ایک عالم مخدوم علامہ محمد معین (جو حضرت شاہ ابوالقاسم نقشبندی رحہ کے خلیفہ تھے) سے ملاقات ھوئی۔ موصوف نے شاہ کی وارفتگی کو دیکھتے ھوئے بیحد ھمدردی کا برتاؤ کیا، اور یہ کوشش کی کہ اپنے حسن سلوک سے کسی نہ کسی طرح ایک دکھے ھوے دل کو تسکین بہم پہنچائیں۔ موصوف کی دلجوئی سے شاہ کو بہت کچھ تسکین ھوئی۔ غالباً یہ مخدوم معین کی صحبت ھی کا اثر تھا کہ آپ میں از سر نو والدین کی خدمت اور عبادت و ریاضت کا جذبہ پیدا ھوا۔ یہ جذبہ شاہ کو پھر اُن کے والدین کے پاس لے گیا، جنھوں نے شاہ کی واپسی پر دلی مسرت کا اظہار کیا، خاص طور پر شاہ حبیب کو تو اتنی خوشی ھوئی جیسے انھیں دوبارہ زندگی حاصل ھوئی۔

شاہ کی واپسی کے کچھ عرصے بعد ھی "دل" قوم کے بعض سرکش افراد نے مرزا مغل بیگ کی حویلی پر حملہ کیا۔ یہ واقعہ ۱۷۱۳ع/۱۱۲۵ھ کا ھے۔ مرزا مغل بیگ کے خاندان میں جتنے بھی مرد تھے سب قتل کردیے گئے، صرف

---

(۱) ر ک۔ تکملہ مقالات الشعراء خلیل ٹھٹوی (حسام الدین ایڈیشن) و تحفۃ الکرام۔

ایک نو عمر لڑکا اور عورتیں باقی رہ گئیں۔ اس لوٹ مار اور قتل و خون سے باقی ماندہ بے سر و سامان مغل خواتین کو سخت مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ انھیں وہم ہوگیا کہ یہ تباہی سیدوں کی ناراضی اور بد دعا کی وجہ سے ہوئی ہے۔ شاہ حبیب کی خدمت میں حاضر ہوکر سب نے دست بستہ معافی مانگی، اور سرپرستی فرمانے کی درخواست کی، ساتھ ہی مرزا مغل بیگ کی صاحبزادی کو شاہ لطیف کے نکاح میں دینے کا اقرار کیا۔ صاحبزادی کا نام سیدہ تھا، جو پہلے ہی شاہ کی منظور نظر تھیں، جن کی خاطر آپ نے دشت نوردی اختیار کی تھی۔ شاہ حبیب نے سابقہ راہ و رسم کو مد نظر رکھتے ہوئے مغل خواتین کی ہر طرح مدد کی۔ شاہ لطیف کا عقد سیدہ سے کردیا گیا، موصوفہ کی خانگی تربیت کچھ ایسے ماحول میں ہوئی تھی کہ گھر گرہستی کے کاموں میں بہت زیادہ دلچسپی لیتی تھیں، علاوہ ازیں عادات و خصائل کے اعتبار سے بھی قابل قدر تھیں، شادی کے بعد شاہ کے مریدان باصفا نے آپ کو "تاج المخدرات" کا لقب دیا۔

ازدواجی زندگی میں منسلک ہونے کے بعد، شاہ نے کوٹری سے چار پانچ کوس دور ایک پُرفضا لیکن غیر آباد جگہ کو اپنا مسکن بنایا۔ اِسی پُرفضا جگہ کو اب تک "بھٹ شاہ" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ جگہ اُس زمانے میں چند اونچے اونچے ٹیلوں پر مشتمل تھی، شاہ نے اس کو ایک خوبصورت بستی میں تبدیل کرنے کی جدوجہد کی، پرخلوص مریدوں اور عقیدت مندوں نے آپ کا ہاتھ بٹایا، رفتہ رفتہ یہ چھوٹی سی بستی مرجع خاص و عام بن گئی، دور دراز علاقوں سے صدہا موسیقار، سادھو، سنیاسی اور فقرا یہاں آنے جانے لگے، اور اس طرح اس کی شہرت کہاں سے کہاں تک پہنچ گئی۔ شاہ عبداللطیف ابھی بھٹ کو آباد ہی کر رہے تھے کہ والد بزرگوار کی علالت کی خبر پہنچی، لیکن اس سے پہلے کہ آپ کوٹری پہنچیں، شاہ حبیب کا انتقال (۱۱۴۴ھ/۱۷۳۱ع) ہوگیا۔ والد کے انتقال نے شاہ کو کوٹری اور اس کے گرد و نواح سے بالکل بے نیاز کردیا، شاہ حبیب کی تجہیز و تکفین بھی بھٹ شاہ میں ہوئی، اور بعد میں شاہ کی مرضی کے مطابق خاندان کے باقی‌ماندہ افراد بھی مستقل طور پر وہیں آگئے۔

بھٹ شاہ کو آباد ہوئے چند ہی سال گذرے تھے کہ شاہ لطیف کو پھر سیر و سفر کا شوق ہوا۔ مقدس مقامات کی زیارت کے ارادے سے روانہ ہوئے لیکن

نہ جانے کیوں اس ارادے کو پایۂ تکمیل تک نہ پہنچا سکے، اور بھٹ شاہ واپس آ کر عبادت اور ریاضت میں منہمک ہوگئے۔ شاہ کا زیادہ وقت تنہائی میں گذرتا، غور و خوض کرنے کی عادت اوائل عمری ہی سے تھی، شعور کی پختگی اور بیشمار دنیاوی تجربات نے سونے پر سہاگے کا کام کیا۔ شعر و سخن اور موسیقی سے جو تعلق خاطر تھا، اس نے عمر کے ساتھ ساتھ ترقی اور قبول خاطر حاصل کیا۔ اس شرف قبولیت کا اندازہ آپ کی زندگی کے آخری لمحات سے کیجیے۔ کہتے ہیں کہ وفات سے اکیس دن پہلے شاہ نے مکمل گوشہ نشینی اختیار کرلی، حتیٰ کہ خورد و نوش سے بھی بالکل بے نیاز سے رہے۔ ایک دن غسل سے فارغ ہوکر اپنی چادر اوڑھی، عقیدت مندوں کے جھرمٹ میں آئے، محفل سماع کے انعقاد کا اشارہ کیا اور خود مراقبہ فرمانے کے لیے حجرے میں تشریف لے گئے۔ مسلسل تین دن تک بڑے ذوق و شوق سے محفل سماع جاری رہی۔ آخر تیسرے دن جب چند عقیدت‌مند حجرے میں گئے، اور قریب جاکر دیکھا تو شاہ لطیف کی روح لطیف قفس عنصری سے نہ جانے کب پرواز کر چکی ہے۔ یہ کسی کو بھی خبر نہ ہوسکی کہ ایسا کس وقت ہوا۔ عام مورخین و محققین تاریخ وفات ۱۴ ماہ صفر ۱۱۶۵ھ / ۱۷۵۲ع بتاتے ہیں۔

۱۱۶۷ھ / ۱۷۵۴ع میں غلام شاہ کلھوڑا نے اپنے والد نور محمد کلھوڑا کے حکم کے مطابق شاہ کے مزار پر ایک دیدہ زیب مقبرہ تیار کرایا جو اب تک موجود ہے، اور سندھی فن تعمیر کا ایک شاہکار سمجھا جاتا ہے۔ مقبرے کے صدر دروازے پر فارسی کے تاریخی قطع کندہ ہیں، جس میں سے یہ شعر ٹھٹے کے مشہور شاعر محمد پناہ رجا کا ہے

زد نعرہ در فراق، دگر کرد سینہ چاک
شد محو در مراقبہ جسم لطیف پاک
(۱۱۶۵ھ)

گفت ایں رجا مریدیں ارتحال پیر
گر دیدہ محو عشق وجود لطیف میر
(۱۱۶۵ھ)

شاہ کی سیرت کے متعلق سندھی، فارسی، انگریزی، ہندی اور اردو کے مختلف اہل قلم نے اپنی رائے کا اظہار کیا ہے، مجموعی طور پر سب نے یہ تسلیم کیا ہے کہ شاہ نہ صرف ایک بلند پایہ خدا رسیدہ بزرگ تھے، بلکہ موصوف کی شاعرانہ حیثیت بھی شہرت دوام کی حامل ہے۔ بحیثیت ایک انسان کے شاہ انتہائی سادگی پسند، پاک طینت، سنجیدہ، بردبار، حلیم اور منکسرالمزاج تھے۔ ہمدردی و ایثار، بے لوث رواداری، وسیع الخیالی، خوش آئند دوراندیشی، مشفقانہ رحمدلی اور ایسی ہی متعدد خوبیاں آپ کی سیرت کو "آنچہ خوباں ہم دارند تو تنہا داری" کی حدوں سے ملاتی ہیں۔

شاہ کی نشو و نما اور ذہنی تربیت ایسے معزز گھرانے میں ہوئی جو ایک مدت سے علم و عرفان کی شمع روشن کیے ہوئے تھا، اور جس کے علم و فضل کا چرچا دور دور تک تھا۔ آپ کے والد شاہ حبیب فرشتہ خصلت بزرگ تھے، قرب و جوار کے علاقوں میں بڑی عزت و احترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ والدہ بھی عارفان کامل کے خاندان سے تعلق رکھتی تھیں، اس لیے اوائل عمر ہی سے شاہ کی خداداد صلاحیتوں کو ابھرنے کا بہت اچھا موقع ملا۔ سن شعور کو پہنچتے پہنچتے وہ جوہر قابل بھی نمایاں ہونے لگا جو شاعرانہ مزاج کو نئی تب و تاب عطا کرنے کے لیے قدرت کے طرف سے ودیعت کیا گیا تھا۔ پھر حادثۂ عشق نے اس شاعرانہ مزاج کو جو سوز و ساز بخشا، وہ بھی کسی نئے ذہنی انقلاب کا پیش خیمہ تھا۔ بیاباں در بیاباں گھومنا پھرنا، فطری مناظر کا بے محابا مشاہدہ کرنا، مختلف قسم کے تاریخی و غیر تاریخی مقامات کے آثار سے ذہنی عوامل کو روشناس کرانا، طرح طرح کے سادھو، سنیاسی، جوگی، فقیر، درویش، قلندر اور سیلانی موسیقاروں سے ملنا جلنا، ان کے عادات و خصائل کو بغور دیکھنا، اپنے ہموطنوں اور دور دراز کے علاقوں میں بسنے والے لوگوں کے ثقافتی ورثے کا تجزیہ کرنا، اور پھر سنجیدگی سے اس کے حسن و ترتیب پر غور کرنا، غرض یہ کہ شاہ کی نوجوانی اور ابتدائی جوانی کچھ اس طرح سے گذری کہ پُر شکوہ حویلیوں میں رہنے والوں سے لے کر بے سر و سامان دشت نوردوں، مظلوم دھقانوں اور سادہ لوح محنت کشوں تک بہت سی ایسی منزلیں آئیں، جنھوں نے شاہ کی سیرت کو باطنی بصیرت، وجدانی معنویت اور روحانی کیفیات کے پُراسرار رموز و

نکات سمجھائے۔ انہیں رموز و نکات کا کرشمہ تھا کہ عین عالمِ شباب میں جب شاہ نے ازدواجی زندگی میں قدم رکھا، تب بھی ایک ماورائی تشنگی نامعلوم آب حیات کی تلاش میں رہی۔ یہی تلاش شاہ کی انسان دوستی اور خدا شناسی کا مظہر بنی، اور اسی تلاش و جستجو نے انہیں عام انسانی کمزوریوں سے بالاتر رکھا۔ بغض و حسد، حرص و ہوا اور ظلم و تشدد وغیرہ سے انہیں دور کا بھی واسطہ نہ تھا، بلکہ ایک لحاظ سے وہ بذات خود ایسی ایذا پسندی کے قائل تھے جو انسان کی مادّہ پرستی کو کم سے کم کرکے روحانیت کی طرف رجوع کردے۔ مادّی زندگی کا مقصد و مدعا آن کے نزدیک یہی تھا کہ وہ کسی اعلیٰ نصب العین کے حصول میں مددگار و معاون ثابت ہو۔

شاہ کی سیرت کا اہم ترین پہلو ان کا صوفیانہ مسلک ہے۔ وہ قادری طریقے سے منسلک اور متبع شریعت بزرگ تھے، انسانیت کے درد سے آپ کو نوازا گیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ہر مذہب اور ہر فرقے کے لوگ آپ سے دلی عقیدت رکھتے تھے۔ قادریہ مسلک میں اگرچہ محفل سماع ممنوع ہے، لیکن شاہ کو موسیقی سے کچھ ایسا روحانی انس تھا کہ نہ صرف وادی سندھ کے مشہور و معروف موسیقار بلکہ شمالی ہند کے با کمال موسیقی نواز بھی اکثر یہاں آتے، اور محفل سماع کی دل آویزی بڑھاتے۔ چونکہ ایسی محفل سماع کا انعقاد اب عموماً چشتیہ طریقے کے بزرگوں میں ہوتا ہے، اس بنا پر بعض مصنفین کے نزدیک شاہ صحیح معنی میں قادریہ سلسلے کے پیرو نہ تھے۔ شاہ کے والد بزرگوار ہر لحاظ سے اس مسلک کو اپنائے ہوئے تھے، شاہ نے بیعت بھی غالباً اپنے والد ہی کے ہاتھ پر کی تھی، اس لئے قادریہ طریقے کے بزرگ کہلائے۔

شاہ کو بعض نے اویسی طریقے سے منسلک بتایا ہے کیونکہ ظاہری طور پر وہ کسی شیخ سے بیعت نہیں تھے۔ اس مسلک کے متعلق شاہ نے مخدوم معین ٹھٹوی سے چند سوالات بھی کیے تھے، جس کا مفصل جواب مخدوم معین نے "رسالہ اویسیہ" میں دیا ہے۔ یہ رسالہ در حقیقت شاہ کی تحریک ہی پر تصنیف کیا گیا تھا، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ موصوف کو اویسی طریقے سے بھی تعلق تھا۔ بہر صورت متعدد ارباب فکر و نظر کے اقوال کو پیش نظر رکھتے ہوئے شاہ کے صوفیانہ مسلک کی بابت یہ کہا جا سکتا ہے کہ آپ نے رسمی طور پر کسی مسلک کو قبول نہ کیا تھا، بلکہ باطنی بصیرت، وجدانی کیفیات اور عملی جگر کاویوں

سے ایک ایسے ہمہ گیر مسلک حیات کی بنا ڈالی تھی جو فرقہ واریت اور محدود نظریات سے بالاتر ہے۔

شاہ کے مسلک و مذہب کا آئینہ دار خود ان کا کلام ہے۔ ان کا کلام جن اقدار اور رجحانات پر مشتمل ہے وہ ان کے پسندیدہ مسلک حیات کے آئینہ دار ہیں۔ شاہ کا وہ پسندیدہ مسلک حیات کیا تھا، اس کا تفصیلی ذکر آگے چل کر کیا جائے گا۔ مختصراً اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ شاہ کے متجسس قلب و نظر نے مطلوب حقیقی کو پانے کے لیے جو مسلک اپنایا وہ روحانی اہلیت کو حاصل کرنے کے لیے مادی اسباب کی نفی نہیں کرتا۔ اگرچہ ان کے نزدیک مادی زندگی بذات خود کوئی مقصد نہیں ہے، بلکہ ایک اعلیٰ نصب العین کے حصول کا ذریعہ ہے۔

شاہ اکثر اپنے عقیدت مندوں کو کم کھانے، کم سونے، کم بولنے، خود غرضی سے بچنے، دوسروں کے ساتھ بھلائی کرنے، سادہ پوشاک پہننے، راضی برضا رہنے اور ذکر و فکر میں مشغول رہنے کی تلقین کیا کرتے تھے۔ آپ خود بھی ان اصولوں پر کاربند تھے۔ ظاہری عبادت کو ضروری سمجھتے تھے، لیکن اس سے کہیں زیادہ ذاتی معاملہ فہمی اور باطنی بصیرت پر زور دیتے تھے، اس لیے کہ اگر انسان میں کسی نصب العین کو اپنانے کے لیے حقیقی جذب و شوق پیدا نہ ہو تو ظاہری عبادت و ریاضت سے زیادہ مفید نتائج برآمد نہیں ہوتے۔ زعم پارسائی اور زہد و تقوی کا غرور آپ کے نزدیک بیحد معیوب تھا۔ جن عادات و خصائل کو برا سمجھتے تھے، ان کی نشان دہی بڑے موثر انداز میں اس طرح کر دیا کرتے تھے کہ دلی نفرت کا اظہار بھی ہو جاتا اور ساتھ ہی وہ حل بھی سامنے آجاتا جو انسانی جبلت کے لیے آسانی سے قابل قبول ہو۔ رحمدلی کا یہ عالم تھا کہ انسان تو انسان پرندوں کو بھی ستانا یا ایذا پہنچانا انتہائی مذموم سمجھتے تھے۔ وسیع و عریض کائنات کے ذرے ذرے سے کچھ ایسی والہانہ رغبت تھی کہ ان کو دیکھ کر ایک خاص حسن ترتیب ان کے فکر و فن میں بھی پیدا ہوجاتا۔ یہی وجہ ہے کہ شاہ کے کلام میں بیشمار ایسی چیزوں کا ذکر ملتا ہے جس کو دنیا کے باکمال شاعروں نے در خور اعتنا نہ سمجھا۔

سماجی پس منظر:

شاہ لطیف کے زمانے میں سندھ کے سماجی حالات کس قسم کے تھے؟ اس سوال کا قابل اطمینان جواب تو ہمیں شاہ کے کلام سے بھی مل سکتا ہے، لیکن شاعرانہ اندازِ بیان اور غیر مربوط سماجی عوامل کو یکجا کرنا کافی حد تک دشوار ہے۔ دشوار اس لیے کہ شاہ کو اس دور کے سماجی حالات نے وقتاً فوقتاً جس طرح متاثر کیا، اور اس تاثر کو شاہ کے قلب و نظر نے شاعرانہ طور پر جس جس طریقے سے خارجی و داخلی محرکات کا اتصال سمجھا۔ اس کا سراغ لگانا بذاتِ خود ایک قسم کا تخلیقی کام ہے۔ یہ عمل بالکل اسی قسم کا ہے، جیسے کوئی شخص بیچ تالاب میں کھڑا ہو کر چھوٹی بڑی پھیلتی ہوئی لہروں کو سمیٹنے کی کوشش کرے۔

ڈاکٹر سورلے نے سندھ کی سماجی زندگی کی نوعیت بیان کرتے ہوے کہا ہے کہ:

"The life of Sind was like a pool into which from time to time a pebble is thrown from outside. There are few ripples after the splash and then all is still once more."

ڈاکٹر سورلے نے یہ بات سندھ کی اس سماجی زندگی کے متعلق کہی ہے، جو شاہ کے زمانے سے عبارت ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب سندھ میں سلاطین مغلیہ کا اقبال اپنی انتہا کو پہنچ کر رو بزوال تھا۔ کچھ عرصے کے بعد وہ بلند اقبالی کلہوڑا خاندان کے شہریاروں کی طرف رجوع ہوگئی تھی۔ جاگیرداری، زمینداری اور پیری مریدی اس دور کے سماجی عوامل تھے۔ جاگیرداری کے مستحق وہ لوگ ہوتے تھے، جن کا تعلق یا تو سرکش قبائل سے ہوتا تھا یا وہ افراد جو فوجی کارناموں کی بدولت اجتماعی زندگی پر حاوی ہوگئے تھے۔ بیشتر مثالیں آن

مصاحبین کی ہیں جنھیں درباداری کے طفیل بیش قیمت جاگیریں عطا ہوئی تھیں۔ تاجداروں کی خوشنودیٔ مزاج کا صلہ دو ہی طریقوں سے ملتا تھا۔ پہلی صورت میں انعام و اکرام سے نوازا جاتا اور دوسری صورت میں جاگیریں عطا کردی جاتیں۔ جاگیریں ہر قسم کی محصولات سے مستثنیٰ رہتیں۔ بالفاظ دیگر ہر جاگیردار اپنے علاقے کا خود مختار فرماں روا ہوتا۔ اس پر اگر برائے نام کسی کی بالادستی تھی تو اس سلطان کی جو تخت دلی پر رونق افروز ہوتا، یا کسی قدر اس گورنر کی جو علاقائی طور پر مقرر کیا جاتا۔ جاگیرداروں کی عادات و خصائل انھیں سانچوں میں ڈھلی ہوئی تھیں، جن کا اطلاق سلاطین وقت پر ہوتا تھا۔ عالیشان حویلیوں میں رہنا، گھوڑوں اور اونٹوں کا رکھنا، سیر و شکار اور خانگی عیش و عشرت میں وقت صرف کرنا، غریب اور پس ماندہ عوام کو اپنی مرضی کے مطابق استعمال کرنا، خوشامدی مصاحبین، جن میں موسیقار، لطیفہ گو، جی حضوری کرنے والے اور اِسی قبیل کے دیگر افراد شامل ہوتے، اپنے گرد جمع رکھنا، ان کی جولانیٔ طبع سے محظوظ ہونا، اور حسب دلخواہ انعام و اکرام سے نواز دینا، یہ اور اسی قسم کی بہت سی چھوٹی بڑی عیش پسندیوں سے اس دور کا جاگیردارانہ و نیم جاگیردارانہ سماج عبارت تھا۔ جاگیرداروں کے علاوہ وہ زمیندار بھی تھے، جن کو زمین کچھ معاوضے پر دی جاتی۔ یہ معاوضہ سالانہ مالگذاری کے طور پر لیا جاتا۔ زمینداروں کی مزاجی کیفیات بھی ایک حد تک جاگیرداروں سے ملتی جلتی تھیں۔

جاگیرداری اور زمینداری کے بعد پیری مریدی کا نمبر آتا ہے۔ جیسا کہ میں تاریخی پس منظر بیان کرتے ہوئے لکھ چکا ہوں کہ سندھ میں اسلامی عہد کے ابتدائی زمانے ہی سے عربی و عجمی ممالک کے برگزیدہ و صاحب کشف و کرامات بزرگ آباد ہوگئے تھے۔ اس قسم کے بزرگوں میں زیادہ تعداد سیدوں کی تھی۔ شاہ لطیفؒ کے آبا و اجداد کا تعلق بھی ہرات کے ایک سید خاندان سے تھا۔

سید خاندان کے بزرگوں کو زیریں سندھ میں خصوصاً بڑا عروج حاصل ہوا، رفتہ رفتہ ان کا اثر بالائی سندھ پر بھی پڑا، اور اس طرح پورے سندھ میں ان کی بزرگی اور برتری کا چرچا ہونے لگا۔ سندھ میں سید خاندانوں کو جو عزت حاصل

ہوئی وہ کچھ تو حکمراں طبقے کی سرپرستی کی وجہ سے اور کچھ اس وجہ سے بھی کہ ان کے بیشتر افراد شخصی طور پر عبادت و ریاضت، علم و حکمت اور اپنے اخلاق و عادات میں ایک خاص امتیاز رکھتے تھے۔

چوتھی صدی ہجری سے بعد کی چند صدیوں تک جو سادات کرام سندھ میں آئے، ان کی حیثیت اولیائے کرام اور بزرگان دین کی تھی، لیکن بعد کو امتداد زمانہ یا بالفاظ دیگر سیاسی اور سماجی تبدیلیوں کی وجہ سے بیشتر سیدوں میں رفتہ رفتہ وہ روحانیت کم ہوگئی جس کے لیے انہیں واجب الاحترام سمجھا جاتا تھا۔ عوام الناس ان کی رسمی دینداری کے بدستور گرویدہ رہے، لیکن وہ اعلیٰ خوبیاں جن کے لیے انہیں پیر و مرشد تسلیم کیا جاتا تھا، دنیاوی حرص و ہوس کا روپ دھارنے لگیں یا حصول عیش اور سطحی نام و نمود کا ذریعہ بن گئیں۔

شاہ لطیف کے زمانے میں بڑے بڑے جاگیرداروں اور زمینداروں کے علاوہ سیدوں، پیروں، نام نہاد صوفیوں اور قلندروں کا سندھ کی سماجی زندگی پر پورا اثر تھا، اور اس تعلق اور اثر کی نوعیت ایک طرح مذہبی برتری کی حیثیت رکھتی تھی۔ اس دور کے اکثر پیر یہ خواہش رکھتے تھے کہ ان کے مریدوں کی تعداد دن بدن بڑھتی جائے، اور وہ اپنے مریدوں سے نہ صرف نذر و نیاز کے طور پر بہت سے فائدے حاصل کریں بلکہ اپنی مرضی کے مطابق انہیں استعمال بھی کریں۔ ایک پیر دوسرے پیر کی مخالفت کرنا، اور اپنے مریدوں کے ذریعے اسے نیچا دکھانا باعث فخر سمجھتا تھا۔ اس قسم کی مخالفتوں کا سامنا خود شاہ کو بھی کرنا پڑا، حالانکہ ان کی عام روش پیروں، فقیروں اور صوفیوں سے بالکل الگ تھی۔ شاہ نے اپنے کلام میں کئی جگہ ان نام نہاد پیروں کی سطحی زندگی پر تنقید کی ہے، جو پس ماندہ، غریب اور سادہ لوح عوام کو اوہام پرستی کا شکار کر کے اپنے مفادات حاصل کرتے تھے۔

شاہ کے زمانے میں بر صغیر کے دوسرے علاقوں کی طرح سندھ بھی زرعی معیشت پر اپنے سماج کی بنیادیں استوار کیے ہوئے تھا۔ زیادہ آبادی دیہی علاقوں سے تعلق رکھتی تھی، جو کسانوں، چرواہوں، چھوٹے دکانداروں مچھیروں اور مختلف پیشوں سے تعلق رکھنے والے پس ماندہ افراد پر مشتمل تھی۔ شاہ کے کلام میں ان مختلف پیشوں سے تعلق رکھنے والے لوگوں کا ذکر ملتا ہے۔ یہ ذکر ان عادات و خصائل اور پیشہ ورانہ لوازمات کے ساتھ ہے جو بنیادی طور کسی

خاص پیشے کے لوگوں کے ساتھ منسوب ہیں، مثلاً جہاں کہیں شاہ نے لُہاروں کا ذکر کیا ہے، وہاں دھونکنی، ہتھوڑا، بھٹی اور سندان وغیرہ کی نشان دہی بھی کی ہے، اسی طرح اور جتنے پیشوں کے لوگ شاہ کے کلام میں پیش کئے گئے ہیں ان سب کی تفصیل موجود ہے۔

سندھ کے دیہی علاقوں کے پسماندہ عوام سماجی طور پر طرح طرح کی مجبوریوں کا شکار تھے، لیکن پھر بھی مذہبی اقدار کا ان کو اتنا لحاظ تھا کہ روایتی طور پر ان تمام رسم و رواج کی پابندی کرتے تھے، جو اُن کے آبا و اجداد سے انھیں ورثے میں ملے تھے، یا اُن کے پیر و مرشد نے اُنھیں سکھائے تھے۔ مثلاً شرعی فرائض کے علاوہ مزاروں پر پھولوں اور موتیوں کی چادریں چڑھانا، پیر کے ہر حکم کو تہ دل سے ماننا، دعا، تعویذ اور نذر و نیاز کی برکتوں پر ایمان رکھنا، نیز ہر قسم کی صعوبتیں محض اس لیے گوارا کرلینا کہ ان کے خلاف کوئی آواز اٹھانا پیر و مرشد کے ناخوش کرنے کے مصداق ہے۔ وہ بڑی خوشی سے ایک طرف تو زمینداروں اور جاگیرداروں کے عیش و عشرت کے لیے سخت سے سخت محنت برداشت کرلیتے تھے۔ اور دوسری طرف اپنی قلیل آمدنی میں سے زیادہ تر اپنے پیر کی نذر بھی کرتے تھے۔

تجارت زیادہ تر ہندوؤں کے لیے مخصوص تھی، دیہی علاقوں کی چھوٹی چھوٹی دکانوں سے لے کر شہر کی بڑی بڑی دکانوں تک وہ بڑے سلیقے اور میل ملاپ سے کاروباری فرائض انجام دیتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ سندھ کی تجارتی ترقی پر اُن کا قبضہ رہا۔

ہندوؤں کے مذہبی و معاشرتی رسم و رواج مسلمانوں سے کافی حد تک مختلف تھے، پھر بھی سندھ کے ہندوؤں کی یہ ایک نمایاں خصوصیت تھی کہ وہ برصغیر کے دوسرے علاقوں کے ہندوؤں کی طرح چھوت چھات کے اتنے قائل نہ تھے، اور مسلمانوں کے ساتھ اُن کا برتاؤ کافی حد تک رواداری پر مبنی تھا۔ مسلمان پیروں فقیروں سے اُنھیں کچھ ایسی ہی عقیدت تھی جیسی مسلمانوں کو، ساتھ ہی وہ ان سادھوؤں، بھگتوں اور ملنگوں سے بھی بہت زیادہ عقیدت رکھتے تھے جو شمالی ہند اور دوسرے دور دراز علاقوں سے سندھ میں آیا کرتے تھے۔ شاید اسی وجہ سے جوگ اور بھگتی وغیرہ کی تحریکیں سندھ میں کافی مقبول ہوئیں۔

سندھ کی قدیم سماجی زندگی کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس پر "بودھ مذہب" کا اثر و نفوذ کچھ اتنا زیادہ تھا کہ صدیوں تک سماجی عوامل کی اساس بودھ مذہب ھی کی تعلیمات پر رھی۔ بودھ مت کے بعد کی مذہبی تحریکوں کا اثر سندھ نے کچھ کم ھی قبول کیا ھے، البتہ اسلامی تعلیمات کے بارے میں یہ کہا جاسکتا ھے کہ سندھ نے نہ صرف اس برصغیر میں انھیں سب سے پہلے اپنایا بلکہ ترقی و ترویج میں بھی نمایاں حصہ لیا۔

سندھ میں صوفیاے کرام کی آمد اور متصوفانہ نظریات کی ترقی و توسیع نے روح اسلامی کو ایک نئے رنگ میں پیش کیا، جس کی مقبولیت کا اندازہ کرنے کے لیے یہی بات کافی ھے کہ سندھ میں تصوف کا عمل دخل کچھ اِس طرح رھا ھے کہ دیہی علاقوں کے سادہ لوح محنت کشوں سے لے کر اونچی حویلیوں میں رہنے والوں تک نے اسے تہہ دل سے قبول کیا۔

اِس قبولیت میں ھندو، مسلمان برابر کے شریک تھے، فرق صرف اتنا تھا کہ ھندو اسے اپنے مذہبی مزاج کے قریب تر لانے کی کوشش کرتے تھے، اور مسلمان اپنے مذہبی اقدار کے مطابق اسے اپنانا چاھتے تھے۔ عبادت وریاضت کے علاوہ زندگی کے اور تمام شعبوں میں ھندو اور مسلمانوں میں کوئی ایسا نظریاتی فرق و امتیاز نہ تھا جو کسی قسم کے مذہبی تعصب کو ھوا دے۔ شاید اِسی وجہ سے ڈاکٹر برنس (Dr: Burnes) نے سندھ کے متعلق کہا تھا

> "There is no Country in Asia or rather on earth that is so perfectly priest-ridden."

جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ھوں شاہ نے اپنے کلام میں مختلف پیشوں کے افراد کا ذکر کیا ھے۔ ان افراد اور ان کی پیشہ ورانہ محنت و مشقت سے شاہ نے روحانی رموز و نکات کے طور پر جو کام لیا ھے، اس سے قطع نظر ایک بڑی کام کی بات یہ بھی ھے کہ اس دور کے معاشرتی عوامل کا بہت کچھ علم ھو جاتا ھے۔ مثلاً بحری مسافروں، ملاحوں اور ماھی گیروں سے تعلق رکھنے والی باد بانی کشتیوں اور ان کشتیوں کے مختلف حصوں جیسے چپو، رسیاں، کیلے، بادبان وغیرہ کا استعمال؛ بحری مسافروں اور ملاحوں کے سفر پر روانہ ھونے سے پہلے ان کے گھر والوں کی منت و سماجت، پھر واپسی تک انتظار کی بےچینی،

واپس آنے کے بعد گھر والوں کی خوشی، مختلف طریقوں سے اس خوشی کا اظہار، لیکن ساتھ ھی یہ فکر بھی کہ انھیں دوبارہ سفر پر روانہ ھونا ھے: ان لہاروں کی پیشہ ورانہ مصروفیات جو کسانوں اور دوسرے محنت کشوں کے لیے مختلف اوزار بنایا کرتے تھے: ان چرخا کاتنے والیوں، کپڑا بننے والوں اور سوت کا کاروبار کرنے والوں کی کاروباری اور نجی زندگیوں کا عکس جو سندھ کی محدود زرعی معیشت اور سندھی معاشرت میں شامل تھے؛ ان خانہ بدوش چرواھوں اور کاشتکاروں کی جھونپڑوں میں بسر ھونے والی زندگی جو بے سرو سامانی اور خشکسالی کے زمانے میں بھی ھمت نہ ھارتے تھے، ھر قسم کی مصیبتوں کو ھنستے کھیلتے برداشت کرتے رھتے تھے۔ برسات ھونے سے پہلے ان کی پر امید دعائیں اور برسات کے بعد امنگوں، آرزوؤں اور فطری مسرتوں کا جوش جو سارے دکھ درد دور کر دیتا تھا: ان گداگروں اور سیلانی موسیقاروں کی زندگی کا حال جو بستی بستی گھومتے پھرتے؛ ان سادھوں، سنیاسیوں، جوگیوں اور ملنگوں وغیرہ کا بیان جو بستیوں سے دور بیابانوں میں دھونیاں رما کے، بھبھوت ملتے، سنکھ بجاتے اور مختلف تیرتھوں کی طرف رواں دواں رھتے: ان قلندروں، ملنگوں، فقیروں اور مستوں کا نمائشی پندار جو سادہ لوح عوام کو اپنی عجیب و غریب حرکات سے متاثر کر لیتے تھے۔ اور اس طرح ان کی ضعیفی الاعتقادی سے ناجائز فائدہ اٹھاتے رھتے تھے: ان مرشدوں، پیروں اور خدا رسیدہ بزرگوں کا احترام جو دنیاوی حرص و ھوا سے بے نیاز ھوکر علم و عرفان کی تلقین کرتے اور اپنے عقیدتمندوں کو اعلیٰ اخلاقی اصولوں کی تعلیم دیتے، وغیرہ وغیرہ۔

شاہ نے جن عشقیہ داستانوں کو منظوم کیا ھے، ان سے وادی سندھ کی سماجی زندگی کے بہت سے نمایاں پہلو ظاھر ھوتے ھیں، مثلاً سسی پنوں کی کہانی میں سندھ اور بلوچستان کے علاقوں میں تیز رفتار اونٹوں پر سفر کرنے والے کارواں اور ان کی منزلیں، اونٹوں کی سجاوٹ اور ساربانوں کی وضع قطع، مشک و عنبر اور دوسرے تجارتی سامان، جن کی تجارت کے لیے بلوچستان کے پہاڑی علاقوں کے تاجر سندھ میں آیا کرتے تھے؛ نوری و جام تماچی کی داستان میں ایک طرف حکمراں طبقے کی جاہ و حشمت کا عکس، اور دوسری طرف غریب ماھی گیروں کی پس ماندہ اور غلیظ زندگی کی مختلف تصویریں؛ عمر و ماروی کے قصے

میں بر سر اِقتدار طبقے کی تعیش پسندی، اور ماروی کی ایثار پسندی، عفت، اور اِس عمدگی سے کہ ملیر کے سبزہ زاروں میں بسنے والے ماروؤں کی رنگا رنگ زندگی سے لے کر عمر کوٹ کے شاهی قلعے تک کا سماجی پس منظر اجاگر هوتا هے، وغیرہ وغیرہ۔

شاہ نے اپنے کلام میں سندھ کے جن سماجی عوامل کی عکاسی کی هے اُن کے لیے انھیں زیادہ تر اپنے مشاهدات پر بھروسا کرنا پڑا۔ علاوہ ازیں انھوں نے کچھ مواد سابق داستانوں اور دیگر ثقافتی روایات سے بھی حاصل کیا۔ ساتھ هی مذهبی نقطۂ نظر سے هندو اور مسلمانوں کے عقائد اور فرائض کو نظر میں رکھتے هوے ایک ایسے مسلک کو عوام الناس میں پھیلانے کی والہانہ کوشش کی، جو اعلیٰ اخلاقی اقدار کا سرچشمہ هو، اور پوری انسان ذات کی محبت و اخوت کا مبلغ هو۔ اس لحاظ سے شاہ ایک ایسے آفاقی نظامِ حیات کے داعی هیں، جو کسی خاص خطۂ زمین تک محدود نہ هو۔ جیسا کہ ڈاکٹر سورلے نے لکھا هے

"He is the real jewel of the Kalhora age. He has written poetry that deserves a wider public than it has yet attracted. His life is an epitome of the age in which he lived and of the rural circumstances of the people amongst whom he dwelt. The fact that since his poetry was composed, it has retained its universal appeal, proves that the spontaneity of his message lies deep in the hearts of all classes of Sind."

—※※※—

شاہ کے متصوفانہ نظریات اور تاریخی پس منظر

اس بات سے تو سبھی کو اتفاق ہے کہ شاہ لطیف کے کلام میں تصوف کا عمل دخل بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ اس حیثیت میں صرف روایتی بازگشت ہے یا کچھ ایسے محرکات بھی ہیں جو صرف شاہ کے لیے مخصوص ہیں۔ زمان و مکان کے تعینات پیش نظر رکھتے ہوئے، اگر کچھ کہا جائے تو یہی کہا جا سکتا ہے کہ ان کی عمر کا بیشتر حصہ سندھ اور اس کے گرد و نواح میں گذرا، اور اس طرح زندگی کے قریب قریب ۶۳ سال(۱۶۸۹ع تا ۱۷۵۲ع)پورے ہو گئے۔ لیکن صرف اتنا کہہ دینے سے کوئی خاص ایسی بات پیدا نہیں ہوتی جو شاہ کے کلام میں تصوف کی گہرائی اور گیرائی کی چھان بین میں کچھ مدد دے سکے۔ عرفی نے صحیح کہا ہے۔

ہر کس نشناسندۂ راز ست وگرنہ
اینہا ہمہ راز ست کہ معلوم عوام ست

شاہ نے ایک صوفی منش گھرانے میں آنکھ کھولی، تصوف پسند ماحول میں پروان چڑھے، گوشہ نشین عارفوں اور چلتے پھرتے سالکوں کے ہم صحبت رہے، حال و قال اور شعر و نغمہ کی محفلوں سے لطف اندوز ہوئے، جنگل جنگل، صحرا صحرا، وادی وادی، بستی بستی گھومے پھرے اور صحیفۂ قدرت کے بکھرے ہوئے اوراق کا عمیق مطالعہ کیا۔ لیکن ان سب عوامل سے بڑھ کر شاہ کی تصوف پسندی میں جو شاعرانہ حسیاتی عمل بنیادی محرک کی حیثیت رکھتا ہے، وہ ہے غالباً نوجوانی کا ایک حادثۂ عشق۔ اس حادثۂ عشق کی پہلی شکست اور دوسری فتح کے درمیان احساس محرومی کی ایذا پسندی، روحانی ماورائیت اور پُر اسرار تلاش و تجسس کے جو مرحلے در پیش آئے، انھیں کی خیالی بازگشت سے شاہ کی شاعرانہ تصوف پسندی عبارت ہے، اور وہی خیالی بازگشت نت نئے روپ میں ان کے وجدانی کلام کو حقیقی سوز و گداز عطا کرتی ہے۔

مجھے یہ تسلیم ہے کہ شاہ نے زندگی کے قریب قریب آخری چالیس سال اپنی بسائی ہوئی سادہ پُر کیف بستی (بھٹ شاہ) میں بظاہر بڑے متوازن طریقے پر گذارے، لیکن اس زندگی میں جو والہانہ سوز و ساز شامل رہا، اس کی مثالیں دوسرے صوفی شعرا کے یہاں کچھ کم ہی ملتی ہیں۔

زندگی صرف ظاہری حرکات و سکنات ہی کا نام تو نہیں۔ محشر خیال کی جست و خیز اور خوب سے خوب تر کی جستجو بھی اِس معمورہ ہستی میں برابر کی شریک ہے۔

ڈین انج (Dean Inge) کا کہنا ہے کہ تصوف ہر مذہب کے خام مواد کا ایک حصہ ہے (Mysticism is a part fo the raw material of every religion)۔

اِس خام مواد کا سراغ تمام الہامی کتابوں میں بھی ملتا ہے، اور ان معجزات و کشف و کرامات میں بھی جو مذہبی پیشواؤں اور خدا رسیدہ بزرگوں سے منسوب ہیں۔ شاہ کی عملی زندگی سے بہت سی ایسی کرامات وابستہ کی جاتی ہیں، جو ان کے فوق البشر ہونے کے جواز میں پیش کی جاسکتی ہیں۔ سر دست مجھے ان کرامات کے صحیح یا غلط ہونے سے سروکار نہیں۔ بعض افسانے حقیقت سے زیادہ دلچسپ ہوا کرتے ہیں۔ فی الحال ایسے ہی دلچسپ افسانوں کے مجموعی تاثر سے میں نے شاہ کے متعلق یہ رائے قائم کی ہے کہ تصوف شاہ اور شاہ کے عارفانہ کلام کے لیے باعث فخر نہیں، بلکہ شاہ اور شاہ کا کلام تصوف کے لیے باعث فخر ہیں۔ شاہ کے کلام میں کوئی روحانی ماورائیت اس طرح ضوفشاں ہے، جیسے چاند رنگارنگ بادلوں سے گذر رہا ہو اور اس نے انھیں اپنے پرتو سے سحر انگیز بنا دیا ہو۔ یہ ضروری ہے کہ شاہ کے کلام کو پوری طرح سمجھنے کے لیے دیگر مذاہب کے متصوفانہ نظریات کا عموماً اور اسلامی تصوف کا خصوصاً گہرا مطالعہ کیا جائے۔

اسلامی تصوف کا ماخذ قرآن کریم اور رسولِ خدا کے اسوۂ حسنہ کو قرار دیا جاتا ہے، اور یہ بات کافی حد تک قابلِ قبول بھی ہے، اس لیے کہ قرآن کریم میں جابجا اِس قسم کے اشارات موجود ہیں، جن میں تزکیۂ نفس اور باطنی بصیرت کی تلقین ہے۔ اِس سلسلے میں علامہ اقبال کی محققانہ رائے یہ ہے کہ قرآن و حدیث میں متصوفانہ نظریۂ حیات کے اشارات موجود ہیں، لیکن عربوں کی خالص

عملی ذہانت کے سبب وہ اشارات و نظریات نشو و نماحاصل کر کے بارآور ثابت نہ ہو سکے۔ اسی ضمن میں پروفیسر نکلسن کی رائے یہ ہے کہ اسلام سے پہلے بھی عرب ممالک میں عیسائیت، مجوسیت اور نوفلاطونیت کے روحانی نظریات نے مل جل کر کچھ ایسی فضا تیار کی تھی جو تصوف کے لیے سازگار ہو سکتی تھی، وقتی طور پر اسلام کے سیاسی غلبے سے وہ رجحانات کچھ دب گئے، اور اسلام کی بہت سی ظاہری پابندیوں کے متحمل نہ ہوسکے اور درون پردہ صدائے احتجاج بلند کرتے رہے۔

پانچویں اور چھٹی صدی ھجری نہ صرف برصغیر کے شمالی مغربی علاقے پر اسلامی اقتدار کے لیے اھمیت رکھتی ھے، بلکہ اس لیے بھی زیادہ اہم ھے کہ حضرت عثمان ھارونی، حضرت خواجہ معین‌الدین چشتی، داتا گنج بخش اور خواجہ قطب‌الدین بختیار کاکی وغیرہ نے فیض روحانی سے وہ دلکش فضا پیدا کی جو سلاطین وقت سے کسی عنوان نہ پیدا ہوسکی۔

برصغیر میں ان بزرگوں کی آمد سے پہلے ھی زیرین سندھ کے سیوستانی علاقے میں مکی سیدوں کے کچھ خاندان آباد تھے۔ ان خاندانوں کے سربراہ کے متعلق تحفۃ الکرام کے مصنف میر علی شیر قانع کا کہنا یہ ھے کہ "سب سے پہلے سید جو یہاں آ کر آباد ھوئے وہ سید علی بن سید عباس تھے"۔ سید علی کے سندھ میں آباد ھونے کا زمانہ چوتھی صدی ھجری کا آخری زمانہ ھے، موصوف کے چار بیٹے تھے، جن سے یہ خاندان پھلا پھولا، سب سے بڑے بیٹے سید محمد تھے، جن کے فرزند ارجمند سید صدرالدین شاہ صدر کے نام سے مشہور ھوئے۔

وادی سندھ میں سلطنت غزنویہ کے زوال سے پہلے ھی مختلف علاقے خود مختار ھوگئے تھے۔ سندھ کے بعض علاقوں میں اس وقت سومرہ سرداروں کی حکومت تھی۔ سومرہ خاندان کے زوال کے بعد سمہ خاندان کے سرداروں کو عروج حاصل ھوا۔ اسی زمانے میں ٹھٹھے کو ایک علمی اور ادبی شہر کی حیثیت سے تاریخی اھمیت حاصل ھوئی۔ سمہ خاندان کے زوال کے بعد شاہ بیگ ارغون کے ھاتھوں ارغون حکومت کا عروج ھوا۔ ارغونوں کے بعد ترخان حکمران زور پکڑ گئے۔ شاہ بیگ ارغون نے جس وقت ٹھٹھے پر حملہ کیا تھا، اس وقت وھاں "قاضی قاضن" جیسے صاحب کمال بھی موجود تھے، یہ وھی قاضی قاضن ھیں جن کو سندھی

شاعری کا ایک پیش رو مانا جاتا ہے۔ قاضی صاحب مہدوی تحریک کے پرجوش حامی تھے، تصوف پسندی کا چسکا سید محمد "مہدی" جونپوری کے مریدوں میں شامل ہونے سے لگا۔ سندھ میں فارسی زبان اور ادب کا دور دورہ تھا، لیکن قاضی صاحب نے سندھی زبان میں اپنے دوھے ترتیب دیے۔

ترخان حکمرانوں کے زوال نے کلہوڑا خاندان کو عروج بخشا۔ یہ زمانہ مغلیہ سلطنت کے آخری فرماں رواؤں کا تھا۔ اسی عہد میں شاہ عنایت اور شاہ لطیف جیسے بلند پایہ صوفی شاعر پیدا ہوئے۔

اکبر اعظم کے عہد میں سندھ کو سلطنت مغلیہ کا ایک حصہ بنا لیا گیا تھا۔ شروع شروع میں عبدالرحیم خانخاناں کے توسل سے جو سندھ کا فاتح تھا شمالی ہند کے ہندو بھگتوں اور صوفی شعرا کا کلام سندھ میں اور بھی مقبول ہوا۔ سندھ کے مختلف سید خاندان پہلے ہی سے علم و فضل میں یکتائے روزگار تھے۔ شاہ لطیف کے جد امجد شاہ کریم کا زمانہ اکبر اعظم کے عروج کا زمانہ تھا۔

سندھ کے قدیم تاریخی شواہد سے پتا چلتا ہے کہ ٹھٹھا اور اس کے گرد و نواح کے علاقے صوفیائے کرام اور صاحب علم بزرگوں کی وجہ سے سارے ہندوستان میں مشہور ہوگئے۔ سندھی، عربی اور فارسی کے قدیم قلمی نسخے، تحفۃ الکرام تحفۃ الطاہرین، معیار سالکان طریقت اور حدیقۃ الاولیا وغیرہ سے بخوبی یہ اندازہ ہوسکتا ہے کہ اہل سندھ اسلامی ثقافت اور تصوف کی ترقی و ترویج میں نمایاں حصہ لیتے تھے۔

شاہ لطیف کی پیدائش اورنگ زیب کے آخر زمانے میں ہوئی جب کہ سندھ میں کلہوڑوں کی حکومت تھی۔ کلہوڑا خاندان کے افراد پیری مریدی کے طفیل ترقی پذیر ہوے تھے۔ یار محمد کلہوڑا نے اپنے لاتعداد مریدوں ہی کے بل بوتے پر اقتدار حاصل کیا تھا، لہٰذا اسے ایسے نیک سیرت بزرگوں اور صوفیائے کرام سے بڑا خطرہ رہتا تھا جو کسی عنوان اس کے حریف ثابت ہوں۔

یار محمد کلہوڑا کی وفات کے بعد ۱۷۱۹ء میں نور محمد کلہوڑا اس کا جانشین ہوا۔ اس زمانے میں ہالا کے مخدوم خاندان کے پیروں کا بڑا نام تھا، نور محمد کلہوڑا نے ان کی کڑی نگرانی کی۔ انھیں دنوں شاہ لطیف نے بھٹ میں ایک روحانی مرکز قائم کیا۔ نور محمد کلہوڑا کو شاہ لطیف کی طرف سے بھی

خطرہ رهتا تها، اس لیے کئی مرتبہ یہ کوشش کی کہ انهیں همیشہ کے لیے ختم کروا دیا جائے؛ دهوکے سے زهر دلوانے، بد لگام گهوڑے پر سوار کرانے اور دوسری جان لیوا سازشوں سے یہ بات بخوبی واضح هو جاتی هے۔

شاہ لطیف کی پیدائش سے وفات تک (۱۶۸۹ع سے ۱۷۵۲ع) کا زمانہ نہ صرف سندھ کی تاریخ میں بدحالی کا زمانہ هے، بلکہ اس سے برِّ صغیر کا گوشہ گوشہ متاثر هوا هے۔ نادر شاہ درّانی کا خوفناک حملہ، ملکی سیاست میں مغربی اقوام کی بیجا مداخلت، مقامی حکمرانوں کی خانہ جنگی، سلطنت مغلیہ کی زوال پذیری، یہ اور ایسے هی بہت سے تاریخی واقعات هیں جنهوں نے پورے ملک کے سیاسی و سماجی حالات کو کچھ سے کچھ بنادیا۔ لیکن جہاں تک سندھ کی ثقافتی حیثیت کا تعلق هے اس سلسلے میں یہ کہا جا سکتا هے کہ اس افراتفری اور لوٹ مار کے دور میں بهی سندھ کے نامور ارباب ادب اور صاحب کمال بزرگ بڑی خاموشی سے اپنے فرائض انجام دیتے رهے۔ شاہ لطیف کے همعصروں میں کئی ایسے دانائے روزگار اور اهل بصیرت ملتے هیں جن کے کارنامے سندھ کی تاریخ میں همیشہ یادگار رهیں گے۔ شاہ عنایت اللہ، مخدوم محمد معین ٹهٹوی، مخدوم محمد هاشم، مخدوم عبداللہ، مخدوم ضیاءالدین اور علی شیر قانع وغیرہ کا شمار انهیں مشهور هستیوں میں کیا جاتا هے، جنهوں نے ثقافت اسلامی کو نمایاں کرنے میں بڑی جگر کاوی کا ثبوت دیا هے۔ مخدوم محمد هاشم قریب قریب تین سو سندهی، عربی اور فارسی کتابوں کے مصنف تهے۔

جیسا کہ میں کہہ چکا هوں کہ شاہ کے کلام میں تصوف پسندی کو بڑا دخل هے۔ شاہ کی تصوف پسندی نہ صرف اُن کے صوفی آبا و اجداد سے وراثتاً ان تک پہنچی، بلکہ ان کی اپنی افتاد طبع، سندھ کے تصوف پسند ماحول، صوفی منش بزرگوں کی صحبت اور سماجی و سیاسی افراتفری نے اسے شعوری پختگی عطا کردی۔

سندھ میں سلسلۂ قادریہ، سلسلہ چشتیہ، سلسلہ نقشبندیہ، اور سلسلۂ سهروردیہ کے بزرگوں کا ایک سلسلہ لامتناهی سا پهیلا هوا تها۔ ان بزرگوں کے عادات و خصائل اور طور و طریق نے شاہ کی متصوفانہ طبعیت پر گهرا اثر ڈالا۔ ساتھ هی ان هندو جوگیوں، بهگتوں اور سادهوؤں سنتوں نے بهی خاصا متاثر

کیا جو صحرانوردی یا گوشہ گیری کو ترجیح دیتے تھے۔ کوٹری کے ایک ہندو بھگت مدن سے جو ایک خوش گفتار شاعر بھی تھا شاہ کی ملاقات اکثر و بیشتر ہوتی رہتی تھی۔

مولانا رومی کی مثنوی سے شاہ کی دلی عقیدت اسلامی تصوف سے گہری دلچسپی ظاہر کرتی ہے، فارسی کے شعرا میں مولانا روم ہی کے کلام کو وہ درجہ حاصل ہے۔ جس کے لیے 'ہست قرآن در زبان پہلوی' کا دعویٰ ہے۔ مولانا رومی کے یہاں ان رموز و نکات اور فلسفۂ الٰہیات کا والہانہ و شاعرانہ استعمال ہے، جن کو امام غزالی اور ابن العربی وغیرہ نے بڑے غور و خوض کے بعد ترتیب دیا تھا۔

اولین دور کے صوفیائے کرام اِس دنیا کو معمورۂ شر سمجھتے تھے، ان کا ذہنی و عملی ردِ عمل یہ تھا کہ روحانی توانائی اور حصولِ خیر کے لیے اس دنیا سے کنارہ کش رہنا چاہیے۔ لیکن امام غزالی اور ابن العربی جیسے جلیل القدر مفکرین نے اِس ردِ عمل سے انحراف کیا اور منطقی طور پر عام مادی و روحانی تعلق کو اتنی خوش اسلوبی سے فلسفۂ جدید کی روشنی میں بیان کیا کہ بعد کے مفکرین اور صوفیائے کرام ان سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

شاہ لطیف نے غزالی اور ابن العربی وغیرہ کی فکری تجدید کا جو اثر مثنوی رومی کے توسل سے قبول کیا، اس کی کوئی واضح مثال نظر نہیں آتی، لیکن یہ حقیقت ہے کہ وہ زندگی کو ایک سلسلۂ لامتناہی سمجھتے ہیں، اُن کے خیال میں حیات و ممات صرف درمیانی مراحل ہیں، ورنہ انسانی زندگی کی نہ کوئی واضح ابتدا ہے نہ انتہا۔ بعض اوقات شاہ لطیف زندگی اور موت کو کچھ اس طرح تصور کرتے ہیں گویا وہ شعور اور لاشعور کے ملتے جلتے دو علحدہ نفسی وجود ہیں۔ شاہ کا خیال ہے کہ شعوری زندگی ماحول کی دشواریوں سے گھبراتی ہے اس لیے اِس کی سعی و کوشش بالعموم نتیجہ خیز ثابت نہیں ہوتی، اس کے برعکس اپنے وجود کو مطلوب حقیقی میں جذب کر لینے سے دشواریوں کا مطلقاً احساس نہیں ہوتا۔ شاہ کی نظر میں طلب ایک متحرک روح افروز اور انہماک آفریں عمل ہے۔ کسی چیز کو تلاش کرنے میں جو انتظار، لگن اور اضطراب ہوتا ہے، وہ اس خوشی سے کم ولولہ انگیز نہیں جو اُس کو حاصل کرنے پر میسر آتی ہے۔

ڈاکٹر گربخشانی نے شاہ لطیف کی تمثیلی شاعری کو اسرار الٰہی اور روحانی سرور کا سر چشمہ قرار دیا ہے۔ شاہ نے خود بھی اپنے ابیات میں کہا ہے:-

مرے ابیات پر معنیٰ کی کیا بات ۔۔۔ شگفتہ صورت آیات قرآں

دل انساں پہ کھلتے جا رہے ہیں ۔۔۔ رموز معرفت اسرار عرفاں

ڈاکٹر سورلے کی رائے یہ ہے کہ رومی، جامی اور حافظ وغیرہ نے جو کچھ کہا ہے، شاہ نے اس کو کہیں زیادہ بہتر طور پر بیان کیا ہے

"No might is here of Rumi's verse
No Jami's soul- wrapt music swings,
No high-tuned note of Hafiz's wit,
Within your humble minstrel song,
And yet! strange paradox it be
That not less searching is the calm,
The simple music of his lays,
Than wise deep utterance of Islam."

—⊱✻⊰—

شاعرانہ ماورائیت

کسی شاعر سے اگر یہ پوچھا جائے کہ وہ شعر کیوں کہتا ہے، تو شاید وہ اس سوال کا کوئی ایسا جواب نہ دے سکے گا جو خود اس کے لیے قابلِ قبول ہو۔ اسی طرح شاعر اگر اس پوچھنے والے سے یہ پوچھے کہ وہ شعر کیوں پسند کرتا ہے تو اس کی کیفیت بھی کچھ ایسی ہی ہوگی۔ بات در اصل یہ ہے کہ ایک شاعر کے قلب و نظر عام انسانوں کے قلب و نظر سے کچھ مختلف ہوتے ہیں۔ شاعر جس چیز میں چاہے چاندنی بھردے، جس شے میں چاہے شراب انڈیل دے، اور جس بات کو چاہے پُرتاثیر بنادے۔ ایسے معمولی اور بے سروکار چیزیں جن کو ہم اکثر نظرانداز کرجاتے ہیں، جب شاعر کی نظر ان پر پڑتی ہے تو ان میں ایک عجیب و غریب دلکشی پیدا ہوجاتی ہے:

دیدہ ور آنکہ تا نہد دل بشمارِ دلبری

در دلِ سنگ بنگرد رقصِ بتان آزری

شاعری کو محض فلسفہ اور منطق کی کسوٹی پر پرکھنا عبث ہے۔ فلسفہ اور منطق نہ اس کی قدر اور قیمت بڑھا سکتے ہیں، اور نہ اس کو گھٹانا ان کے بس کی بات ہے۔ جب ہم کسی نظم یا شعر سے متاثر ہوتے ہیں، تو اس لیے نہیں متاثر ہوتے کہ اس میں فلسفہ یا منطق کی کوئی گنجائش نکل سکے گی، بلکہ ہمارا تاثر کچھ اس قسم کا ہوتا ہے جیسے دور کسی ٹیلے پر بیٹھا ہوا کوئی متوالا بانسری بجائے، اور اس بانسری کی تان جب کسی ہل چلاتے ہوئے دھقان، کشتی کھیتے ہوئے تھکے ماندے ملاح یا کسی محنت کش کے کان میں گونجے، تو اسے ایک عجیب قسم کی روحانی تازگی و توانائی محسوس ہو۔

شاہ لطیف کے کلام کا اثر بھی کچھ ایسی ہی ماورائی کیفیت لیے ہوئے ہے کہ سننے اور پڑھنے والے پر پُرکیف اثرات طاری ہوتے ہیں۔ ان کے کلام میں ھرے بھرے لہلہاتے کھیتوں، سرسبز و شاداب چراگاھوں، اونچے نیچے پہاڑوں،

سنسان گھنے جنگلوں، رواں دواں دریاؤں، ٹھنڈے اور میٹھے پانی کے چشموں، خوبصورت جھیلوں اور تالابوں، تپتے ہوئے ریگزاروں، چٹیل میدانوں، بھانت بھانت کے چرندوں پرندوں، درندوں اور قسم قسم کے پھلوں پھولوں اور جڑی بوٹیوں، کشتیوں اور گھوڑوں، ہنستے کھیلتے گنگناتے کسانوں، مچھلیوں کی طرح پانی میں غوطے لگانے والے مچھیروں، چھوٹی بڑی کشتیاں کھینے والے ملاحوں، دھونی رمائے ہوئے سادھوؤں، حجرہ نشین صوفیوں اور راج محلوں میں زندگی بسر کرنے والے تاجداروں کی محاکاتی خوبیاں جہاں ایک طرف سر زمین سندھ کی ثقافتی اقدار کو حیاتِ جاوداں عطا کرتی ہیں، وہاں دوسری طرف وہ ایک ایسی روحانی ماورائیت کے لیے تشبیہات، استعارات اور کنایات فراہم کرتی ہیں جو اُن کے متصوفانہ نظریۂ حیات کو چار چاند لگا دیتے ہیں۔

شاہ لطیف صرف تصوف پسند ہی نہیں بلکہ تصوف پرست تھے۔ ان کی تصوف پرستی کی مثال اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگی کہ پورے کلام میں انگنت رنگا رنگیوں کے با وصف، تصوف کا بنیادی نصب العین ہر جگہ موجود ہے۔ یہ نصب العین سُر کلیان اور یمن کلیان میں حمد و ثنا اور نعتیہ مضامین کی صورت اختیار کر لیتا ہے؛ سر کھمبات میں چاند اور چاندنی بن جاتا ہے؛ سر سریراگ اور سر سامونڈی میں بحری تاجروں اور ملاحوں کی زندگی کا عکس پیش کرتا ہے؛ سر سوہنی، سر کاموڈ، سر سسئی، سر لیلا چنیسر اور سر مومل رانو میں عشقیہ تمثیل نگاری کی ناقابل فراموش دل آویزیاں ظاہر کرتا ہے؛ سر مارئی میں حب الوطنی، راست بازی و مستقل مزاجی کے اعلیٰ و ارفع دائمی اقدار کو نمایاں کرتا ہے؛ سر گھاتو میں جرأت و بیباکی کی شکل میں نمودار ہوتا ہے؛ سر سورٹھ میں موسیقی اور موسیقار کا رتبہ بلند کرتا ہے؛ سر سارنگ میں برسات کی موسمی دلچسپیوں، سرسبز و شاداب فضا کی رعنائیوں اور قوس قزح کی رنگینیوں میں اپنا جمال دیکھتا ہے؛ سر کھاہوڑی اور سر رامکلی میں جوگیوں، سادھوؤں، سنیاسیوں، بیراگیوں اور آدیسیوں کے کرداروں کی سچی لگن تلاش کرتا ہے۔ غرض یہ کہ ہر سر میں وہ اعلیٰ نصب العین بنیادی طور پر موجود ہے، اور اس کی موجودگی نے شعری معنویت کو اتنا پُرتاثیر بنادیا ہے کہ وہ آج بھی ہر انسان کے دل میں حسن و محبت کی پاکیزہ امنگیں، احساس جمال کی ماورائی لطافتیں اور جہدللبقا کی

خوش‌آیند آرزوئیں پیدا کرتا ہے۔ شاید دنیا کے کسی بھی شاعر نے ایسے والہانہ ذوق و شوق سے آفاقی زندگی کی تبلیغ کے گیت نہ گائے ہوں گے۔

شاہ کے کلام میں متصوفانہ ماورائیت کی ایک دو نہیں بلکہ صدہا مثالیں مل سکتی ہیں۔ ان مثالوں میں سب سے زیادہ پُرتاثیر وہ مثالیں ہیں جو وادی سندھ کی مقبول عام عشقیہ داستانوں سے تعلق رکھتی ہیں۔ شاہ کے لیے ان داستانوں کا پسندیدہ نقطۂ عروج عہدِ فراق ہے۔

دنیا کے عظیم ترین شاعروں کی طرح شاہ نے بھی المیہ کیفیات کو روحانی بالیدگی کے لیے ضروری سمجھا ہے۔ انھوں نے مشہور عشقیہ داستانوں کو اِس طرح نظم نہیں کیا کہ آغاز سے انجام تک تسلسل باقی رہے، بلکہ وہ فرض کرلیتے ہیں کہ ان داستانوں کے تمام پہلوؤں سے ہر کس و ناکس اچھی طرح واقف ہے، اور وہ عوام و خواص کے دلوں میں پہلے سے گھر کر چکی ہیں، اس لیے وہ ان داستانوں کے صرف ایسے پہلوؤں کو اپنے کلام میں پیش کرتے ہیں، جو اُن کے بنیادی نصب‌العین اور مرکزی خیال کے لیے ماورائی اور متصوفانہ استعارات و محاکات کا کام دیں۔ مثلاً سر سوھنی میں جب وہ کچا گھڑا ٹوٹنے اور سوھنی کے ڈوبنے کا ذکر کرتے ہیں تو اس حادثے کی نوعیت ان کی نظر میں کچھ سے کچھ ہوجاتی ہے:

گھڑا ٹوٹا تو یہ آواز آئی	نہیں دونوں میں اب کوئی جدائی
شکستِ جسمِ خاکی سے ہے پیدا	ربابِ روح کی نغمہ سرائی
وصالِ یار کی راحت پہ قرباں	طریقِ زہد و رسمِ پارسائی

سر مومل رانو میں ایک جگہ وہ مومل کی سہیلیوں کی مجازی رنگ آمیزیوں کا ذکر بڑے دلکش پیرائے میں کرتے ہیں:

سروں پر سبز شالیں یا دوشالے	مہکتے بال اور مانگیں نکالے
وہ جسمِ صندلیں وہ عنبریں بال	وہ چہروں کے تر و تازہ اجالے
انھیں میں تھی وہ گل اندام مومل	وہ سب انداز تھے جس کے نرالے
آسے رانے سے جو وابستگی تھی	حقیقت میں وہی اس کی خوشی تھی

سر سسی میں داستان کا وہ پہلو جب پنہو کے بھائی راتوں رات ہی بازدارانہ طور پر آسے اپنے ہمراہ لے کر بھنبھور سے کیچ کی طرف روانہ ہوجاتے

ھیں. سسی بیدار ھوتی ھے تو یہ معلوم کر کے کہ اس کا پیارا غائب ھو گیا ھے، عجیب و غریب ذھنی کشمکش کا شکار ھو جاتی ھے. اس ذھنی اضطراب کی عکاسی شاہ نے اس طرح کی ھے:

مجھے معلوم تھی اونٹوں کی خصلت　　مگر وہ اونٹ کیسے تھے خدایا
کہ جب رکھے گئے پالان ان پر　　کوئی چیخا نہ کوئی بلبلایا
انھیں پہلے سے میرے دیوروں نے　　کچھ ایسا رازداں اپنا بنایا
کہ پنھو کو گئے جس وقت لے کر　　کسی نے بھی نہ اس کا بھید پایا

سسی نے کھوئے ھوئے پنھو کی تلاش میں ھیبت ناک کوھساروں اور تپتے ریگزاروں کا جو صبر آزما سفر اختیار کیا، اس کی عکاسی شاہ نے بڑے موثر انداز میں کی ھے:

عجب وندر کی راہِ پُرستم ھے　　عجب یہ رھگزار خم بخم ھے
کہاں گم ھیں وہ پُراسرار ناقے　　صبا سے تیز تر جن کا قدم ھے
سرابوں میں ھراساں پھر رھی ھوں　　جگر میں آگ اور آنکھوں میں نم ھے

سر مارئی میں باغیرت، خود دار اور وفا پرست مارئی اپنے عزیز و اقارب کی محبت کو عموماً اور اپنے سرتاج کی محبت کو خصوصاً شدت سے محسوس کرتی ھے. شاہ نے اس کا ذکر بڑے والہانہ انداز میں کیا ھے:

کیا ھے قید میرے جسم و جاں کو　　عبث اے سومرہ! سردار تو نے
نہ جانے کیوں ھے یہ ایذا رسانی　　دے کیوں روح کو آزار تو نے
ازل ھی سے مرے دل کو ودیعت　　ھوئی ھے پیارے مارو کی محبت

پھر بھی جذبۂ شدت احساس کچھ ایسی شکل اختیار کر لیتا ھے کہ وہ ھر وقت اپنے پیارے مارو کی یاد میں کھوئی رھتی ھے:

وھی برسات کا پیارا سماں ھے　　مگر جانے مرا مارو کہاں ھے
مری محبوبتوں میں بسنے والے　　تری یادوں میں کھویا دو جہاں ھے
عدم کی وسعتوں میں ڈھونڈھ لوں گی　　کہ اک تو ھی تو میرا راز داں ھے

سدا برسات کا پیتے ھیں پانی　　وہ میرے ھموطن جو پاک ھیں سب
بدن پر کھُردری سی اون پہنے　　وفادار خس و خاشاک ھیں سب

گھنیرے جھنڈ ہیں جو بال ان کے ندڑ ہیں نیک ہیں بیباک ہیں سب
مگر ظالم ہو اتنے اے عمر تم کہ وہ مظلوم سینہ چاک ہیں سب

———

وہ اِس برسات کے موسم میں شاید کسی ڈھلوان پر جا کر رہیں گے
کنوئیں وہ کھاری پانی کی ہمیشہ منقش لوح فطرت پر رہیں گے
نہ بھولوں گی سحر کے مشغلوں کو تصور میں وہی منظر رہیں گے
مرے قلب و نظر میں پیارے مارو بہر انداز جلوہ گر رہیں گے

———

کہیں وہ پیاسے چوپایوں کو لے کر چلے ہیں گھاٹ پر پانی پلانے
کہیں سکھیوں نے آنگن میں کیے ہیں اکٹھے جنگلی بالوں کے دانے
گھلائے جارہے ہیں اِس محل میں مری جانِ حزیں کو یہ فسانے

———

سر مارئی کے سارے کردار اپنی نقل و حرکت میں کئی متصوفانہ نظریات لیے ہوئے ہیں اور ان کا محاکاتی پس منظر روح انسان کی ترقی و تنزل کا غماز ہے۔

شاہ کے عارفانہ کلام کا تفصیلی مطالعہ پیش کرنے کے لیے ایک الگ ہی کتاب درکار ہے۔ فی الحال میں نے جو چند مثالیں پیش کی ہیں ان کو دیکھ کر بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ شاہ کے کلام کی ماورائیت ایسی ماورائیت نہیں ہے جس کے علم و عرفاں کے لیے فلسفیانہ موشگافیاں ضروری ہوں۔ ان کے فن کا یہ بہت بڑا کمال ہے کہ وہ عشق مجازی اور عشق حقیقی کے نقطۂ اتصال کو عام احساسات و جذبات ہی سے اخذ کرتے ہیں لیکن اپنے فنی اعجاز اور باطنی بصیرت سے وہ بیساختگی پیدا کردیتے ہیں کہ ان کا کلام عوام و خواص کے لیے یکساں طور پر قابلِ قبول ہوتا ہے۔ شاہ کی فنی باریک بینی کا یہ بہت بڑا کمال تھا کہ انھوں نے اپنے گرد و پیش کی زندگی اور رنگا رنگ حسن کو نظر انداز نہیں کیا بلکہ اپنے مخصوص انداز بیان میں کچھ اس طرح سمویا کہ ایک طرف تو اس دور کی تہذیبی و تمدنی زندگی کا نقشہ ہمارے سامنے آجاتا ہے اور دوسری طرف ہم بقدر فکر و نظر اس کا اطلاق متصوفانہ نظریۂ حیات پر کر سکتے ہیں

شاہ کی مومل، مارئی، سسی، سوھنی، اور لیلا سبھی اس شفق آمیز ماورائیت کے پرتو ھیں جو اس کے سارے کلام پر چھائی ھوئی ھے۔ اس کا تصوف مسلک حسن ھے۔ اس کا تصوف مذھب عشق ھے۔ اس کا تصوف عشق کی وہ جست ھے جو زمین و آسمان کی تمام وسعتوں کو پھاند جاتی ھے۔ اس کا تصوف وہ آغوش معنی ھے جو ھر مذھب کی سہکتی ھوئی اقدار کو بھینچ لیتا ھے۔ وہ حسن کا پیغمبر تھا، وہ محبت کا پیغامبر تھا۔ وہ رسوم و قیود سے آزاد تھا، وہ رشتہ و پیوند سے بے نیاز تھا۔ یہی اس کا نشانِ عظمت ھے، یہی اس کی شان یکتائی کہ وہ انسان اول تھا اور انسان آخر۔
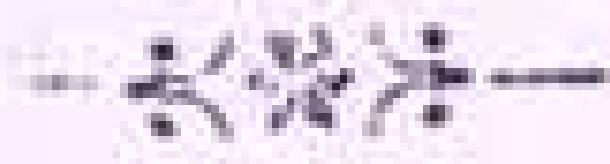
عوامی کہانیاں

سورٹھ اور رائے ڈیاچ. کسی زمانے میں ،رائے ڈیاچ ، نامی ایک راجا جوناگڑھ پر راج کرتا تھا ۔ اس کی ایک بہن تھی جو اولاد سے محروم تھی۔ ایک دن اس نے کسی فقیر سے یہ درخواست کی کہ اے خدا رسیدہ بزرگ، میرے حق میں یہ دعا کرو کہ میں اولاد سے محروم نہ رہوں۔ فقیر نے دعا کرتے ہوئے کہا کہ تیری منہہ مانگی مراد پوری ہوگی، خدا نے چاھا تو تیرے ھاں ایک لڑکا پیدا ھوگا، لیکن وہ رائے ڈیاچ کا سر تن سے جدا کردے گا۔ یہ سنتے ھی راج کماری کی چیخ نکل گئی، اور بڑی گھبراھٹ میں وہ کہنے لگی "ایسے لڑکے کا کیا ھوگا جو میرے بھائی کی جان کا دشمن ھو"۔ فقیر نے کوئی جواب نہ دیا اور چلا گیا۔ بات آئی گئی ھوگئی، لیکن پورے نو ماہ بعد راجکماری کے ھاں لڑکا پیدا ھوا ۔ راجکماری کو فقیر کی بات یاد آگئی، اور یہ طے کیا گیا کہ اس نو زائیدہ بچے کو ایک صندوق میں بند کرکے دریا میں ڈال دیا جائے۔

اس زمانے میں قریب ھی کے علاقے میں راجا ،انی رائے، کی حکومت تھی۔ اس علاقے کی ایک ڈومنی اور اس کا شوھر دریا پر پانی بھرنے آئے تو ان کی نظر بہتے ھوئے صندوق پر پڑی۔ ڈوم نے صندوق کو نکالا، اور جب اسے کھول کر دیکھا تو کھلے ھوئے گلاب کی طرح ایک تر و تازہ بچہ ھاتھ آیا ۔ ڈومنی اور ڈوم اسے بڑے چاؤ سے گھر لے آئے، بڑے پیار سے اس کی پرورش شروع کی، اور اس کا نام ،بیجل، رکھا، اور آبائی رسم و رواج کے مطابق اسے گانا بجانا سکھایا۔ جوان ھونے کے بعد بیجل بھی دوسرے رشتے داروں کے ساتھ اِدھر اُدھر مانگنے جاتا، اور گانے بجانے کے طفیل کچھ نہ کچھ کماتا۔

ایک دن کسی جنگل میں کوئی سیلانی فقیر آیا، ھرن کا شکار کیا، اس کا کچھ گوشت بھون کر کھایا، اور باقی ماندہ گوشت و پوست اور آنتیں کسی طرف جھاڑیوں میں ڈال کر چلا گیا۔ نہ جانے ان آنتوں میں کیا کرامت چھوڑ گیا کہ جیسے جیسے ان کو جنگل کی ھوا لگی ان میں سے ایک دلکش نغمہ پیدا ھونے لگا۔ اس نغمے کو سنکر آس پاس کے چرند و پرند جمع ھونے لگے، اور

اس سحر آفریں نغمے سے آن پر ایک عجیب سی محویت طاری ہونے لگی۔ حسن اتفاق سے جنگل سے گذرتے ہوئے بیجل نے بھی یہ آواز سنی۔ قریب آکر دیکھا تو اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ بڑی دیکھ بھال کے بعد معلوم ہوا کہ یہ نغمہ ہرن کی آنتوں سے پیدا ہورہا ہے۔ بیجل ان آنتوں کو اپنے گھر لے آیا۔ چنگ پر چڑھایا، اور گز لے کر اسے بجانے بیٹھا، تو ویسی ہی نغمگی ابھرنے لگی۔ اِس نغمے کی اثر آفرینی سے بیجل نے جنگلی پرندوں اور ہرنوں وغیرہ کے پکڑنے کا کام لیا۔ وہ ہر روز جنگل میں جاتا، چنگ کو اونچے سروں میں آلاپتا، اور جب آس کے آس پاس ہرن اور دوسرے پرندے وغیرہ جمع ہوجاتے تو آن میں سے چند کو پکڑ لیتا، اور اپنے گھر والوں کی گذر اوقات کے لیے لے آتا۔ رفتہ رفتہ بیجل کی شہرت دور دور تک پھیل گئی۔

بیجل کی پیدائش کے دن راجا انی رائے کے ہاں ایک لڑکی پیدا ہوئی تھی۔ چونکہ راجا انی رائے کو سات لڑکیاں پہلے ہی سے تھیں، اس لیے آس نے اِس نو مولود بچی کو صندوق میں بند کرا کے دریا میں ڈلوا دیا۔ یہ صندوق بہتے بہتے رائے ڈیاچ کی سرحد میں آگیا۔ جہاں رتن رائے نام ایک کمھار کے ھاتھ لگا۔ وہ کمھار اولاد سے محروم تھا، اس لیے بڑے ارمانوں سے بچی کو گھر لے گیا، اور اس کی نشو و نما میں دلچسپی لینے لگا۔ آس نے اِس بچی کا نام "سورٹھ" رکھا۔ رتن رائے رائے ڈیاچ کی رعایا میں شامل ضرور تھا، لیکن پھر بھی راجا انی رائے سے اس کے نیازمندانہ تعلقات تھے۔ جب سورٹھ جوان ہوئی اور اس کے حسن و جمال کا شہرہ راجا انی رائے نے سنا تو رتن رائے سے رشتے کی خواہش ظاہر کی، جس کو اس نے بخوشی منظور کر لیا اور بڑی دھوم دھام سے تیاری کرنے لگا۔

رائے ڈیاچ کو جب اِس واقعے کی خبر ملی تو بیحد ناراض ہوا، فوراً ہی رتن رائے کو طلب کیا، اور بری طرح ڈانٹ ڈپٹ کر یہ حکم سنایا کہ سورٹھ کو میرے حوالے کردے۔ سورٹھ بجائے راجا انی رائے کے رائے ڈیاچ کے ھاتھ لگ گئی۔ راجا انی رائے نے جب یہ سنا تو آگ بگولہ ہوگیا، چنانچہ رائے ڈیاچ سے جنگ کرنے کے لیے ایک بڑا لشکر تیار کرایا، اور جونا گڑھ کی طرف روانہ ہوگیا۔ قریب قریب بارہ مہینے تک جونا گڑھ کا محاصرہ کیے رہا، لیکن دال نہ گل سکی۔ آخر اپنے وطن لوٹ آیا، اور انتقاماً ایک بڑے طشت میں بے بہا مال و

گوہر رکھ کر تمام شہر میں اِس طشت کو پھرایا، ساتھ ھی یہ اعلان بھی کیا کہ جو کوئی رائے ڈیاچ کا سر لا کر میرے سامنے پیش کرے گا، اس کو نہ صرف طشت عطا کیا جائے گا. بلکہ اس کے علاوہ بھی جو انعام چاھے گا بطور خاص عطا کیا جائے گا۔

بیجل کی بیوی نے جب یہ اعلان سنا تو پھولی نہ سمائی. زر و جواھر سے بھرا ھوا طشت یہ کہہ کر حاصل کر لیا، کہ میرا شوھر یہ فرض انجام دے گا اور بہت جلد ھمارے راجا کی مراد پوری ھوجائے گی۔ جب بیجل گھر آیا اور اسے یہ سب کچھ معلوم ھوا تو وہ بیحد ناراض ھوا، کہنے لگا "مصیبت کی ماری تونے یہ کیا کیا، اگر میں قول پر پورا نہیں اترا تو راجا ھم میں سے کسی کو زندہ نہ چھوڑے گا"۔ آخر کئی دن کے سوچ بچار کے بعد بیجل اپنے ساز کو بنا سنوار کر جونا گڑھ کی طرف روانہ ھوا۔ جونا گڑھ پہنچنے کے بعد ایک شام کو وہ قلعے کے نزدیک پہنچا، اور ساری رات بڑے والہانہ انداز سے چنگ بجاتا رھا۔ چنگ کی آواز رائے ڈیاچ نے رنگ محل میں بیٹھے بیٹھے سنی تو بے قابو ھوگیا۔ اس نے محل کے ایک بالائی دروازے سے جھانک کر بیجل کو مخاطب کیا اور کہا "مانگ جو تجھے مانگنا ھے!" بیجل نے جواب دیا "مجھے آپ کے روبرو حاضر ھوکر کچھ عرض کرنا ھے"۔ رنگ محل کے خاص راستے سے بیجل کو بلانا ذرا دقت طلب تھا، اس لئے لٹکائی ھوئی رسی کے ذریعے اس کو بلا کر شرف باریابی عطا کیا گیا۔ بیجل راجا کے سامنے حاضر ھو کر آداب بجا لایا۔ راجا نے پھر کہا "مانگ جو کچھ تجھے مانگنا ھے!" بیجل نے ھاتھ جوڑ کر عرض کی "جو کچھ مانگنا چاھتا ھوں وہ مانگ تو لوں، لیکن سوچتا یہ ھوں کہ اگر وہ عطا نہ ھوا تو خواہ مخواہ تیرے جود و سخا پر حرف آئے گا"۔ راجا نے جواب دیا "تو کوئی فکر نہ کر، میں وعدہ کرتا ھوں کہ جو کچھ تو مانگے گا، تجھے فوراً ملے گا"۔ بیجل نے دیکھا کہ اب تو اپنا کام بن گیا، ھاتھ جوڑ کر بولا "اے سخی! میں دان میں تیرا سر مانگتا ھوں"۔ راجا نے مسکراتے ھوے کہا "تونے مانگا بھی تو میرا سر مانگا! بھلے آدمی! ان چند ھڈیوں سے تجھے کیا حاصل ھوگا!" بیجل نے جواب دیا "دینے والے کو اس سے کیا سروکار، میں عام بھکاریوں کی طرح مال و متاع کا طالب نہیں ھوں. تیرے سر کے علاوہ مجھے کچھ نہیں چاھیے"۔ راجا نے بیجل کی یہ

بات سن کر کہا "اچھا اگر تیری یہی مرضی ہے تو میں بخوشی اپنا سر تیرے حوالے کرتا ہوں"۔

رنگ محل میں ایک اجنبی کی آواز سن کر سورٹھ، رائے ڈیاچ کی بہن اور ماں وغیرہ سب جمع ہوگئیں، اور جب انہیں بیجل کی اس عجیب و غریب طلب کا علم ہوا تو سب نے اس کی بڑی منت سماجت کی. لیکن وہ کسی عنوان اور کسی بات پر تیار نہ ہوا۔

قول کے دھنی راجا نے بیجل کو اپنا سر دے دیا۔ جوناگڑھ میں آہ و بکا کا ایک حشر سا برپا ہوگیا۔ محل کے گوشے گوشے میں آنسوؤں کا سیلاب امڈنے لگا۔ بیجل کا دل و دماغ بھی بے قابو سا ہوگیا۔ اسے اس پر بیحد افسوس تھا، لیکن اب پشیمانی بیکار تھی۔ کہتے ہیں کہ جب بیجل رائے ڈیاچ کا سر لے کر راجا انی رائے کے پاس پہنچا تو اس نے قہر آلود نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ کر کہا کہ "اے بیجل! تونے ایسے سخی کو نہ بخشا تو میرے ساتھ کیا اچھا سلوک کرے گا؟ آج سے تو میرے ملک میں رہنے کے قابل نہیں!" بیجل غیر متوقع طور پر راجا انی رائے کا لعن طعن سن کر دیوانہ ہوگیا۔ ویسے ہی راجا ڈیاچ کا سر ہاتھ میں لیے پھر جوناگڑھ کی طرف دوڑا۔ جب شہر میں داخل ہوا، اور محل کی طرف دیکھا تو ہر طرف آگ کے لپکتے ہوئے شعلے بلند ہو رہے تھے۔ معلوم ہوا کہ رائے ڈیاچ کی چہیتی رانی سورٹھ ستی ہونے والی ہے۔ فوراً ہی والہانہ انداز میں آگ کی طرف تیزی سے بڑھنے لگا، اور بغیر کسی پس و پیش کے دھکتے، دمکتے اور لپکتے ہوئے شعلوں میں کود کر اپنی جان بھی دے دی۔

نوری اور جام تماچی. سمہ خاندان کے ایک مشہور حاکم 'جام تماچی' کے عہد میں 'کنجھر' جھیل کے اردگرد بہت سے مچھیرے رہا کرتے تھے۔ ان مچھیروں کے پاس نہ رہنے کےلیے مکانات تھے، اور نہ سلیقے کی زندگی گذارنے کے لیے ساز و سامان۔ ان کا اٹھنا بیٹھنا اورکھانا پینا زیادہ تر کشتیوں ہی میں ہوتا تھا۔ مرد لوگ جھیل میں ادھر ادھر گھوم پھر کے مچھلیاں پکڑا کرتے، اور عورتیں ان مچھلیوں کے بیچنے کے فرائض انجام دیا کرتیں۔ ان کے رہنے سہنے کا طریقہ انتہائی ناقص تھا۔ جگہ جگہ کوڑے کرکٹ کے ڈھیر، سڑی ہوئی مچھلیوں کی بو باس، اور ان کے گندے، غلیظ اور بدبودار کپڑے، عام طور پر لوگ انہیں بڑی نفرت کی نظر سے دیکھا کرتے تھے۔

اِن مچھیروں میں ایک کے یہاں چاند سی نورانی شکل و صورت کی ایک حسین و جمیل لڑکی پیدا ہوئی ، اس کی خوبصورتی دیکھ کر سب نے اس کا نام 'نوری' رکھ دیا ۔

جام تماچی سیر و شکار کا بیحد شوقین تھا ۔ ایک مرتبہ وہ ایک خوبصورت شاھی کشتی میں سوار ہوکر کنجھر جھیل کی سیر کر رہا تھا ۔ اتفاقاً اس کی نظر اس حسین و جمیل دوشیزہ پر پڑی ، پہلی ھی نظر میں اس کی طرف کچھ ایسا مائل ھوگیا کہ جب واپس اپنے محلات میں پہنچا تو وھاں بھی وھی شکل و صورت دل و دماغ پر چھانے لگی ۔ نوری کے دل آویز نقش و نگار اور سادہ و معصوم تیور اُس کی آنکھوں میں کچھ ایسے بس گئے تھے کہ ذات پات کے سارے بندھن توڑ کر اُس نے نوری کو اپنانے کی خواھش ظاھر کی ، اور بطورِ خاص اس کے رشتے داروں کو شاھی محل میں طلب کیا ۔ نوری کے عزیز و اقارب نے جب یہ خوش خبری سنی کہ ان کا حاکم اُنھیں اپنانا چاھتا ھے تو بڑی خوشی سے اس رشتے کو قبول کرلیا ۔

جام تماچی کے حکم سے شادیانے بجنے لگے ، شاھی خزانے کے دروازے کھل گئے ، مچھیروں سے جو محصول لیا جاتا تھا اُسے بالکل معاف کر دیا گیا ، اور شاھی خزانے سے ھر ایک کو اتنا مال و زر عطا کیا گیا کہ اُن کی آن میں اُن غریبوں کے دن پھر گئے ، اور وہ عیش و عشرت کی زندگی بسر کرنے لگے ۔ نوری شاھی محل میں رھنے لگی ، کبھی کبھی تو جام تماچی اسے دیکھ کر اتنا مست و بیخود ھوجاتا کہ مور چھل ھاتھ میں اٹھا کر اس کے اوپر خود ھی جھلنے لگتا ۔ اکثر شام کے وقت کشتی میں بیٹھ کر دونوں کنجھر جھیل کی سیر کرتے ، یا اُسی قسم کی دوسری سیر و تفریح سے دل بہلاتے ۔ نوری کو اس قدر اوج پر دیکھ کر سب لوگ بصد احترام آداب شاھی بجا لاتے ، حتیٰ کہ تمام دوسری رانیوں کو بھی اس کے سامنے جھکنا پڑتا ۔ لیکن خلاف توقع اتنا اعزاز حاصل ھونے کے بعد بھی نوری کی سادگی اور نیازمندی میں کوئی فرق نہ آیا ، غرور و ناز کی اس میں کوئی ایسی خو بو پیدا نہ ھوئی جو اس کے سرتاج یا کسی اور کو گراں گذرتی ۔ وہ ھمیشہ جام تماچی سے کہا کرتی کہ "میں ایک پس ماندہ اور پرعیب مچھیرن تھی ، آپ نے الطاف شاھانہ سے مجھے نوازا ھے ، میری آنکھیں اور سر اس بوجھ سے ھمیشہ جھکے رھیں گے " ۔

کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ جام تماچی کے دل میں خواہ مخواہ یہ خیال آیا کہ نوری کے عجز و نیاز کی آزمائش کرے۔ حرم سرا میں کہلا بھیجا کہ "آج شام کو تمام رانیاں بن سنور کر تیار رہیں، جس کی طرف بھی میرا دل رجوع ہوا، اُسے بطورِ خاص شاہی سواری میں بٹھا کر سیر کرانے لے جاؤں گا"۔ یہ مژدۂ جانفزا سنتے ہی تمام رانیوں نے سولہ سنگار کیے، اور بڑے تزک و احتشام سے اپنی جگہ بیٹھ گئیں، ہر ایک اس خوش فہمی میں مبتلا تھی کہ "جام سب سے زیادہ مجھے چاہے گا"۔ نوری نے کوئی خاص بناؤ سنگار نہ کیا، اور حسب معمول ایک گوشے میں بیٹھی رہی۔

جام مقررہ وقت پر حرم سرا میں داخل ہوا، سب رانیاں عشوہ طرازیاں کرتی اور ناز و غمزے دکھاتی ہوئی اُس کی طرف بڑھیں۔ نوری دور ہی سے کورنش بجا لائی، اور بڑے بھولے پن سے اپنے پیارے جام کو دیکھنے لگی۔ جام بڑے والہانہ انداز میں نوری کی طرف بڑھا، دونوں بانہیں اس کے گلے میں ڈال کر بڑے پیار سے سینے سے لگایا، اور پھر حسب وعدہ سیر و تفریح کے لیے لے گیا۔ رات کو جب گھوم پھر کے واپس آیا تو سب رانیوں کے سامنے نوری کو بٹھایا، اور کہنے لگا "نوری آج سے مہارانی ہے، اور تم سب پر اُس کی اطاعت اور تابعداری لازم ہے"۔

سسی پنھوں۔ راجہ دلو رائے کے زمانے میں بھانبر نہر کے کنارے 'نانیا' (نائون) نامی ایک برہمن رہتا تھا۔ اس کی بیوی کا نام 'مندر' تھا۔ دونوں کو اولاد کی بڑی خواہش تھی، جو کافی عمر گذرنے کے بعد پوری ہوئی، جب کہ ایک خوبصورت لڑکی پیدا ہوئی۔ نجومیوں نے بتایا کہ اس کا جیون ساتھی کوئی مسلمان بنے گا۔ اِس خوف و ہراس اور آیندہ کی بدنامی سے بچنے کے لیے میاں بیوی نے مجبوراً اس گوہرِ بے بہا کو بڑے افسوس کے ساتھ ایک صندوق میں بند کیا، اور نہر میں ڈال دیا۔ وہ صندوق تیرتے تیرتے بھنبھور کے نزدیک ایک گھاٹ پر آیا۔ بھنبھور میں محمد نامی ایک دھوبی رہتا تھا، جس کو عرف عام میں لالہ (بھائی) کہا جاتا تھا۔ وہ اتنا مشہور اور متمول دھوبی تھا کہ اس کے یہاں کپڑے دھونے پر قریب قریب پانچ سو دھوبی ملازم تھے۔ شومیٔ قسمت کہ اولاد سے محروم تھا، اور یہ غم اکثر اس کے دل و دماغ پر پہروں مسلط رہتا تھا۔ جب صندوق اس گھاٹ پر آیا جہاں لالہ دھوبی کے ملازم کپڑے دھوتے تھے تو کسی کی نظر اس

پر پڑ گئی۔ چنانچہ پانی سے اس صندوق کو نکالا گیا، دیکھا تو ایک گلاب کی طرح نرم و نازک بچی اس میں سو رہی ہے۔ یہ خوبصورت بچی مع صندوق کے لالہ کے پاس لائی گئی۔

اس نے اسے دیکھ کر خوب پیار کیا، اور چاند سی صورت دیکھ کر اس کا نام 'سسی' (سسئی) رکھ دیا۔ لالہ کی بیوی نے اِس لڑکی کو بڑے لاڈ پیار سے پالا۔ جب یہ بچی سنِ شعور کو پہنچی تو نہ جانے کتنے نیازمندوں کے دل کی دھڑکن بن گئی۔ لالہ چونکہ اس سے بیحد محبت کرتا تھا، اس لیے اس نے زرِ کثیر صرف کرکے ایک خوبصورت محل بنوایا، اور اس کے چاروں طرف پُرفضا باغ لگوائے۔ سسی ان پُرکیف باغوں میں اپنی سہیلیوں کے ساتھ ہنسی خوشی دن گذارا کرتی۔

اسی زمانے میں کیچ اور مکران کے قافلے بھنبھور سے گذرتے ہوئے ٹھٹہ اور دوسرے مشہور مقامات میں تجارت کی غرض سے جایا آیا کرتے تھے۔ قافلے والوں نے سسی کے حسن کا چرچا بھی سنا تھا۔ خدا جانے کس نے سسی کی خوبصورتی کا ذکر کیچ کے حاکم آری جام کے فرزند ارجمند پنھوں سے کیا۔ پنھوں اس کو ایک نظر دیکھنے کے لیے بیتاب ہوگیا، اور مصاحبین کے مشورے سے یہ طے کیا کہ وہ ایک بڑے قافلے کو لے کر بہت سا مشک و عنبر ساتھ لے جائے، اور ایک بیوپاری کے بھیس میں بھنبھور کی سیر کرے۔ جب یہ قافلہ بھنبھور پہنچا تو خوشبوؤں سے سارا شہر مہکنے لگا۔ مشک و عنبر کی خرید و فروخت ہونے لگی۔ حسنِ اتفاق کہ سسی بھی بن ٹھن کر اپنی سہیلیوں کے ساتھ ادھر آئی۔ دونوں کی آنکھیں چار ہوئیں۔ دلوں میں چھپی ہوئی ازلی محبت پہلے سے کہیں زیادہ پُرکشش ہوگئی۔

گھر واپس لوٹنے کے بعد سسی نے انتہائی رازدارانہ طور پر اپنی ایک چہیتی سہیلی پر اپنا راز ظاہر کیا، اور بڑی منت سماجت سے یہ کہا کہ وہ جیسے بھی ہو، کوئی ایسی تدبیر کرے کہ پنھوں ہمیشہ کے لیے اس سے وابستہ ہوجائے۔ سہیلی نے ڈرتے ڈرتے یہ بات لالہ دھوبی اور اس کی بیوی تک پہنچائی۔ لالہ نے جواب دیا کہ ایک تو پنھوں پردیسی ہے، دوسرے اس کی ذات پات کا بھی کچھ پتا نہیں۔ سہیلی نے پھر کہا کہ نہیں، اس نے معلوم کر لیا ہے، وہ

بھی ذات کا گاذر (دھوبی) ھی ھے، اور یقین نہ آئے تو آزما کر دیکھ لیا جائے۔

لالہ نے اس کی یہ شرط مان لی۔ پنھوں کو بلوایا گیا، اور کپڑوں کی ایک کھیپ اس کے سپرد کی گئی کہ وہ اس کو دھو کر لے آئے۔ پنھوں کے نازک ھاتھ ان کپڑوں کو دھوتے دھوتے زخمی ھوگئے، اور ناتجربہ کاری کی بنا پر بہت سے کپڑے پھٹ گئے۔ جب سسی کو اس صورت حال کا علم ھوا تو اس نے چھپ کر پنھوں کو مشورہ دیا کہ کپڑے تیار کرنے کے بعد ھر کپڑے کی تہہ میں ایک سونے کی مہر رکھ دے تاکہ کسی کو بھی کوئی شکایت نہ ھو۔ پنھوں نے ایسا ھی کیا، اور دھلے ھوئے کپڑے بخیر و خوبی مالکوں تک پہنچا دیے گئے۔

لالہ کو جب ھر طرح سے یہ یقین ھوگیا کہ پنھوں اس کی ذات کا ھے تو رشتہ منظور کرلیا۔ لیکن اس سے پہلے کہ ان دونوں کی شادی ھو، محلے کی ایک سنارن نے پنھوں پر فریفتہ ھوکر ایک الزام تراشا کہ سسی کا چال چلن اچھا نہیں ھے۔

اُس زمانے میں ایک رواج تھا کہ جب کسی پر الزام عائد کیا جاتا تو اسے اپنے آپ کو بے گناہ ثابت کرنے کے لیے جلتی ھوئی آگ سے گذرنا پڑتا۔ چنانچہ سسی سے بھی یہی مطالبہ کیا گیا۔ سسی نے بخوشی اِس آزمائش سے گذرنا منظور کر لیا، اور دھکتی آگ اسے برائے نام بھی کوئی نقصان نہ پہنچا سکی۔ اس آزمائش کے بعد بڑے تزک و احتشام سے شادی کے رسم و رواج ادا کیے گئے۔ پنھوں نے وطن جانے کا خیال ترک کردیا، اور مستقل طور پر بھنبھور ھی میں سکونت اختیار کرلی۔

پنھوں کا ایک بھائی 'چنرو' جو اس کے ساتھ آیا تھا، اِن تمام واقعات سے واقف ھونے کے بعد مجبوراً وطن واپس لوٹ گیا، اور آری جام کو تفصیل سے ماجرا سنایا۔ جب آری جام نے یہ سنا تو اس کے ھوش اُڑ گئے۔ پنھوں کو وہ بہت زیادہ چاھتا تھا، اِس لیے یہ صدمہ اُس کے لیے ناقابل برداشت تھا، فوراً ھی ایک قاصد یہ کہہ کر روانہ کیا کہ وہ پنھوں سے جاکر یہ کہے کہ اگر وہ واپس نہ لوٹا تو میری زندگی محال ھے۔ جب قاصد بھنبھور پہنچا تو دیکھا کہ پنھوں دھوبیوں کے ساتھ گھاٹ پر کپڑے دھو رھا ھے۔

قاصد بڑے عجز و انکسار سے قدم بوسی کے لیے قریب آیا اور بڑے درد بھرے لہجے میں التجا کی کہ "حضور! یہ کام آپ کے شایان شان نہیں ہے، آپ کو تو کیچ کی سرداری ہی زیب دیتی ہے"۔ پنھوں نے وطن جانے سے صاف انکار کردیا۔ چاروناچار قاصد نا امید ہو کر واپس لوٹ گیا، اور آری جام کو حالات کی خبر دی۔ یہ سنتے ہی آری جام پر مردنی سی چھاگئی، گریہ و زاری کرتے کرتے وہ اتنا لاغر ہوگیا کہ بچنے کی بہت کم امید رہ گئی۔ باپ کو ایسی مایوسی کے عالم میں دیکھ کر اس کے باقی ماندہ تین بیٹوں چنرو، ھوتی اور نوتی نے متفقہ طور پر یہ یقین دلایا کہ کسی نہ کسی طرح وہ پنھوں کو بہت جلد واپس لوٹا لائیں گے۔

تینوں بھائی صبا رفتار اونٹوں پر سوار ہوکر آن کی آن میں بھنبھور پہنچے۔ سسی اور پنھوں نے ان سب کا پرتپاک خیرمقدم کیا۔ کئی دن تک اُن کی آمد کی خوشی میں جشنِ عیش و طرب منایا گیا۔ ایک رات کافی دیر تک چاروں بھائی محو نا و نوش رہے۔ سسی پنھوں کا انتظار کرتے کرتے اتفاقیہ طور پر سوگئی۔ اُدھر پنھوں کو اس قدر زیادہ شراب پلادی گئی کہ اُسے اپنا بھی ہوش نہ رہا۔ آدھی رات کے بعد اس کے بھائیوں نے اونٹوں کو اسی حالت میں تیار کرلیا، اور مکمل بیخبری کے عالم میں اُسے کیچ کی طرف لے چلے۔

سسی نے اچانک آنکھیں کھول کر دیکھا تو پنھوں کو اپنے بستر پر نہ پایا، گھبرا کر اُٹھ کھڑی ہوئی اور حیرت زدہ ہوکر اِدھر اُدھر ڈھونڈنا شروع کیا۔ تمام کمرے اور صحن سونے ہوگئے تھے۔ سوچا کہ ہو نہ ہو پنھوں کے بھائی زبردستی اسے اپنے ساتھ لے کر چلے گئے ہیں۔ چیخ و پکار سے آس پاس کے لوگ اور گھر والے جمع ہوگئے۔ سب نے سسی کو لاکھ سمجھایا، لیکن وہ کسی قیمت پر اِس ناقابلِ تلافی صدمے کو برداشت کرنے کے لیے تیار نہ ہوئی اور آخرکار سب کو چھوڑ کر انجانے کیچ کی طرف روانہ ہوگئی۔ سنسان بیابانوں، خطرناک راستوں، اور اونچے اونچے کہساروں سے گذرتی ہوئی وہ 'پب' کی وادی میں پہنچی۔ بھوک اور پیاس نے اس کی ساری توانائی سلب کرلی تھی۔ چلتے چلتے وہ ایک جگہ اچانک غش کھا کر گری۔ خدا کی قدرت کہ وہاں فی الفور صاف پانی کا ایک چشمہ جاری ہوگیا۔ پانی پینے اور کچھ آرام کرنے کے بعد سسی نے آگے قدم بڑھایا۔ کوہ پب کی مختلف چوٹیوں سے گذرکر وہ بھوڑ ندی کے

کنارے پہنچی، اس ندی کو پار کرنا اس کے بس کی بات نہ تھی۔ بہت کچھ غور و خوض کرنے کے بعد بے یار و مددگار کٹیلی جھاڑیوں اور سنسان جنگلوں میں پھرتی رہی۔ گھومتے گھومتے کوہ ماباڑ کی چوٹیوں پر پہنچی تو اس نے ایک جگہ ایک جھونپڑی دیکھی جس میں ایک پنوار رہتا تھا۔ قریب جاکر اس نے اس سے کیچی قافلے کے بابت پوچھا۔ اس نے جب ایسی حسین و جمیل عورت کو غیرمتوقع طور پر اپنے سامنے دیکھا تو اس کی نیت میں فتور آگیا۔ سسی کو طرح طرح سے بہلا کر اس نے اپنی ہوس کاری کا شکار بنانا چاہا۔ سسی اس کی عجیب و غریب باتیں سن کر پنہوں کی یاد میں زار و قطار رونے لگی، اور ظالم پنوار سے رحم کی درخواست کی، لیکن وہ سنگدل کسی عنوان متاثر نہ ہوا۔ آخر سسی نے مجبوراً یہ التجا کی کہ "دو ایک دن مجھ بدنصیب کو پنہوں کا سوگ منا لینے دے اور تو مجھ سے اچھا سلوک کر تاکہ میں اس کے غم کو بھول جاؤں"۔ پنوار سسی کی یہ بات سن کر خوش ہوگیا اور کھانے پینے کا سامان لینے چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی سسی نے بارگاہ ایزدی میں دست بستہ التجا کی کہ "اے ستار! مجھ بے وسیلہ اور مصیبت زدہ کی مدد کر"۔ سسی کی دعا قبول ہوگئی۔ یکایک چٹان شق ہوئی، اور وہ اس میں سما گئی۔ حسن اتفاق کہ اس کے دوپٹے کا ایک سرا نشان‌دہی کے طور پر باہر رہ گیا۔ جب پنوار واپس لوٹا تو یہ عبرتناک منظر دیکھ کر بہت زیادہ پریشان ہوا۔ اپنے گناہوں پر بیحد پشیمان اور تائب ہوکر بہت دیر تک آنسو بہاتا رہا، اور پھر بڑے اہتمام سے سسی کی آخری آرام گاہ کو اپنے ہاتھوں سے مکمل کرنے لگا۔

کیچ پہنچنے سے پہلے ہی راستے میں جب پنہوں کو ہوش آیا تو خود کو اونٹ کی پیٹھ سے جکڑا ہوا پایا۔ اس نے چاہا کہ کسی طرح یہ بند ٹوٹ جائیں اور وہ آزاد ہوجائے، لیکن ایسا نہ ہوسکا۔ کئی مرتبہ بھائیوں سے پوچھ گچھ کرنی چاہی، لیکن اونٹ اتنی تیزی سے دوڑ رہے تھے کہ بھائیوں نے اس کی بات سنی ان سنی کردی۔ آخر پنہوں کو آری جام کے پاس پہنچایا گیا۔ باپ نے بیٹے کو دیکھ کر اطمینان کا سانس لیا، لیکن پنہوں اپنی محبوبہ کی جدائی میں کچھ ایسا خود رفتہ سا ہوگیا کہ گھر والوں کو اس کی زندگی ناممکن نظر آئی، مجبوراً یہ اجازت دے دی گئی کہ بھنبھور جاکر سسی کو اپنے ہمراہ لے آئے۔ اجازت ملتے ہی

پنھوں بھنبھور کی طرف پلٹا۔ راستے میں جب وہ سسی کی قبر سے تھوڑے فاصلے پر تھا۔ تو کسی غیبی آواز نے اس کو روک لیا۔ آگے بڑھ کر اِدھر اُدھر دیکھا تو ایک تازہ قبر سے جانے پہچانے دوپٹے کا پلّو باہر نکلا ہوا دیکھا۔ فوراً سمجھ گیا کہ ہو نہ ہو یہ سسی کی قبر ہے۔ اتفاق کی بات کہ وہ پنوار بھی ادھر آ نکلا، اور اُس نے بڑے دردناک لہجے میں سسی کی حالات پنھوں کو سنانے۔ یہ سنتے ہی پنھوں اونٹ سے کود کر نیچے آگیا، اور بھائیوں کو تسلی دی کہ ذرا ٹھیرو میں اِس کی قبر پر فاتحہ پڑھ لوں۔ قبر کے پاس جاتے ہی اُس کی آنکھوں سے اشکوں کا طوفان سا امنڈ آیا، دعا کی کہ "اے بچھڑے ہوؤں کے ملانے والے کارساز! مجھے میرے محبوب سے ہمیشہ کے لیے ملادے"۔

پنھوں نے جیسے ہی یہ دعا مانگی، قبر خود بخود شق ہوگئی، اور پنھوں بڑے والہانہ انداز میں اس کے اندر داخل ہوگیا، بعد کو وہ قبر پھر ویسی ہی ہوگئی۔

اس کے بھائیوں نے جب دیکھا تو ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی، خدا جانے وہ کب تک وہاں آنسو بہاتے رہے، اور بعد کو کس پر کیا گذری، کچھ معلوم نہیں۔

لیلا چنیسر۔ رانا 'کنگھار' ایک رعب اور دبدبے والا حاکم تھا۔ اس کے ایک لڑکی تھی جس کا نام 'کونرو' تھا۔ کونرو کے حسن و جمال کا شہرہ دور دور تھا، اور اس زمانے میں کوئی اس کا ثانی نہ تھا۔ کونرو کی منگنی اس کے چچا زاد بھائی 'اتمادی' سے ہوئی تھی۔ اُس زمانے میں دیول کا راجا چنیسر حسن و دولت اور شان و شوکت میں یکتائے روزگار مانا جاتا تھا۔ یہ راجا سومرہ خاندان سے تعلق رکھتا تھا، اور اپنے اوصاف کی وجہ سے ہر دلعزیز تھا۔

ایک دن کونرو کو بناؤ سنگھار کرتے دیکھ کر اس کی ایک سہیلی جمنی نے نہ جانے کیوں یہ کہا کہ "تم تو اس طرح بن سنور رہی ہو جیسے چنیسر کی رانی بننے والی ہو!" کونرو کو اس طنزیہ فقرے نے بیحد متاثر کیا، اور وہ ان دیکھے چنیسر کا دم بھرنے لگی۔ جب رانا کنگھار تک یہ بات پہنچی کہ اس کی بیٹی چنیسر کی رانی بننا چاہتی ہے تو اسے بڑی حیرت ہوئی۔ چنیسر سے ناتا جوڑنا اس کے نزدیک باعث فخر تھا، لیکن ساتھ ہی اسے یہ خیال بھی آیا کہ اگر

چنیسر انکار کردے تو مفت کی بدنامی ہوگی۔ بڑے غور و خوض کے بعد اس نے ایک ترکیب سوچی، وہ یہ کہ کونرو ایک تاجر کا بھیس بدل کر چنیسر کے دیس میں جائے، اور کسی حکمت عملی سے اسے اپنی طرف رجوع کرلے۔ چنانچہ کونرو اور اس کی ماں 'مرکھی' نے تاجروں کا بھیس بدلا، اور بہت سا مال و متاع لے کر دیول کی طرف روانہ ہوگئیں۔ وھاں پہنچ کر انہوں نے ایک مالن کو اپنا ھمراز بنایا۔ مالن چنیسر کے محل میں پھولوں کے ہار لے کر جایا آیا کرتی تھی۔ اس نے کونرو کو مشورہ دیا کہ اِس سلسلے میں چنیسر کے وزیر جکھرہ سے کام لیا جاسکتا ھے۔ تینوں مل کر جکھرہ کے پاس گئیں۔ کونرو نے بڑی منت سماجت سے اپنا مدعا بیان کیا۔ کونرو کے دردمندانہ لب و لہجے سے جکھرہ کا دل بھر آیا، اس نے کونرو کو صبر و ضبط کی تلقین کی، اور کہا "میں کوشش کروں گا کہ کسی طرح تیری امید بر آئے"۔ یہ کہہ کر تینوں کو خوشی خوشی رخصت کیا۔

صبح کو جکھرہ حسب معمول تیار ہوکر چنیسر کے شاھی محل میں گیا، اور موقع پاکر کونرو کی محبت کا ذکر بڑے محتاط الفاظ میں اس سے کردیا۔ جکھرہ نے اس کے حسن و جمال کی تعریف کچھ اس انداز سے کی کہ چنیسر پر کافی اثر ہوا، لیکن مہارانی لیلا کا لحاظ کرتے ہوئے اس نے جکھرہ کو جواب دیا کہ "لیلا کے ہوتے ہوئے کسی دوسری عورت کو اپنانا میرے لیے نامناسب ھے، بہتر ھے کہ تم کونرو کو سمجھا بجھا کر وطن واپس لوٹا دو"۔

جکھرو نے جب کونرو اور اس کی ماں سے یہ بات کہی تو ان کا حال غیر ہوگیا۔

کونرو اس ناقابل برداشت صدمے سے بیحد مایوس ہوگئی۔ ماں نے اسے بہت سمجھایا بجھایا، لیکن وہ کسی طرح نہ مانی۔ آخر یہ طے کیا گیا کہ تمام مال و اسباب چھوڑ کر بوسیدہ لباس میں لیلا کے پاس جائیں، اور اس سے درخواست کریں کہ ہم دونوں کو اپنی باندیوں میں شامل کرلے۔ دوسرے دن ان دونوں نے پھٹے پرانے کپڑے پہنے، اور بمشکل تمام لیلا کے سامنے پہنچ کر عرض کیا کہ "زمانے کی گردش نے ھمیں تباہ و برباد کیا ھے، اور اب آپ کے پاس یہ آس لے کر آئے ھیں کہ نیک دل مہارانی کی حیثیت سے آپ ھمارے سر پر ھاتھ رکھیں، تاکہ ھم اپنی عزت و آبرو محفوظ رکھتے ہوئے آپ کی خدمت بجا لائیں"۔ لیلا کو

ان کی خستہ حالی دیکھ کر رحم آگیا، اور دونوں کو اپنے پاس باندیوں میں شامل کرلیا۔

وقت گذرتا گیا لیکن کونرو کو چنیسر سے ملنے کا کوئی امکان نظر نہ آیا۔ ایک رات جب وہ چنیسر کا بستر بچھا رہی تھی، اپنے ماضی کو یاد کرکے دفعتاً اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کے جھرنے پھوٹنے لگے۔ لیلا نے جب کونرو کی آنکھ میں آنسو دیکھے تو اس نے از راہِ ہمدردی اِن آنسوؤں کا سبب پوچھا۔ لیلا نے بات کو ٹالتے ہوئے کہا کہ "شمع کے دھنویں کی وجہ سے میری آنکھ سے آنسو بہنے لگے، اور کوئی خاص بات نہیں"۔ مگر لیلا اس کے جواب سے مطمئن نہ ہوئی، اس نے پھر پوچھا "سچ سچ بتاؤ آخر کیا بات ہے؟" کونرو یہ سن کر کچھ سوچنے لگی، اور پھر ایک آہ سرد کھینچ کر بولی: "کبھی میں بھی آپ کی طرح عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتی تھی، مجھے بھی ملک اور بادشاہی حاصل تھی۔ تمہارے یہاں یہ شمع جلاکر روشنی حاصل کی جاتی ہے، اور میرے یہاں رات کو میرے نولکھے ہار کی آب و تاب سے کچھ ایسا سماں ہوتا تھا کہ اندھیرا اُجالے میں تبدیل ہوجاتا تھا۔ بیتے دنوں کی یاد جب کبھی مجھے آجاتی ہے تو میری آنکھیں پُرنم ہو جاتی ہیں"۔ لیلا کونرو کی یہ باتیں سن کر خاموش رہی، لیکن اس کی خاموشی یہ ظاہر کر رہی تھی کہ وہ کونرو کے اس نولکھے ہار کو دیکھنا چاہتی ہے۔ کونرو تو اس موقع کی تاک ہی میں تھی، فوراً وہاں سے اٹھ کر گئی، اور تھوڑی دیر بعد پھٹے پرانے کپڑوں کی گٹھڑیوں میں سے اپنا نولکھا ہار نکال لائی، لیلا زیوروں کی بیحد شائق تھی اور قیمتی موتیوں سے تو اسے بڑی محبت تھی۔ کونرو کا نولکھا ہار اس کی آنکھوں میں بس گیا، کہنے لگی "تو جو کچھ چاہتی ہے، مجھ پر ظاہر کردے، میں تیری ہر خواہش کو پورا کروں گی، لیکن اپنا یہ ہار مجھے دے دے"۔ کونرو نے بڑی عاجزی سے کہا "مجھے مال متاع کی کوئی حرص نہیں۔ صرف چنیسر کے ساتھ ایک رات بسر کرنا چاہتی ہوں۔" لیلا کو قیمتی ہار کی ہوس نے کچھ ایسا موہ لیا تھا کہ اس نے کونرو کی یہ شرط قبول کرلی، اور اسے اطمینان دلاتے ہوئے کہا تو خوش ہوکر رات کا انتظار کر، میں اس کو آج رات تیرے کمرے میں پہنچا دوں گی"۔

اتفاق کی بات کہ چنیسر شام ہی سے مصاحبین کے جھرمٹ میں کچھ ایسا

محو ناؤ نوش رہا کہ رات کو کافی دیر سے حرم‌سرا میں داخل ہوا۔ لیلا اس کو نشے میں دیکھ کر سوچنے لگی کہ اب چنیسر سے جو کچھ میں کہوں گی، وہ بخوشی مان لے گا۔ لیلا نے چنیسر کے گلے میں بانہیں ڈال کر کہا، "بیچاری کونرو تمہارے لیے مر رہی ہے، آج رات اُس کے پاس جاکر کچھ اس کی ڈھارس بندھاؤ"۔ چنیسر، حالانکہ نشے میں تھا، پھر بھی لیلا کی یہ بات سن کر اس کی غیرت جاگ اُٹھی، اور اس نے ایسا کرنے سے صاف انکار کردیا۔ لیلا کو تو کسی نہ کسی طرح چنیسر سے یہ کام لینا ہی تھا، لہذا اُس نے خوشامد درآمد سے چنیسر کا ہاتھ پکڑ کر کونرو کے کمرے میں داخل کردیا۔ کونرو سرِ شام ہی سے اس کا انتظار بڑی بیچینی سے کر رہی تھی۔ اس نے بڑے تپاک سے چنیسر کا خیرمقدم کیا، اور اس کو بہلانے کے جتن کرنے لگی۔ چنیسر کچھ تو نشے میں تھا، اور کچھ رات زیادہ ہو جانے کے سبب بغیر کونرو سے بات چیت کیے بستر پر دراز ہوگیا۔ لیکن اِس عالمِ مدھوشی و خواب میں جب اس کی آنکھ کھلی اور اس نے اپنے پاس کونرو کو دیکھا تو بے اختیار پکار اُٹھا "الٰہی اِس رات کو مختصر کر! لیلا کے حسن و جمال سے اِس کو کیا نسبت ہے، میں تو لیلا کے سوا کسی کو نہیں چاہتا! بھلا پھول کو خس سے کیا نسبت ہوسکتی ہے! میرے مولیٰ میرے پاس سے اس کو دور کر کے، میری رات کو منور کردے"۔

صبح کو جب چنیسر بیدار ہوا تو خود کو بالکل اجنبی ماحول میں پایا۔ وہ کمرہ چھوڑ کر جانا ہی چاہتا تھا کہ کونرو کی ماں آگئی، اور یہ دیکھ کر کہ چنیسر جانا ہی چاہتا ہے، کہنے لگی "آپ اپنی نیازمند کو چھوڑ کر اب کہاں جاتے ہیں؟ لیلا نے تو کل نولکھے ہار کو آپ پر ترجیح دی ہے!" چنیسر یہ طنزیہ باتیں سن کر کچھ پریشان سا ہوگیا۔ اس پر کونرو کی ماں نے اول سے آخر تک سب کچھ بیان کردیا۔ چنیسر کو جب لیلا کے اِس حرص و ہوس کا علم ہوا تو فوراً اس کے دل میں نفرت سی پیدا ہوگئی اور وہ پھر کونرو کو پیار کرنے لگا۔

لیلا کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ چنیسر اس کی طرف سے بددل بھی ہوسکتا ہے، لیکن جب اُس نے یہ دیکھا کہ کونرو اس کے من کی رانی بنی ہوئی ہے، اور اس کی طرف سے بالکل بے اعتنائی برتی جا رہی ہے، تو اِس

قسم کی کوششیں کرنے لگی جن سے چنیسر پھر سے راضی ہوجائے۔ لیکن چنیسر کچھ ایسا روٹھا تھا کہ اس کا منانا ناممکن ہوگیا۔ آخرکار لیلا ہر طرف سے مایوس ہوکر مع ساز و سامان کے اپنے میکے چلی گئی۔ امید اسے یہ تھی کہ کبھی نہ کبھی چنیسر اسے خود منانے آئے گا، لیکن اس آسرے میں کئی سال گذر گئے، اور چنیسر کسی عنوان سے اسے دوبارہ اپنانے کو تیار نہ ہوا۔

چنیسر کے وزیر جکھرہ کی نسبت لیلا ہی کے گھرانے کی ایک لڑکی سے ہوئی تھی۔ اس لڑکی سے چنیسر کے وزیر جکھرہ کو دلی محبت تھی، لیکن لیلا اور چنیسر کی ناچاقی کا اثر اس ہونے والے رشتے پر بھی پڑا۔ لڑکی والوں نے شادی کرنے سے صاف انکار کردیا۔ جکھرہ یہ سوچ کر کہ ممکن ہے لیلا کے پاس جانے سے کام بن جائے مجبوراً صلح و صفائی کرنے گیا، اور لیلا کو اپنی امداد و اعانت پر راضی کرلیا۔ لیلا نے ایک شرط یہ لگادی کہ "تمہارے ساتھ چنیسر کا آنا ضروری ہے!" جکھرہ نے اس شرط کو منظور کرلیا، اور دیول واپس آکر اس نے چنیسر سے بطور خاص یہ درخواست کی کہ "آپ میری شادی میں ضرور شریک ہوں، بغیر آپ کی شرکت کے میری تمام خوشی بیکار ہوجائے گی!" چنیسر نے جکھرہ کی یہ بات منظور کرلی۔

چنیسر جکھرہ کی بارات میں بڑی شان و شوکت سے شریک ہوکر لڑکی والوں کے شہر کی طرف چلا۔ شہر سے باہر جہاں بارات ٹھہرائی گئی، وہاں لیلا اور اس کی سہیلیاں بنی سنوری پہلے سے استقبال کے لیے موجود تھیں۔ باراتیوں کا خیر مقدم انھوں نے دل آویز ناچ گانے سے کیا۔ لیلا کی دلکش اداؤں نے چنیسر پر کچھ ایسا اثر کیا کہ جب وہ ناچتی ہوئی اس کے قریب آئی تو بیساختہ اس کی زبان سے نکل گیا، "اے نازنین! گھونگھٹ کھول کر اپنا روئے زیبا دکھا!" لیلا تو پہلے ہی سے بیقرار تھی، گھونگھٹ کھول کر بڑی حسرت بھری نظروں سے چنیسر کو دیکھنے لگی۔ چنیسر حالانکہ بظاہر لیلا سے قطع تعلق کر چکا تھا لیکن اس وقت اس کے دل میں لیلا کی محبت یک لخت جاگ اٹھی تھی۔ کافی عرصے کے بعد اتفاقیہ طور پر لیلا کو اس طرح دیکھ کر اس پر کچھ ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ جان سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ ظاہر ہے کہ لیلا کے لیے بھی یہ صدمہ روح فرسا تھا، اور وہ بھی دیکھتے ہی دیکھتے زمین پر گری اور جان جان آفریں کے سپرد کردی۔

مومل رانو. پندرھویں صدی عیسوی کے اوائل میں "راجا نند" نامی گوجر ذات کا ایک سردار سندھ میں میرپور ماتھیلے کا حاکم تھا۔ اِس راجا کو نو لڑکیاں تھیں، ان سب میں مومل زیادہ حسین تھی، اور سومل نسبتاً ذھین۔

ایک دن راجا نند اپنے امرا کے ساتھ دریاے سندھ کے کنارے سیر و شکار میں مصروف تھا۔ حسنِ اتفاق کہ ایک سُوّر دریا میں نظر آیا، جیسے جیسے وہ آگے بڑھتا جاتا، دریا خشک ھوتا جاتا۔ یہ تعجب خیز منظر دیکھ کر راجا نے گھوڑے کو اس کے پیچھے ڈالا اور قریب پہنچ کر ایسا تیر کس کر مارا کہ وہ ھلاک ھوگیا۔ دل میں خیال آیا کہ اِس کے جسم میں ضرور کوئی پر اسرار چیز ھے جو پانی کو خشک کردیتی ھے۔ راجا نے سور کو ٹکڑے ٹکڑے کردیا، اور ایک ایک ٹکڑے کو دریا میں ڈال کر آزمانے لگا۔ آخر اُسے معلوم ھوا کہ یہ عجیب و غریب کرشمہ ایک دانت سے تعلق رکھتا ھے۔ راجا نے اس دانت کا پتہ لگالیا، پھر اس کی مدد سے دریا پار کرکے محل میں واپس آگیا۔ رفتہ رفتہ اپنا سارا خزانہ راجا نے دریا کے اندر چھپا دیا، اور کسی کو اس کی کانوں کان خبر نہ ھوئی۔

اتفاق سے ایک فقیر کو جادو کے زور سے اُس خزانے کا کچھ علم ھوا۔ اس نے سوچا کہ کسی طرح اِس خزانے پر ھاتھ صاف کیا جائے، جو دریا کے سینے میں پوشیدہ ھے۔ فقیر گھومتا پھرتا اس علاقے میں آیا، اور کسی ایسے موقع کی تلاش میں رھا کہ پر اسرار دانت اس کے قبضے میں آجائے۔ ایک دن فقیر کو معلوم ھوا کہ راجا نند مصاحبین کے ھمراہ دور دراز سفر کے لیے روانہ ھو رھا ھے۔ اِس موقع سے فائدا اُٹھاکر وہ محل کے نزدیک آیا، اور دردناک صدائیں بلند کرنے لگا۔ جب مومل کو اس کی اطلاع ملی تو اُس نے فقیر کو بلوا کر دریافت کیا کہ "اے بزرگ، میں تیری کیا خدمت کرسکتی ھوں؟" فقیر نے جواب دیا کہ "بیٹی! میں ایسے مرض میں مبتلا ھوں جس کا علاج سور کے دانت کے علاوہ کچھ نہیں۔ تیرے یہاں کس چیز کی کمی ھے، خدا کا دیا تیرے ھاں سب کچھ ھے۔ یہ سوچ کر کہ ممکن ھے اس در کے توسل ھی سے مجھے یہ دوا مل جائے، میں ادھر آیا اور اب تجھ سے سوائے اس کے میرا کوئی سوال نہیں"۔

مومل کو دھیان آیا کہ شاید اس کے باپ کے پاس یہ دانت تھا، اندر گئی

اور کچھ دیر کے بعد ڈھونڈ کر وہ دانت لے آئی۔ اور فقیر کی نذر کردیا۔ فقیر صدہا دعائیں دیتا ہوا روانہ ہوگیا۔ دریا پر پہنچ کر اس نے دانت کی مدد سے دریا خشک کیا، اور راجا نند کا سارا خزانہ لے کر دور کسی شہر میں جا بسا، تاکہ عیش و عشرت کی زندگی بسر کرسکے۔

راجا نند جب سفر سے واپس لوٹا تو ایک دن اسے خیال آیا کہ ذرا اپنے خزانے کو دیکھ بھال آئے، لیکن جب دانت کو اپنی جگہ پر نہ پایا تو ہوش و حواس گم ہوگئے، محل کا کونہ کونہ ڈھونڈھ مارا لیکن اس کا پتہ نہ چلنا تھا نہ چلا، آخر بڑی پوچھ گچھ کے بعد معلوم ہوا کہ مومل نے سیلانی فقیر کو دے دیا ہے۔ یہ معلوم ہوتے ہی اس کے تن بدن میں آگ لگ گئی، غصے میں وہ اپنے آپے میں نہ رہا، اور مومل کو جان سے مارنے کی ٹھان لی۔ اس موقع پر مومل نے بڑی دانشمندی سے کام لیا۔ اس نے راجا کو بڑے عجز و انکسار اور منت و سماجت کے ساتھ یہ دلاسا دیا کہ وہ کھویا ہوا خزانہ کسی نہ کسی طرح حاصل کرکے رہے گی۔

سومل جادو ٹونے کے فن میں بیحد ہوشیار تھی۔ کئی دن تک غور و خوض کرنے کے بعد وہ اپنی تمام بہنوں اور خادماؤں کو لے کر جیسلمیر کی طرف روانہ ہوگئی۔ جیسلمیر کے قریب ایک شہر تھا جس کا نام لڈانو (لودرو) تھا، یہ شہر کاک ندی کے کنارے بسا ہوا تھا۔ سومل جب اس شہر میں پہنچی تو اس کے پرکیف نظاروں سے بیحد متاثر ہوئی۔ کاک کے کنارے ایک پر فضا مقام پر اس نے طلسمی محل بنوایا۔ اس محل کے چاروں طرف ایسا عمدہ اور خوشنما باغ لگوایا جس میں رنگ برنگ کے خوشبودار پھول تھے، باغ کے گرد ایسی عجیب و غریب بھول بھلیاں تعمیر کرائیں جن میں ایک بار داخل ہونے کے بعد نکلنا دشوار ہوجائے، ستونوں سے ملا ہوا شیشے کا ایک طلسمی تالاب بنوایا جسے دیکھ کر اچھے اچھے دنگ رہ جائیں۔ محل کے دروازوں پر چاروں طرف چار ایسے خوفناک شیر بنوائے جن کی ہیبت ناک صورت اور آسمان کی طرف اٹھی ہوئی گردن دیکھ کر بہادروں کے بھی حواس باختہ ہو جائیں، دیوان خانے میں سات ایسے خوشنما جھولے لٹکوائے جن میں سے چھ جھولے کچے سوت کی نازک رسیوں میں بندھے ہوئے تھے اور ایک جھولا مضبوط رسی سے، پہلے چھ جھولوں کے نیچے

ایسے خطرناک گڑھے کھدوائے جو بظاہر معلوم نہیں ہوتے تھے۔

جب یہ طلسمی محل ہر طرح بن سنور کر تیار ہوگیا تو تمام بہنیں اور خادمائیں سولہ سنگار کر کے اس میں اِس طرح رہنے لگیں۔ جیسے مکڑیاں خوبصورت جالے تیار کر کے شکار کی تلاش میں بیٹھ جائیں۔ پورے شہر میں یہ اعلان کردیا گیا کہ جو شخص باغ، تالاب اور شیروں وغیرہ کے خطرات سے بچ کر صحیح سلامت مومل کے جھولے تک پہنچ جائے گا تو مومل اسی کی ہو جائے گی۔

لڈانو شہر ایک بڑا تیرتھ تھا، دور دراز ملکوں کے بیوپاری اور راج کمار وھاں آتے رہتے تھے، جب اُن میں مومل کے حسن و جمال کا چرچا ہوا تو بہت سے مال و متاع لے کر طلسمی محل کی طرف جوق در جوق آنے لگے۔

طلسمی محل کے دروازے پر ایک بڑا نقارہ رکھا ہوا تھا۔ جس کو بھی مومل کے حاصل کرنے کی خواہش ہوتی، وہ اس نقارے پر چوٹ مارتا۔ نقارے کی چوٹ کی آواز سنتے ہی مومل فوراً ہی سب کو تیاری کا حکم دیتی۔ سب سے ہوشیار خادمہ "ناتر" تھی، جس کو باہر بھیجا جاتا۔ اور وہ نووارد کو اپنے ہمراہ لے آتی، اور تھوڑی دیر کے بعد غائب ہوجاتی۔ مہمان یا تو بھول بھلیوں میں ہی کھو جاتا یا پھر طلسمی تالاب، خوفناک شیروں کی مڈھ بھیڑ اور دوسرے ہیبت ناک مناظر کی تاب نہ لاتا۔ اور اپنے سارے ہیرے جواہرات اس سحر آفریں محل کی نذر کر کے جب بمشکل تمام باہر آتا تو مایوس ہوکر بیراگی بن جاتا اور مومل کے فراق میں جنگل جنگل مارا مارا پھرتا۔ اس طرح ایک نہیں کتنے ہی محبت کے ماروں نے اپنی تقدیر آزمائی کی، لیکن ناکامی کے سوا کچھ ہاتھ نہ لگا۔ بہتوں نے محل کے اندر اور باہر تڑپ تڑپ کر جان دے دی اور کاک ندی کے کنارے ان کی یادگاریں باقی رہ گئیں۔

اسی زمانے میں سندھ کے تھر علاقے کی عنان حکومت سومرا سرداروں کے ہاتھوں میں تھی۔ اس خاندان کا ایک حاکم ہمیر سومرا ۱۰۴۰ء میں تخت پر بیٹھا۔ اس کا پایۂ تخت امر کوٹ تھا۔ اس کے تین وزیر تھے: ڈونر بھٹی، سنڑو ڈماچانی اور رانا میندھرو۔ ان کو وہ ایک پل کے لیے بھی جدا نہ ہونے دیتا۔ آخرالذکر کی بہن ہمیر سومرا کو بیاہی تھی۔ چاروں یار عیش و عشرت کے شائق تھے اور زیادہ وقت سیر و سیاحت اور شکار وغیرہ میں گذارتے تھے۔

ایک مرتبہ یہ لوگ ہرنوں کے شکار کے لیے روانہ ہوگئے، اور ان کے تعاقب میں بہت دور تک نکل گئے۔ اتفاق کی بات کہ جنگل میں ان کی ملاقات ایک سادھو سے ہوئی۔ اس کی وضع قطع اور شکل و صورت میں کچھ ایسی کشش تھی کہ یہ لوگ بصد عزت و احترام اس کے قریب گئے۔ رانا مینڈھرو نے بڑے ادب سے آسے سلام کیا۔ اور بڑی عاجزی سے پوچھا "مہاراج! خیر تو ہے۔ آخر آپ اس سنسان و بیابان میں زندگی کیوں بسر کر رہے ہیں؟" سادھو نے ایک لمحہ کی خاموشی کے بعد جواب دیا "میں بھی کبھی تم لوگوں کی طرح راج کمار تھا لیکن اب کاک کا مارا ہوا ایک سادھو ہوں!"۔ رانا نے بڑے ہمدردانہ لہجے میں پوچھا "مہاراج! براہ کرم یہ تو بتائیے کہ آخر ایسا کیوں ہوا؟" جوگی نے کسی گہری سوچ میں ڈوب کر ایک آہ سرد کھینچی اور بولا "مومل کے حسن و جمال نے مجھے دیوانہ کردیا ہے۔ کبھی میں اس کے دیدار کرنے کے لیے کاک گیا تھا لیکن ان سحر آفریں حسیناؤں کے سامنے میری ایک نہ چلی۔ سارا مال و متاع قربان کردیا۔ اور آخرکار لڈونے کو خیرباد کہہ کر ان بیابانوں میں آگیا"۔

یہ دردناک داستان سن کر چاروں یار حیرت سے ایک دوسرے کا منھ تکنے لگے۔ جیسے یہ کہہ رہے ہوں کہ 'ہم میں سے ہر ایک کو یہ عہد کرلینا چاہیے کہ جیسے بھی ہو۔ مومل کو ایک بار ضرور دیکھیں گے!' جوگی سے اجازت لے کر چاروں دوست کاک کی طرف روانہ ہوگئے اور تین چار دن کے سفر کے بعد ایک شام کو منزل مقصود پر پہنچ گئے۔

مومل کو ان چاروں کی آمد کی خبر رات ہی کو مل گئی تھی۔ صبح ہوتے ہی اس نے اپنی خاص خادمہ ناتر کو آراستہ پیراستہ کرکے ان کی مزاج پرسی کے لیے بھیجا۔ ناتر نے ان کے روبرو آکر بڑے ادب سے سلام کیا، اور ہر ایک کے سامنے تھالی میں کچھ چنے اور الجھے ہوئے سوت کے گچھے پیش کیے۔ رانا کے علاوہ سب نے چنے کھانے اور لگے الجھے ہوئے سوت کو سلجھانے۔ رانا نے چنوں کی طرف دیکھا بھی نہیں۔ البتہ تھالی اٹھاکر اپنے گھوڑے کے سامنے رکھ دی، اور الجھے ہوئے گچھے کے ٹکڑے ٹکڑے کرکے ایک ہار سا بنا کر گھوڑے کے گلے میں ڈال دیا۔ پھر بڑے تیکھے انداز میں ناتر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "جاکر اپنی مالکن سے یہ سب کچھ کہہ دینا!" رانا کی یہ روش

دیکھ کر ناتر کے ہوش و حواس گم ہوگئے، مومل سے جاکر جو کچھ دیکھا تھا کہہ دیا ۔ مومل نے رانا کو پرکھنے کے لیے حلوے کا تھال بھجوایا ۔ حلوا دیکھتے ہی رانا نے بڑے طنزیہ انداز میں مسکراتے ہوئے ناتر سے کہا "تمھاری مالکن نے کیا ہمیں عورتوں میں شمار کیا ہے، جو یہ زنانہ کھانا بھیجا ہے؟" تیسری مرتبہ مومل نے کئی قسم کا کھانا تیار کروایا اور سب میں تھوڑا تھوڑا زہر ملوا دیا ۔ جب ناتر بڑے اہتمام سے یہ کھانے لے کر آئی تو کہنے لگی "یہ کھانے ہماری مالکن نے آپ کے لیے بطور خاص اپنے ہاتھوں سے تیار کیے ہیں اور درخواست کی ہے کہ براہ کرم مزا لے لے کے کھائیں" ۔ همیر اور اس کے ساتھی لقمہ اٹھانے ہی والے تھے کہ رانا نے انہیں ٹوکا ۔ دو تین نوالے پاس ہی کھڑے ہوئے ایک کتے کو ڈالے جو انہیں کھاتے ہی مرگیا ۔ یہ دیکھ کر همیر اور اس کے ساتھی غصے میں بھر کر بولے "چلو اپنے وطن لوٹ چلیں! یہ جان لیوا جگہ ہمارے لیے موزوں نہیں" ۔ رانا نے جواب دیا "آگے بڑھ کر پیچھے ہٹنا بہادروں کا کام نہیں" ۔

ناتر نے مومل کے پاس جاکر تمام واقعات بیان کیے اور بڑی عاجزی سے درخواست کی کہ رانا جیسا عقل مند اور حسین و جمیل راج کمار مشکل ہی سے ملے گا ، بہتر ہے کہ مومل اسے ہمیشہ کے لئے اپنالے ۔ مومل نے یہ سن کر ناتر کو بڑی حقارت سے دیکھا اور کہنے لگی " گستاخ ! اپنی زبان بند رکھ ۔ میں دنیا کو خود پر ہنسنے کا موقع نہ دوں گی ۔ جا اور اس سے کہہ کہ اگر ایسا ہی عقل مند اور بہادر ہے تو آ کر اپنا نصیب آزمالے" ۔

جب چاروں دوستوں تک مومل کا یہ پیغام پہنچا تو سب سے پہلے همیر کمر بستہ ہوا ، اور ناتر کے ہمراہ چلنے لگا ۔ جیسے ہی باغ کے دروازے سے نکل کر بھول بھلیاں میں قدم رکھا ، ناتر گم ہوگئی ۔ ناتر کے گم ہوتے ہی همیر نے ادھر ادھر بھٹکنا شروع کیا ، طلسمی محل کے مختلف خوفناک مناظر نے اس کا دل ہلادیا ۔ آخرکار وہ بمشکل تمام گرتا پڑتا جائے قیام پر پہنچا ، اور دوستوں سے کہا "اگر میری بات مانو تو مومل کا خیال دل سے نکال دو!" رانا نے جواب دیا "اچھا، آپ نے تو اپنا نصیب آزمالیا ۔ اب ذرا ہم لوگوں کو بھی موقع دیجیے" ۔

دوسری اور تیسری رات ھمیر کے دوسرے دوستوں کا بھی وھی حشر ھوا جو ھمیر کا ھوا تھا ۔ آخر چوتھی رات کو رانا تیار ھوا ۔ طلسمی محل کے اندرونی اور بیرونی مناظر نے اسے بھی بہت زیادہ ڈرایا لیکن وہ دلیر ھمت نہ ھارا۔ جس وقت وہ پر اسرار چشمے کے کنارے پہنچا تو کچھ گھبرا سا گیا ۔ لیکن جلد ھی خود پر قابو پاتے ھوئے اس نے جیب سے ایک چھالی نکالی اور اس کو چشمے کے اندر پھینکا ۔ اس طرح اسے معلوم ھوگیا کہ یہ مصنوعی چشمہ محض ایک فریب ھے ۔ وہ آگے بڑھتا ھوا محل کے خاص دروازے تک پہنچا ۔ مومل بالائی جھروکوں سے سب کچھ دیکھ رھی تھی ۔ فوراً ھی اس نے ایک مخصوص خادمہ کو محل کے دروازے پر رانا کے استقبال کے لیے روانہ کیا ۔ جو اسے دیوان خانے میں لے گئی ، اور بڑے تپاک سے بولی " آپ جب تک اِس جھولے پر آرام فرمائیں ۔ میں اپنی مالکن کو خبر کر آؤں" ۔ ایک ھی قسم کے سات کھٹولے دیکھ کر رانا کو کچھ شک ھوا ۔ سوچنے لگا کہ ھو نہ ھو اس میں بھی کوئی راز ھے۔ اس لیے بیٹھنے سے پہلے کمان کو ھر ایک کھٹولے میں پھنسا پھنسا کر آزمانے لگا۔ پھر نیچے بچھے ھوئے قالین اور غالیچے ھٹا کر ان خوفناک غاروں کو بھی دیکھتا رھا ، جن میں چمکتی ھوئی تیز برچھیاں لگی ھوئی تھیں ، تاکہ جھولے سے گرنے والا زخموں سے چور چور ھوجائے ۔ رانا کو معلوم ھوگیا کہ صرف ساتواں جھولا اس قابل ھے کہ اس میں کوئی خطرہ نہیں ۔ لہذا اچک کر اسی جھولے میں بیٹھ گیا ۔ اور مومل کا انتظار کرنے لگا ۔ جب مومل نے یہ رنگ دیکھا تو مجبوراً ایک باندی کے ذریعے رانا کو یہ پیغام بھیجا کہ " اب مہربانی کرکے اوپر آجاؤ" ۔ رانا جب باندی کے ساتھ بالا خانے پر پہنچا تو دیکھا کہ کتنی ھی حسینائیں ایک جیسے زرق و برق لباس میں بنی ٹھنی صف بہ صف بیٹھی ھوئی ھیں ۔ رانا ان کے حسن و جمال کو دیکھ کر دنگ رہ گیا ۔ سوچنے لگا کہ نہ جانے ان میں مومل کون ھے ۔ وہ ابھی اسی فکر میں کھویا ھوا تھا کہ اسے ایک بھونرا اڑتا ھوا دکھائی دیا ۔ یہ بھونرا مومل کے بالوں کے ارد گرد منڈلا رھا تھا ۔ عقلمند رانا نے جب مومل کا پتہ چلالیا تو بڑی محبت سے اس کی طرف بڑھا ۔ مومل پہلے سے اس کی عقل مندی اور بہادری کی قائل تھی ۔ اس آخری آزمائش نے اس کے دل کو موہ لیا ۔ آگے بڑھ کر بڑے والہانہ انداز سے کہنے لگی "اے بہادر

دلدار! تونے مجھے جیت لیا۔ میرے نزدیک آ تاکہ میں تجھے گلے سے لگا سکوں"۔ رانا کی ساری رات مومل کی ہم آغوشی میں گذری۔ صبح کو وہ اپنے یاروں سے ملنے کے لیے مومل سے رخصت ہونے کو تیار ہوا۔ لیکن مومل اس کی جدائی برداشت کرنے کو تیار نہ ہوئی۔ آخر بمشکل تمام عہد و پیماں اور قول و اقرار کے بعد رانا کو مومل نے الوداع کہا۔

رانا نے اپنے دوستوں کو پورا قصہ سنایا۔ سب نے اس کی خوش نصیبی پر اظہار حیرت کیا۔ همیر کہنے لگا "ہمیں بے حد خوشی ہے کہ تمہیں مومل جیسی یکتائے روزگار حسینہ کا قرب نصیب ہوا۔ میری دلی آرزو ہے کہ ایک مرتبہ میں بھی اسے دیکھ سکوں"۔ رانا نے جواب دیا "مجھے آپ کا حکم بسروچشم منظور لیکن مومل ہرگز ایسی بات ماننے کے لیے تیار نہ ہوگی۔ اگر واقعی آپ کی ایسی خواهش ہے تو بھیس بدل، کر چلیے۔ ممکن ہے کامیابی ہوجائے"۔ همیر کو یہ بات ناگوار ہوئی۔ لیکن سوائے اس کے اور کوئی چارہ کار ہی نہ تھا۔ مجبوراً ایک گوالے کا بھیس بدل کر رانا کے ساتھ ہولیا۔ مومل صبح ہی سے رانا کے انتظار میں بیٹھی ہوئی تھی۔ بڑے خلوص و محبت سے استقبال کے لیے آگے بڑھی۔ لیکن جب رانا کے ساتھ ایک اجنبی کو دیکھا۔ تو تعجب سے پوچھنے لگی "یہ کون ہے؟" رانا نے جواب دیا "یہ میرا ہی آدمی ہے"۔ مومل همیر کی شکل و صورت سے موقع کی نزاکت کو بھانپ گئی۔ کہنے لگی کہ اس سے کہو کہ جاکر میری بھینس کا دودھ دوھے"۔ همیر مومل کا یہ حکم سن کر بڑا سٹ پٹایا۔ لیکن مجبوراً اسے اس کام کے لیے جانا پڑا۔ اول تو اس نے کبھی اس قسم کا کام کیا نہ تھا۔ دوسرے بھینس بھی اتنی شریر قسم کی تھی کہ همیر کو اس پر قابو پانا دشوار ہوگیا۔ بمشکل تمام وہ بھینس کے تھنوں سے تھوڑا بہت دودھ نکالنے میں کامیاب ہوا۔ اسے کچھ ایسا غصہ آیا کہ دودھ کو نوکروں میں تقسیم کر کے بغیر کسی اطلاع دیے محل سے باہر آگیا۔

همیر سومرا کو اپنی بے عزتی پر رانا کانٹے کی طرح کھٹکنے لگا۔ ایک قاصد کو یہ پیغام دے کر بھیجا کہ "تمہارے ساتھی وطن واپس لوٹ رہے ہیں۔ اگر ساتھ چلنا ہو تو آجاؤ۔ ورنہ گھر کے لیے جو سندیسا بھیجنا ہو بھیج دو"۔ رانا نے قاصد کو یہ جواب دے کر واپس کردیا کہ "مومل کی محبت ہی میرے لیے

سب کچھ ہے اور اب یہی میرا وطن ہے"۔ مومل نے جب یہ سنا تو بڑے پیار سے بولی " خواہ مخواہ اپنے ساتھیوں سے برگشتہ ہونا ٹھیک نہیں۔ بہتر تو یہ ہوگا کہ تم خود جاکر ان سے ملو، اور خوشی خوشی الوداع کہو"۔ رانا نے مومل کی یہ بات مان لی لیکن جیسے ہی وہ اپنے دوستوں کے پاس آیا، انہوں نے مل کر ایک اونٹ کی پیٹھ سے جکڑ دیا۔ اور آن کی آن میں امرکوٹ روانہ ہوگئے۔ وہاں پہنچ کر رانا کو نظربند کردیا۔

مومل کی جدائی میں رانا کا برا حال ہوگیا۔ ادھر مومل بھی شب و روز بیچین رہنے لگی۔ آخر چند مصاحبین کے مشورے پر همیر نے رانا کو آزاد کردیا لیکن یہ پابندی عاید کردی کہ وہ اب مومل کی شکل بھی نہ دیکھے گا۔

رانا مومل کے بغیر ماهئ بے آب بنا ہوا تھا۔ جیسے تیسے جدائی کے چند دن گذارنے کے بعد ایک رات وہ اپنے تیز رفتار اونٹ پر سوار ہوا اور اپنی پیاری مومل سے جا ملا۔ ملاقات کا یہ سلسلہ یونہی چوری چھپے جاری تھا، کہ ایک دن صبح جب رانا کاک سے لوٹ کر امرکوٹ گیا تو اتفاقیہ طور پر اس کے کپڑوں میں کاک کی سرخ سرخ مٹی لگی رہ گئی۔ اس کی بیوی نے جب یہ دیکھا تو سمجھی کہ شاید سیر و شکار میں رانا زخمی ہوگیا ہے۔ رانا سے کچھ کہے سنے بغیر اس کی اطلاع همیر کو کردی۔

همیر سومرا نے چھوٹتے ہی کہا "وہ رنگ تو کاک کی مٹی کا ہے"۔ رانا کی وعدہ خلافی پر اسے بہت غصہ آیا۔ اس نے اونٹ کے پیروں میں میخیں ٹھکوادیں اور رانا کو دوبارہ قید و بند میں ڈال دیا۔

رانا کو قید و بند میں دیکھ کر اس کی بہن کو بیحد صدمہ ہوا۔ جب اس کے سرتاج همیر سومرا نے اس کی غمگین صورت دیکھ کر پوچھا، تو اس نے بڑی منت سماجت کرتے ہوئے یہ درخواست کی کہ "جیسے بھی ہو، میرے بھائی کو فوراً آزاد کردو!" همیر نے اپنی چہیتی بیوی کا دل رکھنے کے لیے رانا کو معافی دے دی۔

رانا آزاد ہوکر پھر مومل سے ملنے کے جتن کرنے لگا۔ موقع ملتے ہی جب وہ اپنے پیارے اونٹ کے پاس گیا تو اس کی حالت زار دیکھ کر بے حد رنجیدہ

ہوا۔ لیکن فوراً ہی خیال آیا کہ اسی نسل کا ایک دوسرا اونٹ ہے، جو اسے بآسانی کاک پہنچا دے گا۔

مومل رانا کا انتظار کرتے کرتے کچھ ایسی بیقرار رہنے لگی تھی کہ اسے سانس لینا بھی دوبھر تھا۔ اس کی بڑی بہن سومل نے جب یہ دیکھا کہ مومل دن رات تڑپتے گذارتی ہے تو اس کا دل بہلانے کے لیے وہ رات کو رانا کا بھیس بدل کر ساتھ سونے لگی۔

رانا جب غیر متوقع طور پر رات کو مومل کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ کسی کے ساتھ سوئی ہوئی ہے۔ پہلے تو خیال آیا کہ تلوار کے ایک ہی وار میں دونوں کا کام تمام کردے۔ پھر مومل کی من موہنی صورت دیکھ کر نہ جانے کیا سوچا۔ پلنگ کے قریب نشانی کے طور پر اپنا خوبصورت عصا رکھ دیا اور الٹے پاؤں واپس آگیا۔

صبح کو جب مومل سو کر اٹھی، تو دیکھا کہ رانا کا عصا اس کے پاس رکھا ہوا ہے۔ فوراً خیال آیا کہ 'رات کو رانا میرے پاس آیا ہوگا، لیکن مجھے کسی دوسرے کے ساتھ ہم آغوش دیکھ کر واپس لوٹ گیا ہوگا'۔

مومل نے رانا کی غلط فہمی مٹانے کے لیے کئی قاصد بھیجے اور دوسرے بہت سے جتن کیے، لیکن رانا قابو میں نہ آیا۔ مومل کا جینا محال ہوگیا۔ رات دن وہ اسی فکر میں رہنے لگی کہ کسی طرح رانا کو دوبارہ راضی کرے۔ کئی دن بے قراری میں گذار کر ایک دن اس نے تاجر کا بھیس بدلا اور امر کوٹ کی طرف روانہ ہوگئی۔ وہاں پہنچ کر رانا کے محلات کے سامنے ایک عالیشان کمرہ بنوایا۔ کچھ دن بعد رانا سے ملاقات ہوئی اور راہ و رسم بڑھنے لگی، یہاں تک کہ دونوں ہم نوالہ و ہم پیالہ ہوگئے۔

ایک دن 'چوسر' کھیلتے ہوئے جب مومل نے داؤں پھینکا تو اس کے بازوؤں سے کپڑا کھسک گیا اور رانا نے پہچان لیا کہ یہ مومل ہے۔ ادھر مومل نے جب یہ دیکھا کہ اس کا بھرم کھل گیا ہے، تو رانا کے قدموں پر گر کر اپنی پاک دامنی کا یقین دلانے لگی۔ اور بڑے عجز و انکسار سے کہنے لگی "میرے پیارے! اب روٹھنا چھوڑو۔ میری خطاؤں کو معاف کردو اور مجھے پھر اسی طرح اپنالو!" رانا پر مومل کی اس منت سماجت کا کوئی اثر نہ ہوا۔ وہ بڑی بے اعتنائی

سے اسی بے قراری کے عالم میں اسے چھوڑ کر وہاں سے چلا گیا۔ اور مومل بے حد مایوس ہو کر طلسمی محل کی جانب لوٹ گئی۔

مومل نے ایک بڑی چتا جلوائی۔ اور جب ہر طرف سے شعلے بلند ہونے لگے تو وہ ان شعلوں میں کود پڑی۔ ادھر رانا کو بھی مومل کے اس ارادے کی خبر مل گئی تھی۔ جب وہ افتان و خیزاں کاک پہنچا، تو دیکھا کہ ہر طرف آگ ہی آگ ہے۔ رانا کا دل اس آگ کی طرف کھینچنے لگا اور وہ بھی دہکتے لپکتے ہوئے شعلوں کی بھینٹ چڑھ گیا۔

عمر ماروی۔ عمر سومرو کے زمانے میں (جو ۱۳۵۵ء سے ۱۳۹۰ء تک بتایا جاتا ہے) تھر علاقے میں ملیر ایک سر سبز و شاداب خطہ تھا۔ اِس خطے میں 'پالنے' نام کا ایک دہقان رہتا تھا، جو مارو قوم سے تعلق رکھتا تھا۔ یہ قوم ترکِ وطن کر کے گجرات اور کاٹھیاواڑ کے علاقوں سے یہاں آئی تھی۔ غریب پالنے اور اس کی بیوی 'ماڈوئی' سارا دن محنت و مشقت کرتے، اور جنگل جنگل اپنے پالتو چوپایوں کو چرا پھرا کر روزی حاصل کرتے تھے۔ ان کی گذر اوقات کے لیے جنگلی پھل پھولوں کے علاوہ دو ایک کھیت بھی تھے، جن میں وہ پھوگ نامی ایک ہاری کی شرکت میں کھیتی باڑی کا کام بھی کرتے تھے۔

پالنے کی ایک خوبصورت لڑکی تھی، جس کا نام ماروی تھا۔ ماروی اِس قدر حسین تھی کہ نہ صرف ملیر میں بلکہ قرب و جوار کے علاقوں میں بھی اس کے بے مثال حسن و جمال کا شہرہ تھا۔ اور بیشتر جوان اس کی محبت کا دم بھرتے تھے۔ بچپن ہی سے پھوگ اس کے حسن و جمال کا گرویدہ تھا، اور تہہ دل سے یہ چاہتا تھا کہ کسی طرح اس کو ہمیشہ کے لیے اپنالے۔ جب ماروی جوان ہوئی تو پھوگ نے اس کے والدین سے اپنے رشتے کی بات چیت کی۔ لیکن وہ پہلے ہی اپنے ایک رشتے دار کھیت سے منسوب ہوچکی تھی۔ اس لیے پھوگ کو مایوس ہونا پڑا۔ پھوگ کو اپنی اس ناکامی کا صدمہ تھا، آخر یہی صدمہ جذبۂ انتقام میں بدل گیا، بغض و حسد نے اسے یہ سمجھایا کہ ماروی کو کسی طرح عمر کے پھندے میں پھنسانا چاہیے۔ یہ خیال آتے ہی اُس نے عمر کوٹ کا رخ کیا۔ اور کسی نہ کسی طرح عمر کے دربار میں شرف باریابی حاصل کرلیا۔

پھوگ کی زبانی ماروی کے حسن و جمال کا شہرہ سن کر عمر کچھ ایسا متاثر ہوا کہ ماروی کو اپنی تحویل میں لینے کی تدبیریں سوچنے لگا۔ آخر بھیس بدل کر پھوگ کے ہمراہ ملیر کی طرف روانہ ہوگیا، اور جب منزل بالکل قریب آگئی تو ایک پہاڑی پر ٹھہر گیا۔ یہاں آس نے پھوگ سے مشورہ کیا کہ آخر کس طرح ماروی کو اغوا کیا جائے۔ پہاڑی کے نزدیک ہی چند ایسے کنٹوئیں تھے، جن پر ملیر کی عورتیں اور لڑکیاں منہ اندھیرے ہی پانی بھرنے آیا کرتی تھیں۔ ماروی بھی اکثر اپنی سہیلیوں کے ساتھ پانی بھرنے کے لیے ادھر آیا کرتی تھی۔ حسن اتفاق کہ اس دن اس کی آنکھ بہت جلد کھل گئی، حسب معمول وہ گھڑا لے کر گھر سے نکلی، اس وقت آس پاس اس کی کوئی سہیلی نظر نہیں آئی، بادل نخواستہ وہ تن تنہا ہی گانئو سے باہر پانی بھرنے کے لیے چلی۔ جب کنویں پر آئی تو دیکھا کہ اس کی ایک سہیلی پہلے ہی سے وہاں موجود ہے۔ ماروی ابھی اس سہیلی سے بات چیت ہی کر رہی تھی کہ اس کی نظر ایک طرف سے آتے ہوئے ساربانوں پر پڑی۔ ماروی انہیں دیکھ کر کچھ سہم گئی، چاہتی تھی کہ گھڑا بھر کر جلدی سے گھر کا راستہ لے۔ لیکن اس کی سہیلی نے تسلی دیتے ہوئے کہا "اِن بے چارے مسافروں سے کیا ڈرنا، یہ تو یوں ہی آتے جاتے رہتے ہیں، زیادہ سے زیادہ ہمارے پاس پانی پینے کے لیے آسکتے ہیں!" سہیلی کی اس بات سے ماروی کو کچھ اطمینان ہوا۔

پھوگ نے عمر کو دور ہی سے ماروی کی طرف اشارہ کرکے دکھا دیا تھا۔ قریب آکر جب عمر نے ماروی کو دیکھا تو ہزار جان سے عاشق ہوگیا۔ پانی پینے کے بہانے کنویں کے قریب آیا، جب ماروی اسے پانی پلانے بڑھی تو اس نے فوراً اس کو اپنے مضبوط بازوؤں کی گرفت میں لے لیا، اور جلدی سے اونٹ پر سوار کرکے عمر کوٹ روانہ ہوگیا۔

عمرکوٹ پہنچتے ہی عمر نے ماروی کو اپنے شاہی محل میں نظربند کردیا۔ رات کو جب وہ اس کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ روتے روتے اس نے اپنا عجب حال بنالیا ہے۔ عمر نے بڑے پیار بھرے لہجے میں کہا "اب اس رونے دھونے میں کیا رکھا ہے، تم کو تو اسی محل میں رہنا ہے، میری مہارانی بننا ہے، اور دوسری رانیوں پر حکومت کرنی ہے، میں وعدہ کرتا ہوں کہ ہمیشہ تم کو

سکھ سے رکھوں گا، اور تمھاری ہر خواہش پوری کروں گا"۔ پہلے تو ماروی نے عمر کی کسی بات کا جواب نہ دیا، لیکن جب عمر بار بار انھیں باتوں کو دھراتا رہا تو مجبوراً اس نے کہا "مجھے تجھ سے اور تیرے محل سے کوئی دلچسپی نہیں۔ کھیت سے میرا رشتہ ازل سے ہے، بغیر اس کے میری زندگی بیکار ہے، کیا اچھا ہو کہ تو مجھے پھر ملیر پہنچادے!" عمر یہ سمجھا کہ ماروی دو ایک دن میں خود ھی راہ راست پر آجائے گی، لیکن اس کا یہ خیال بے بنیاد ثابت ہوا۔ ماروی دن رات اپنے پیارے ماروؤں کو یاد کرتی رہتی اور عمر سے اس کی نفرت بڑھتی جاتی۔ عمر روز رات کو اس کے پاس جاتا اور طرح طرح کے سبز باغ دکھا کر اس کو موہ لینا چاہتا، لیکن اس کے دل میں جو غم و غصہ تھا، وہ کسی عنوان کم نہ ہوتا، بلکہ عمر کی خوشامدانہ باتوں سے اور بڑھتا جاتا۔

عمر نے اس کو طرح طرح کی قیمتی پوشاکوں، ھیرے، جواھرات اور شاھانہ عیش و عشرت کا لالچ دے کر مطیع کرنا چاھا لیکن اس نے ھمیشہ یہی کہا کہ "میری یہ پھٹی پرانی لوئی کتنی ھی بوسیدہ کیوں نہ ھو، میں اس پر ان ریشمی اور دمکتی چمکتی پوشاکوں کو ترجیح نہ دوں گی۔ مجھے ان ھیرے جواھرات سے کہیں بہتر اپنے وطن کی خاک ہے۔ تیرے یہاں کے مرغن غذاؤں سے کہیں بہتر تھر کے وہ جنگلی پھل پھول ھیں جو میرے ھموطن بڑے شوق سے کھاتے ھیں۔ اس اونچے محل سے کہیں آرام دہ میرے لیے گھاس پھوس سے بنا ھوا وہ جھونپڑا ہے جہاں میں نے ھوش سنبھالا۔ میرا جینا اور مرنا ماروؤں کے ساتھ ہے"۔

جب عمر نے یہ اندازہ لگایا کہ ماروی خوشامد سے قابو میں نہیں آتی تو قید و بند کا سہارا لیا، ماروی کو محل کے بالاخانے کی زنجیروں سے جکڑ دیا گیا اور طرح طرح کی سختیاں کیں، لیکن ان تمام مشکلات کے باوجود وہ مستقل مزاجی سے اپنے نصب العین پر قائم رھی، اور کسی قیمت پر یہ گوارا نہ کیا کہ اس کی پاکدامنی پر کوئی حرف آئے۔ ماروی قید و بند میں ھی تھی کہ برسات کا موسم آگیا، اور اسے اپنے پیارے وطن کے سرسبز و شاداب مناظر یاد آنے لگے، ماروؤں کی یادوں کے زخم کچھ اور تازہ ھوگئے، نا امیدی اور مہجوری کا احساس کچھ اور بڑھنے لگا۔ آخرکار ایک دن اس نے عمر کو بلوا کر کہا "ممکن ہے کہ ماروؤں اور 'ملیر' کے سوگ میں یونہی تڑپ تڑپ کر جان دے دوں، اس لیے یہ تجھ سے

درخواست کرتی ہوں کہ مرنے کے بعد میری لاش کو ملیر پہنچا دینا، تاکہ میرے پیارے مارو مجھے تھر کی مٹی میں دفن کرسکیں"۔ ماروی یہ کہتے کہتے بیہوش ہوگئی، اور عمر پر دفعتاً کچھ ایسا اثر ہوا کہ حرص و ہوس کی بجائے خداترسی اور ہمدردی کا جذبہ پیدا ہونے لگا۔ فوراً ہی ماروی کو قید و بند سے آزاد کیا اور اپنی بہن کی طرح سمجھنے لگا، اور اس کے ہموطنوں کو یہ پیغام بھیجا کہ وہ آئیں اور بخیر و خوبی نیک سیرت ماروی کو اپنے ساتھ لے جائیں۔ ماروؤں تک جب یہ پیغام پہنچا تو انہوں نے اطمینان کا سانس لیا، لیکن ساتھ ہی یہ شک و شبہہ بھی ہوا کہ ممکن ہے عمر ہمیں فریب دے رہا ہو، اس لیے پہلے ایک شخص کو خیر و خبر لینے کے لیے بھیجا۔ عمرکوٹ پہنچ کر وہ شخص ماروی سے ملا اور اسے ہر طرح سے اطمینان دلایا کہ میں جاتے ہی تیرے رشتے داروں کو اپنے ساتھ لے آؤں گا۔

ماروؤں کو جب یہ معلوم ہوا کہ ماروی بخیریت ہے اور عمر واقعی اس کو واپس کرنے کے لیے تیار ہے تو وہ بہت خوش ہوکر عمرکوٹ کی طرف روانہ ہوئے۔ عمر سے ملے، اس نے ان کا پرتپاک خیرمقدم کیا اور بڑی عزت کے ساتھ ماروی کو ان کے حوالے کیا۔

"تاریخ طاہری" کے مصنف نے لکھا ہے کہ جب ماروی عمر کی قید سے چھوٹ کر ملیر واپس آئی تو اس کا منگیتر کھیت کچھ بدگمان سا رہنے لگا۔ اس بات کا علم نہ جانے کس طرح عمر کو بھی ہوگیا اور اسے یہ خیال آیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میری عدم توجہی سے ماروی کو نقصان پہنچے۔ لہٰذا ایک بڑی فوج لے کر ادھر آیا، اور ملیر کا محاصرہ کرلیا۔ ادھر تمام مارو بھی متحد ہوکر اس کے مقابلے کے لیے صف آرا ہوئے۔ اس موقع پر عمر نے ان سے کہا کہ "کھیت کا یہ طرزِ عمل جو اس نے ماروی کے لیے اختیار کیا ہے، نہ صرف تم لوگوں کی بدنامی کا باعث ہے بلکہ اس سے میری شہرت پر بھی بدنما داغ لگتا ہے"۔ اس موقع پر ماروی سے ضبط نہ ہوسکا، اور وہ عمر کے قریب آ کر بڑے جوشیلے انداز میں کہنے لگی "اے عمر! ہم غریب تیری رعایا میں شامل ہیں، تونے مجھے قریب قریب ایک سال تک اپنے محل میں قید رکھا، ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں میرے پیاروں کو یقینی طور پر بدگمان ہونا تھا، اور اس لحاظ سے ان کی

بدگمانی حق بجانب ہے۔ یہ لوگ تو اب اگر مجھے جان سے بھی ماردیں تو بھی مورد۔ الزام نہ ٹھیرائے جائیں گے"۔ ماروی کی یہ باتیں سن کر عمر اپنے کیے پر پشیمان ہوا، اور فوج کو واپسی کا حکم دے دیا، پھر کھیت کو اپنے پاس بلایا اور بڑے ہمدردانہ انداز میں کہا " قسم کھاکر کہتا ہوں کہ میں نے ماروی کی عفت و عصمت کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا ہے، وہ بالکل پاک ہے اور اس سلسلے میں ہندو دھرم کے مطابق جو آزمائش بھی تمہیں کرنی ہو، میں اس کے لیے تیار ہوں"۔ عمر کی یہ بات سن کر ماروی بیچ میں بول اٹھی " آزمائش تو میری ہونی چاہیے، تمھاری آزمائش سے اب ہمیں کیاسروکار"۔ آخرکار یہ طے کیا گیا کہ دھکتی آگ میں لوھے کی ایک موٹی سلاخ کو انگارے کی طرح سرخ کیا جائے اور پھر ماروی اس شعلہ فشاں سلاخ کو اپنے ہاتھوں سے اٹھائے۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ ماروی نے جب سلاخ کو ہاتھوں میں رکھا تو اسے کسی قسم کا نقصان نہ پہنچا۔ یہ دیکھ کر سب کو یہ یقین ہوگیا کہ ماروی پاکدامن ہے۔ عمر پر اس وقت کچھ ایسا اثر ہوا کہ وہ بھی دھکتی آگ کی طرف لپکا، تاکہ اپنی راست بازی کا ثبوت دے، وہ بھی شعلوں کی بیچ میں سے بے خوف و خطر گذر گیا۔

سوہنی مہوال۔ سلاطین مغلیہ کے زمانے میں سر زمین پنجاب کے ایک شہر گجرات میں تلا" نامی ایک مشہور و معروف کمہار رہتا تھا، جو برتن سازی کے فن میں اپنی مثال آپ تھا۔ خود بادشاہ اور اس کے امراء بھی حسب۔ ضرورت اس کے بنائے ہوئے خوبصورت برتن خریدا کرتے تھے۔ اس کمہار کی ایک لڑکی تھی جس کی پیدائش شب۔ قدر کی متبرک رات میں ہوئی تھی۔ اوائل۔ عمر ھی میں یہ لڑکی اپنے حسن و جمال میں یکتائے روزگار تھی، اور اسی لیے اسے سوھنی کہا جانے لگا، جب یہ لڑکی چودہ سال کی ہوئی تو وہ چودھویں کے چاند کو بھی شرمانے لگی۔

اسی زمانے میں بخارا میں ایک بڑا تاجر رہتا تھا، جس کا نام میرزا عالی تھا۔ عالی کی دیانتداری اور سخاوت کا شہرہ دور دور تھا۔ دنیا کا ہر عیش اسے میسّر تھا، لیکن کوئی اولاد نہ ہونے کی وجہ سے وہ کچھ مغموم رہا کرتا تھا۔

ایک دن اُسے معلوم ہوا کہ کوئی اجنبی درویش اس کے شہر میں آیا ہے۔ عالی اس کی قدم بوسی کے لیے گیا۔ اور اپنی دلی خواہش کا اظہار کیا۔ درویش نے دعا دیتے ہوئے کہا کہ "تیرے دل کی مراد پوری ہوگی، خدا تجھے نرینہ اولاد سے نوازے گا۔ لیکن سولہ سال کی عمر میں وہ تجھے داغِ مفارقت دے جائے گا"۔

دس ماہ بعد میرزا عالی کے یہاں لڑکا پیدا ہوا۔ کہتے ہیں کہ اس کی ولادت بھی شبِ قدر میں ہوئی۔ اِس موقعے پر اپنے نور نظر کی خوشی میں عالی نے شاندار جشن منایا۔ اور اس مولود کا نام عزت بیگ رکھا۔ بڑے ہی لاڈ پیار سے اس کو پالا پوسا گیا۔ اور یہ کوشش کی گئی کہ جیسے بھی ممکن ہو اسے ہمیشہ اپنی آنکھوں کے سامنے رکھا جائے۔ جب عزت بیگ نے ہوش سنبھالا اور رفتہ رفتہ نوجوانی کی منزلوں میں قدم رکھا تو ہندوستان کی سیر و سیاحت کا شوق پیدا ہوا۔ باپ نے لاکھ کوشش کی کہ اس کا چہیتا بیٹا اِس ارادے سے باز آجائے۔ لیکن بیٹے کو کچھ ایسی دھُن سمائی کہ کسی عنوان اپنی ضد سے نہ ہٹا۔ آخر کار عالی نے اسبابِ سفر اور ملازم و سپاہی اس کے ساتھ کیے۔ اور ہندوستان جانے کی اجازت دے دی۔

عزت بیگ ہندوستان میں داخل ہوا۔ اور دوسرے مقامات میں گھومتا پھرتا دھلی پہنچا۔ کچھ دن دھلی میں بڑی شان و شوکت سے گذرے۔ پھر لاھور کا رخ کیا۔ بہت سے قیمتی تحفے تحائف خریدے۔ اور گھر واپس لوٹنے کا انتظام کرنے لگا۔ جب گجرات شہر کے نزدیک پہنچا جو راوی اور چناب کے درمیان روح پرور وادی میں بسا ہوا تھا تو اس کی رونق سے لطف اندوز ہونے کا خیال پیدا ہوا۔ گجرات میں داخل ہونے کے بعد شہر کے بہت سے معزز لوگوں سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ ایک دن اپنی قیام گاہ پر گانے بجانے کی مجلس کا انتظام کیا۔ باھمی گفتگو میں اتفاق سے تلاّ کمہار کے برتنوں کا بھی ذکر نکلا۔ عزت بیگ کو یہ شوق پیدا ھوا کہ کیوں نہ کچھ اچھے برتن خرید کر اپنے وطن لے چلے۔ چنانچہ اپنے نوکر کو کچھ اچھے برتن خریدنے اس کے یہاں بھیجا۔ برتن خریدتے وقت نوکر کی نظر تلاّ کی حسین و جمیل بیٹی سوھنی پر پڑی۔ وہ اس کا حسن و جمال دیکھ کر حیران رہ گیا۔ جب واپس آیا، تو اپنے آقا کو اس کا حال بتایا، جو سنتے ہی اُس کے دیکھنے کے لیے بیچین ہو گیا۔

برتن خریدنے کے بہانے عزت بیگ تلاّ کے ہاں پہنچا، اور جیسے ہی سوھنی کو اس نے دیکھا تہ دل سے عاشق ہوگیا۔

عزت بیگ نے وطن جانے کا خیال ترک کردیا، اور شہر میں ایک دکان لے کر تلاّ کے بنائے ہوئے برتنوں کی تجارت شروع کی۔ وہ ہر روز برتن خریدنے کے بہانے تلاّ کے ہاں جاتا اور اپنی محبوبہ کو ایک نظر دیکھ کر نئے برتن لیے ہوئے واپس چلا آتا۔ سوھنی کے حسن و جمال نے اسے کچھ اس قدر بیخود کردیا تھا کہ وہ برتنوں کو انتہائی کم قیمت پر فروخت کردیتا، تاکہ اس کے اس روزمرہ کے معمول میں فرق نہ آنے پائے۔ رفتہ رفتہ وہ جو مال و متاع اپنے ساتھ لایا تھا دن بدن کم ہوتا چلا گیا، اور اس کے نوکروں میں طرح طرح کی چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔

ایک رات باقی ماندہ مال و اسباب سمیٹ کر اس کے تمام نوکر غائب ہوگئے، اور صبح کو جب اس کی آنکھ کھلی تو خود کو انتہائی کس مپرسی کے عالم میں پایا۔ پھر بھی اس نے ہمت نہ ہاری، اور حسب معمول تلاّ کے یہاں سے قرض پر برتنوں کی خریداری جاری رکھی، لیکن یہ گھاٹے کا سودا آخر کب تک چلتا، قرض کی رقم بڑھتی رہی، اور تلاّ نے واجب الادا رقم کا مطالبہ کردیا۔ عزت بیگ نے اسے بتایا کہ میرے نوکر مجھے دھوکا دے کر غائب ہوگئے ہیں، بیشک میں تمہارا مقروض ہوں، لیکن اِس قرض کے اتارنے کی میرے پاس سوائے اِس کے کوئی اور سبیل نہیں کہ میں تمہارے یہاں ملازمت کرلوں۔ تلاّ نے اس کی یہ بات مان لی، اور اپنے ہاں ملازم رکھ لیا۔ ہر روز گھر میں جھاڑو دینا، جھوٹے برتنوں کو صاف کرنا، اور دریا سے چکنی مٹی لانا، یہ تھے اُس کے فرائض، جن کو وہ بڑی خوشی اور خوش اسلوبی سے انجام دیتا تھا۔

ناز و نعم میں پلے ہوئے عزت بیگ کے لیے ایک حقیر ملازم کی طرح ان کاموں کو نبھانا بڑا کٹھن کام تھا۔ لیکن اپنی محبوبہ کے عشق میں وہ سب کچھ بھول گیا تھا۔ اسے اکثر یہ خطرہ رہتا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میرا آقا مجھے کاھل سمجھ کر نوکری سے جواب دے دے، اس لیے وہ اپنے فرائض کو بڑی جانفشانی سے پورا کرنے کی کوشش کرتا۔ تلاّ اکثر اس کو دیکھ کر مسکرا دیتا تھا۔

کچھ دنوں کے بعد اس نے بطور ہمدردی عزت بیگ کو ان کاموں سے ہٹا کر اپنی بھینسیں چرانے کا کام سونپ دیا۔ اب وہ روزانہ بھینسوں کو لے کر دریا کے پار جاتا، اور شام کو واپس آتا۔ اسی وجہ سے اس کا نام "میہار" (مہیوال) پڑ گیا۔ ایک دن شام کو جب وہ بھینسوں کا دودھ نکالنے میں مصروف تھا، سوہنی کسی کام سے ادھر آئی، اور یہ دیکھ کر کہ میہار دودھ نکال رہا ہے، کچا دودھ پینے کی فرمائش کی۔ میہار نے بصد شوق اس کی یہ فرمائش پوری کی۔ اس وقت اس کے دل کا عالم کچھ عجب سا تھا، ہزار ضبط کرنے کے باوجود وہ اپنے دل کی بات زبان پر لے آیا۔ ادھر سوہنی بھی اس کی دل آویز شکل و صورت سے متاثر تھی۔ دونوں میں محبت کے دلی عہد و پیمان ہوگئے۔ اب سوہنی بلا ناغہ صبح شام کسی نہ کسی بہانے سے وہاں آنے لگی۔ جب تک وہ میہار کو دیکھ نہ لیتی اسے کسی طرح چین نہ آتا تھا۔

مثل مشہور ہے کہ عشق اور مشک سات پردوں میں بھی نہیں چھپتے۔ رفتہ رفتہ لوگوں میں یہ بات پھیل گئی، اور طرح طرح کی چہ میگوئیاں ہونے لگیں، یہاں تک کہ سوہنی کی ماں کو بھی معلوم ہوگیا۔ اس نے بیٹی کو بہت سمجھایا بجھایا لیکن وہ باز نہ آئی، مجبوراً تلا کو خبردار کیا، اور اس نے مجبوراً میہار کو نوکری سے الگ کردیا۔ طعن و طنز سے بچنے کے لیے، اور بدنامی کے خطرے کو ٹالنے کی غرض سے گھر والوں نے جبراً و قہراً سوہنی کی شادی ڈم کے ساتھ کردی، جو سوہنی کے قریبی رشتےداروں میں سے تھا۔

جب سوہنی دلہن بن کر ڈم کے گھر گئی تو اس نے بچشم نم نہایت عجز و انکسار سے یہ دعا مانگی کہ "اے پردہ پوش! کوئی ایسا سبب پیدا کر کہ میں اپنے عہد وفا پر قائم رہ سکوں"۔ بارگاہِ ایزدی میں اس کی یہ دعا قبول ہوگئی۔ ڈم رات کو ایسے گھوڑے بیچ کر سوتا کہ سوہنی کا خیال بھی نہ رہتا۔ پاکدامن سوہنی ہردم میہار کی یاد میں بیچین رہتی، اکثر دریا کے کنارے جاکر آنے جانے والوں سے اس کا پتا پوچھتی، لیکن کوئی ایسا نہ ملتا جو اس کے میہار کا سراغ لگانے میں اس کی مدد کرتا۔ اِدھر میہار کو بھی جدائی کا غم کھائے جارہا تھا۔ کچھ دن تو وہ فقیرانہ لباس میں شہر کے آس پاس پھرتا رہا، پھر ایک دن پتا لگاتے لگاتے سوہنی کے دروازے پر پہنچا، اور صدا

لگائی - سوھنی اس کی آواز کو پہچان گئی، اور بھیک لے کر دروازے پر آئی۔ اپنی مجبور زندگی کا سارا حال اسے بتایا، ساتھ ھی یہ کہہ کر اسے تسکین دی کہ بہت جلد ھم ایک دوسرے سے ملیں گے، اور پھر ھمیں کوئی جدا نہ کرسکے گا۔

سوھنی کی بات سن کر میہار کو بہت کچھ سکون ھوا، لیکن جیسے ھی وہ اس کے دروازے سے پلٹا، نہ جانے کیوں طرح طرح کی نا امیدیوں کا شکار ھوگیا۔ عاجز آکر سودائی کی طرح بیاباں در بیاباں گھومتا رھا۔ آخر جھنگ کے نزدیک ایک پہاڑی پر پہنچا جہاں ایک پرانا غار تھا۔ غار کے باھر بیٹھ کر سادھوؤں کی طرح اس نے بھی دھونی رمائی۔ اس غار میں جو مہنت رھتا تھا، جب وہ باھر آیا تو اس اجنبی کو دیکھ کر بولا "اگر تم جوگی ھو تو اندر آجاؤ"۔ میہار نے جواب دیا "میں جوگی تو نہیں ھوں، لیکن اب خواھش ضرور ھے کہ جوگی بن جاؤں"۔ مہنت اس کی پیاری شکل و صورت دیکھ کر بہت متاثر ھوا اور اسے اپنا چیلا بنا لیا۔

میہار نے اپنے گرو کی اتنی خدمت کی کہ خوش ھو کر اس نے یہ دعا دی کہ "تیرے دل کی مراد بر آئے گی"۔ تھوڑے دنوں کے بعد مہنت کی اجازت لے کر میہار پھر گجرات کی طرف لوٹ آیا، چناب ندی کے ایک کنارے پر سوھنی کا گھر تھا اور دوسرے کنارے پر میہار دھونی رمائے بیٹھا تھا۔ اس کی پاکیزہ شکل و صورت اور نیک سیرتی نے آس پاس کے ملاحوں اور گوالوں کو اتنا گرویدہ بنا لیا کہ وہ اکثر اس کے پاس آکر بیٹھتے، اور اپنے ساتھ مکھن اور مچھلی وغیرہ تحفے کے طور پر لاتے تھے۔ تھوڑے ھی دنوں میں نووارد سنیاسی کا نام دور دور تک پھیل گیا، اور لوگ اس کو دیکھنے کے لیے جوق در جوق آنے لگے۔ سوھنی کو جب یہ معلوم ھوا تو یہ خیال آیا کہ ھو نہ ھو یہ میرا پیارا میہار ھے، جو جوگی کے روپ میں آیا ھے۔ اپنی نند کی منت سماجت کرکے اس نے جوگی کو دیکھنے کی اجازت حاصل کرلی۔ دونوں ایک بار پھر ملے اور رازدانہ طور پر طے کیا کہ ھماری ملاقات ھر روز ندی کے اس پار ھوا کرے گی۔

میہار رات کے وقت ندی کو پار کرتا، اور سوھنی پہلے ھی سے وھاں موجود ھوتی۔ میہار ھمیشہ اپنے ساتھ پکی ھوئی مچھلی بھی لاتا، دونوں بڑے

شوق سے کھاتے اور پو پھٹنے سے پہلے ھی اپنی اپنی جگہوں پر واپس لوٹ جاتے۔

ایک دن میہار کو طوفان کی وجہ سے ملاحوں سے مچھلی نہ ملی، سوچا کہ خالی ھاتھ جانا ٹھیک نہیں۔ یہ خیال آتے ھی اپنی ران کو چیر کر گوشت کا ایک ٹکڑا کاٹا، پکایا، اور اپنی محبوبہ کے لیے حسب معمول تحفہ لے گیا۔ جب وہ اس پار پہنچا تو کافی مضمحل ھو چکا تھا۔ سوھنی اس کا یہ حال دیکھ کر پریشان ھوئی، اور جب میہار نے اسے یہ سرگذشت سنائی تو سوھنی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی اور کہا "تم اپنا فرض ادا کر چکے ھو، اب میری باری ھے"۔

اگلی رات اس نے میہار کا بڑا انتظار کیا، لیکن وہ نہ آیا۔ سوچا کہ شاید زخم کی تکلیف نے اسے بیحال کردیا ھے۔ انتہائی کرب اور بیچینی کے عالم میں وہ کہیں سے ایک گھڑا لائی، اور اس کے سہارے ندی کو پار کیا۔ جب میہار نے اس کو اپنے پاس دیکھا تو باغ باغ ھوگیا، لیکن اس کی حالت ایک پاشکستہ راھی جیسی ھوگئی تھی، اِس لیے اس نے مجبوراً یہی فیصلہ کیا کہ فی‌الحال سوھنی واپس چلی جائے۔

سوھنی ھر روز رات کو بن ٹھن کر دریا پر آتی اور بغیر کسی خوف و ھراس کے گھڑے کی مدد سے اسے عبور کرتی۔ میہار کی دھونی کی روشنی اس کے لیے چراغ راہ کا کام دیتی۔ جب وہ میہار کے پاس سے واپس آتی تو گھڑے کو کہیں چھپا دیتی تاکہ کسی دوسرے کو اس کا علم نہ ھونے پائے۔

ایک رات سوھنی کی نند آھٹ پاکر جاگ گئی، اس نے سوھنی کو گھر سے جاتے ھوے دیکھا تو چپ چاپ خود بھی اس کے پیچھے لگ گئی، اور اس طرح ساری حقیقت سے واقف ھوگئی۔ صبح اپنے بھائی سے رات کا ماجرا بیان کیا، سوھنی کو لاکھ ڈرایا دھمکایا، طرح طرح کی سختیاں کیں، لیکن اس نے اپنے معمول میں فرق نہ آنے دیا۔ آخرکار جب گھر والوں نے دیکھا کہ سوھنی کسی طرح باز نہیں آتی تو یہ طے کیا کہ ایسی عورت کو عبرتناک سزا دینی چاھیے۔

سوھنی جہاں گھڑا چھپایا کرتی تھی، اس کی نند نے وہ جگہ دیکھ لی تھی۔ ایک دن اس نے وھاں جاکر پکے گھڑے کے بجائے ایک کچا گھڑا رکھ دیا، جو رنگ و روغن میں پکے گھڑے ھی کی طرح تھا۔ اس دن کی رات

ایک طوفانی رات تھی۔ آسمان پر کالے کالے بادل چھائے ہوئے تھے۔ ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ طوفان کی وجہ سے دریا کی خوفناک لہریں مست کالے ناگ کی طرح بل کھا رہی تھیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے موسلا دھار بارش ہونے لگی، بجلی کی کڑک چمک، اور بادلوں کی گھن گرج، عجیب خوفناک سماں تھا، جیسے قدرت سوھنی کو یہ تنبیہہ کر رہی ہو کہ آج کی رات دریا میں داخل ہونے کا خیال ترک کردے۔ اِدھر سوھنی کے دل میں بھی اس بھیانک منظر کو دیکھ دیکھ کر مختلف قسم کے خیال آرہے تھے، لیکن وہ اپنی دھن کی پکی تھی، اِس لیے جی کڑا کر کے حسب معمول گھڑا لے کر دریا میں داخل ہوئی۔ جب بیچ بھنور میں پہنچی تو گھڑا ساتھ چھوڑ چکا تھا، پھر بھی اس نے ہمت نہ ہاری، کچھ دیر بازوؤں اور پیروں کی مدد سے تیرنے کی کوشش کرتی رہی، لیکن جب یہ دیکھا کہ پیر اور ہاتھ جواب دے چکے ہیں، اور وہ عنقریب ڈوبنے والی ہے، تو زور زور سے میہار کو آوازیں دینے لگی۔ میہار دیر سے اس کی آمد کا منتظر تھا، جب اسے یہ معلوم ہوا کہ سوھنی ایسی جان لیوا مصیبت میں گرفتار ہے، تو بےچین ہوکر آس پاس کے ملاحوں کی منت سماجت کرنے لگا، لیکن خوفناک طوفان کو دیکھتے ہوئے کوئی بھی سوھنی کو بچانے کے لیے تیار نہ ہوا۔ اُدھر اس کی اپنی حالت زخمی ران کی وجہ سے کچھ ایسی نازک تھی کہ چلنا پھرنا دوبھر تھا، مجبوراً ہر طرف سے مایوس ہوکر خود کو بھی دریا کی بپھری ہوئی لہروں کے حوالے کر دیا۔ خدا جانے کس طرح وہ ہاتھ پانو مارتا ہوا سوھنی کے نزدیک پہنچ گیا۔ ڈوبنے سے پہلے دونوں ایک دوسرے سے ہمیشہ کے لیے بغل گیر ہوگئے، اور چند لمحوں کے بعد طوفانی لہروں نے انھیں موت سے ہم آغوش کردیا۔

رسالے کے مختلف سروں پر ایک نظر

سر کلیان۔ 'کلیان' ایک راگنی کا نام ہے، جو عام طور پر سورج غروب ہونے کے بعد گائی جاتی ہے۔ معنوی اعتبار سے اسے سکھ اور خیر کا وسیلہ سمجھا جاتا ہے۔ جدید موسیقار اس کو "کلیان ٹھاٹھ" بھی کہتے ہیں۔ اس ٹھاٹھ (Head) میں جو راگ اور راگنیاں شامل ہیں، ان کے نام یہ ہیں:

ایمن کلیان، شدہ کلیان، بھوپ کلیان، ھمیر، کیدارا، چھابانٹ کامود، شام کلیان، ساونی کلیان اور جیت کلیان وغیرہ۔

اس سر میں شاہ نے خداوند تعالیٰ کی وحدانیت اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے رموز و نکات بیان کیے ھیں۔ اس سر کی بنیادی خصوصیات "وحدت الوجود" اور "وحدت الشہود" یا "ھم اوست" اور "ھم از اوست" کی مظہر ھیں۔

سر یمن کلیان۔ 'یمن' کے لغوی معنی ھیں دل کو قابو میں رکھنا۔ عام طور پر اس راگنی کو 'ایمن کلیان' کہا جاتا ھے، جو بنیادی طور پر کلیان ٹھاٹھ سے تعلق رکھتی ھے اور اکثر رات کے وقت گائی جاتی ھے۔

اس سر میں شاہ نے عام فہم تشبیہات و استعارات کے ذریعے بڑے موثر اور محاکاتی انداز میں جذب و شوق کے ان مرحلوں کا ذکر کیا ھے، جن سے ایک طالب حقیقی کو گذرنا پڑتا ھے۔ راہِ طلب کی ایذا پسندی اس سر کی بنیادی خصوصیت ھے۔ شاہ اس ایذا پسندی کو نہ صرف عرفانِ نفس کا ذریعہ سمجھتے ھیں بلکہ محبوب حقیقی کو پالینے کا وسیلہ خیال کرتے ھیں۔ زندگی کی عملی دشواریاں ان کے نزدیک وہ آزمائشیں ھیں جن سے دوچار ھونے کے بعد انسان میں عشق کا حقیقی سوز و گداز پیدا ھوتا ھے۔

سر کھنبھات۔ گجرات میں خلیج کھنبھات کے نزدیک کھنبھات نامی ایک شہر ھے۔ یہ راگنی وھیں کے کسی موسیقار کی ترتیب دی ھوئی ھے۔ اس کو "کھماچ" بھی کہتے ھیں۔ یہ عام طور پر رات کا ایک پہر گذرنے کے بعد گائی جاتی ھے۔

اس سر کے بیت غالباً شاہ کے عہدِ جوانی کی تخلیق ھیں، جب ان پر عشق مجازی کا غلبہ تھا۔ چاند اور چاندنی راتوں کا پرکیف سماں اس سر کی بنیادی خصوصیات ھیں۔

اس سر میں شاہ نے اس والہانہ عقیدت و محبت کا بھی اظہار کیا ھے، جو آپ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تھی۔ اس سلسلے میں شاہ نے چاند کو ایک قاصد مانا ھے جو ان کے دل کی باتیں مدینہ طیبہ میں جاکر بیان کرے۔ اور اس طرح انھیں بھی روضۂ اقدس پر شرف باریابی حاصل ھو۔

سر سورٹھ۔ یہ کھماج ٹھاٹھ کا ایک مشہور راگ ہے۔ کہا جاتا ہے کہ کاٹھیاواڑ کے علاقہ سوراشٹر میں اس کی ابتدا ہوئی۔ اس لیے اس کو سورٹھ کا نام دیا جاتا ہے۔ سوراشٹر نام کا ایک راگ بھیروں ٹھاٹھ میں بھی شمار ہوتا ہے۔

اس سر میں شاہ نے رائے ڈیاچ کی موسیقی نوازی اور بیجل جیسے لافانی موسیقار کی 'جاں طلبی' کا ذکر کیا ہے۔ مفصل طور پر اس عجیب و غریب واقعے کا ذکر پہلے کیا جاچکا ہے۔

روحانی طور پر اس سر میں شاہ نے رموز و نکات بیان کیے ہیں۔ ان کا تعلق جذب و شوق کی ایک ایسی وجدانی کیفیت سے ہے جس کی طرف مولانا رومی نے اس طرح اشارہ کیا ہے:

نیم جاں بستاند و صد جاں دھد
آنچہ در وھمت نیاید آں دھد

سر آسا۔ ایک راگنی کا نام ہے۔ اس سر میں شاہ نے حرص و ھوا سے بچنے اور نفس کو قابو میں رکھنے کی تلقین کی ہے۔ شاہ انسان کو ایسی امیدوں، آرزوؤں اور امنگوں کی تلقین کرتے ہیں، جو با مقصد اور با اصول زندگی گذارنے کے لیے کی جائیں۔ رموز و کنایات اور شاعرانہ اشارات کی مدد سے شاہ نے انسانی قلب و نظر کو اعلیٰ نصب العین کی طرف رجوع ہونے کی دعوت دی ہے۔

سر پربھاتی۔ پربھاتی ایک مشہور راگنی ہے، جو صبح کے وقت گائی جاتی ہے۔ اس سر میں شاہ نے لس بیلا کے ایک سخی حاکم سپڑ کی تعریف کی ہے۔ یہ حاکم شاہ کے زمانے میں نہ تھا۔ بلکہ شاہ نے اس کے اوصاف حمیدہ کا شہرہ سنا تھا۔ شاید اس لیے انہوں نے معنوی طور پر اس سر میں ان خوبیوں کا ذکر کیا ہے، جو ایک نیک دل انسان کو حیات جاوداں بخشتی ہیں۔

سُر رامکلی۔ اس نام کی کوئی راگنی موسیقی میں نہیں ہے۔ اس سر میں شاہ آن جوگیوں کا ذکر کرتے ہیں جن کے ساتھ موصوف کو بھی کچھ دن رہنے کا اتفاق ہوا تھا۔ شاہ نے ان جوگیوں کی جیتی جاگتی تصویریں اس سر میں پیش کی ہیں۔ وہ تعلق خاطر جو شاہ کو ان سنیاسیوں اور آدیسیوں سے رہا تھا، اس کا ذکر انہوں نے مختلف طریقوں سے کیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ شاہ

نے قریب قریب بارہ ماہ ان کے ساتھ گذارے، پہاڑ کے غاروں میں گذر بسر کرتے تھے جہاں عارضی طور پر وہ پوربی جوگی قیام پذیر تھے۔

سر کھاھوڑی. اس نام کی کوئی راگنی نہیں۔ یہ نام مضمون کی مطابقت سے دیا گیا ہے۔ اس سر میں شاہ نے سیلانی بن باسیوں، سادھوؤں، جوگیوں اور کوھستانوں میں زندگی بسر کرنے والے بیراگیوں کی مختلف صفات بیان کی ھیں۔ دراصل کھاھوڑی ان بلند حوصلہ اور مستقل مزاج جوگیوں کو کہا جاتا ہے، جو پہاڑی علاقوں اور گھنے جنگلوں میں بین بجاکر کالے ناگوں کو قبضے میں کرتے ھیں۔

سر پورب. اس نام کی کوئی راگنی موسیقی میں نہیں ہے۔ شاہ نے اس سر میں ھندی شاعری اور سندھ کے دیہی رسم و رواج کے مطابق کوّے کو ایک قاصد کے رنگ میں پیش کیا ہے۔ اس سر کی پہلی داستان میں کاگا یا کوّے کا بار بار ذکر آیا ہے، دوسری داستان میں آن پوربی جوگیوں کا ذکر ہے جن سے شاہ کی راہ و رسم رھی۔ معنوی طور پر یہ دوسری داستان یعنی سر رام کلی ھی کا ایک جزو معلوم ھوتی ہے۔

سر بلاول. موسیقی کی جدید تقسیم کے لحاظ سے اس کو بلاول ٹھاٹھ کہتے ھیں۔ اس ٹھاٹھ میں بہت سے راگ راگنیاں شامل ھیں۔ بلاول کلیان ٹھاٹھ کا ایک راگ بھی ہے۔

اس سر کی پہلی تین داستانوں میں شاہ نے سمہ سردار جام جکھرو کے جود و سخا اور دلیری کی تعریف کی ہے۔ باقی ماندہ چار داستانوں میں شاہ نے اپنے ایک عقیدت مند کے کردار کی چند جھلکیاں بڑے دلچسپ انداز میں پیش کی ھیں۔ ان جھلکیوں کی نمایاں خصوصیت وہ ظرافت ہے، جو طنز و مزاح کا خوش گوار امتزاج رکھتی ہے۔

سر سارنگ. "سارنگ" ایک راگ ہے جو برسات کے موسم میں گایا جاتا ہے۔ عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ اگر اس کو اصلی تال و سر میں گایا جائے تو بارش ھونے لگتی ہے۔ موسیقی کے راگ راگنیوں کی جدید تقسیم کی رو سے اسے کافی ٹھاٹھ سے وابستہ کیا جاتا ہے۔

اس سر میں شاہ نے برسات کے موسم کی رنگارنگیوں کا ذکر بڑے فنکارانہ انداز میں کیا ھے۔ سندھ کے لیے برسات کا ھونا واقعی بہت اہم ھے۔ شاہ نے اس اھمیت کو مد نظر رکھتے ھوئے بارش سے پہلے عام کسانوں کی حالت کا عکس پیش کیا ھے۔ اس سے بخوبی یہ اندازہ ھوسکتا ھے کہ شاہ کو سندھ کی دیہی زندگی اور سادہ و رنگین مناظر فطرت سے کتنا لگاؤ تھا۔ اس سر میں وہ ایسی پرکیف امنگوں اور آرزوؤں کا ذکر کرتے ھیں جو خاص طور پر موسم برشگال سے منسوب ھیں۔

سر سری راگ. یہ ایک پوربی ٹھاٹھ کی راگنی ھے، اس کو سراگ بھی کہتے ھیں. اِس کے گانے جانے کا وقت شام کو ۴ بجے سے ۸ بجے تک بتایا جاتا ھے۔

اس سر میں شاہ نے بحری مسافروں، ملاحوں اور کشتیوں وغیرہ کا ذکر کیا ھے۔ اِس دنیا کو وہ ایک متلاطم بحر اور انسانی زندگی کو کشتی تصور کرتے ھیں۔ جس طرح بحری مسافروں کو طرح طرح کے طوفانی خطرات کا مقابلہ کرنا پڑتا ھے، اِسی طرح انسان کے لیے بھی قدم قدم پر مصیبتوں کا سامنا ھے۔ ایک عمدہ، مضبوط، صاف ستھری اور حفاظتی انتظامات رکھنے والی کشتی بہت سے خطرات سے دوچار ھونے کے باوجود پار اتر جاتی ھے، بشرطیکہ ملاح دوراندیش اور ماہر ھو۔ ٹھیک اِسی طرح اگر کسی انسان کی زندگی صدق و صفا کی آئینہ دار ھو اور کسی خدا رسیدہ ھستی کو اپنا ناخدا بنالے تو جہد للبقا کی منزلیں اس کے لیے آسان ھوجاتی ھیں۔

سر ساموںڈی. اس نام کی کوئی راگنی نہیں ھے۔ صرف سمندری موضوعات کی مناسبت سے اس کو یہ نام دیا گیا ھے۔

اس سر میں شاہ نے ان بنجاروں اور بحری تاجروں کی زندگی کا عکس پیش کیا ھے جو بہت سے خطرات کے باوجود دور دراز بحری سفر اختیار کرتے ھیں۔ ان کے گھر کی عورتیں اور محبوبائیں طرح طرح کی منت سماجت کرتی ھیں، چاھتی ھیں کہ جدائی کے صدمے نہ برداشت کرنے پڑیں اور ان کے سرتاج ھمیشہ ان کے پاس ھی رھیں۔ لیکن جب وہ اپنی مرضی سے سفر پر روانہ ھوجاتے ھیں، تو ان عورتوں کے نرم و نازک دلوں میں مختلف قسم کے خیالات آتے رھتے ھیں۔ ھجر

و وصال کے درمیانی وقفے میں صنف نازک کے احساسات و جذبات کی عکاسی شاہ نے جس عمیق مشاہدے کے ساتھ کی ہے، اس نے اس سر کی قدر و قیمت کو بہت زیادہ بڑھا دیا ہے۔

سر کاموڈ۔ ایک مشہور راگنی کا نام ہے۔ اس کا تعلق دیپک راگ سے بتایا جاتا ہے۔ اس سر میں شاہ نے نوری اور جام تماچی کے تعلق خاطر کو واضح کیا ہے۔ تمثیلی طور پر نوری کو 'مطلوب' اور جام تماچی کو 'طالب' تسلیم کیا ہے۔ لیکن طالب و مطلوب کے اس رشتے کو شاہ نے کچھ اس طرح پیش کیا ہے کہ جیسے مطلوب وہ عاجز و ناچیز انسان ہو جسے خود شناسی کا ادراک کامل حاصل ہو۔ اور طالب وہ خالق حقیقی جو بہت سی خوبیوں کو دیکھتے ہوئے 'مخلوق' کی ان خامیوں کو نظر انداز کردے جو اس کی سرشت میں موجود ہیں۔

سر سسی آبری۔ اس نام کی کوئی بھی راگنی بر صغیر کی موسیقی میں نہیں ہے۔ یہ نام صرف موضوع کی مناسبت سے دیا گیا ہے۔

اِس سر میں شاہ نے اُس عشقیہ داستان کے رموز و نکات بیان کیے ہیں جو سر زمینِ سندھ کے مشہور و معروف قصے "سسی پنہوں" سے تعلق رکھتے ہیں، ان رموز و نکات کی ماورائی تشریح اس طرح کی جاتی ہے۔

اپنی ہستی پہ چھا گیا جب خود — عشق پابندِ جسم و جاں نہ رہا
کوہ و صحرا بھی ہوگئے ناپید — فاصلہ کوئی درمیاں نہ رہا
مرحبا وصلِ شاہد و مشہود — کوئی تصدیق کا گماں نہ رہا

کبھی تو نالۂ پُر جوش ہوجا — کبھی خود ہی سراپا گوش ہوجا
بہر صورت مٹادے اپنی ہستی — بہر عنوان حریفِ ہوش ہوجا
نگاہ دوست تیرا خوں بہا ہے — یہی مفہومِ تسلیم و رضا ہے

ڈوب اپنے ضمیر کے اندر — صحبتِ دیگراں سے کیا حاصل
اے تمنائے جلوۂ جاناں — صرف آہ و فغاں سے کیا حاصل
مسلکِ عشق شانِ درویشی — کرّ و فرِّ جہاں سے کیا حاصل

راز رسوائے اشک و آہ نہیں رازداں جز دل تباہ نہیں
کھودیا جس نے تیرے پنہوں کو وہ خودی طالبِ گواہ نہیں
خیر اتنا تو ہوگیا ثابت خود فریبی دلیلِ راہ نہیں

سر معذوری. اس نام کی ایک لوک دھن سندھ میں گائی جاتی ہے۔ اس سر میں سسی کی بیکسی اور ناچاری کا ذکر کیا گیا ہے۔

اس سر میں شاہ نے تزکیۂ نفس کے مرحلوں کا ذکر سسی پنہوں کی عشقیہ داستان کی تمثیلوں کے ساتھ کیا ہے۔ سسی پر راہِ طلب میں جو مصیبتیں پڑیں ویسی ہی ناقابل برداشت اور صبر شکن دشواریاں ان 'طالبان حق' کو بھی پیش آتی ہیں جو اس پر فریب دنیا میں 'صدق و صفا' کی تلاش کرتے ہیں۔

سر دیسی. یہ اساوری ٹھاٹھ کی ایک راگنی ہے۔ اس سر میں شاہ نے تمثیلی طور پر یہ ظاہر کیا ہے کہ اگر طالب حقیقی نے نفسِ امارہ پر قابو نہ پایا تو اس کو ویسے ہی صدمے برداشت کرنے پڑیں گے جیسے سسی کو کیچی اونٹوں کی طرف سے غافل رہنے کے نتیجے میں برداشت کرنے پڑے۔ شاہ نے نفس امارہ کو اونٹ کے مصداق قرار دیا ہے۔

سر کوہیاری. اس سر کا تعلق کوہستانی لوک گیتوں سے ہے۔ چونکہ پنہوں کا وطن مکران کے کوہستانی علاقے میں تھا، شاید اسی مناسبت سے اسے یہ نام دیا گیا ہے۔ ویسے کوہیاری مستعمل لوک گیتوں کی مشہور دھن بھی ہے جو کوہستانی علاقوں کے لوگوں میں بہت مقبول ہے۔

اس سر میں شاہ نے کوہستانی راستوں اور کوہ و بیابان کے مختلف مناظر کی عکاسی کی ہے۔ کوہستانی نباتات و جمادات کے بہت سے ایسے نام اس سر میں آتے ہیں جو عام لوگوں کے لیے غیر مانوس ہیں لیکن شاہ کے عمیق مشاہدے سے ان کا قریبی تعلق تھا۔

سر حسینی. یہ ایک مشہور عربی و فارسی آمیز طرز ہے۔ جس میں امام حسین رضہ اور دوسرے شہیدان کربلا کے مرثیے گائے جاتے ہیں۔

اس سر میں شاہ نے آن مصائب کا ذکر کیا ہے جو سسی کو پنہوں کی خاطر در پیش آئے۔ اور آخرکار اس کی موت کا باعث بنے۔ سسی نے راہ طلب کی

جان لیوا مشکلات کو اسی صبر و استقلال سے برداشت کیا جس صبر و استقلال سے حضرت امام حسین رضہ اور ان کے رفقاء نے کربلا کی اذیتوں کو 'جذبۂ تسلیم و رضا' کے تحت قبول کیا۔

سر لیلا چنیسر. اس نام کی کوئی راگنی موسیقی میں نہیں ھے۔ یہ نام موضوع کی رعایت سے دیا گیا ھے۔

اس سر میں شاہ نے لیلا چنیسر کی عشقیہ داستان کی طرف اشارے کیے ھیں۔ ان اشاروں میں حرص و ھوس سے بچنے کی تلقین ھے اور صدق و صفا کو اپنانے کی نصیحت۔

سر مومل رانو. سندھ میں ایک بہت ھی میٹھی لوک دھن 'سر رانو' کے نام سے مستعمل ھے۔ ویسے اِس سر کے نام کی موضوع سے بھی مطابقت ھے۔

اس سر میں شاہ نے مومل رانو کی پر اسرار عشقیہ داستان کے رموز و نکات بیان کیے ھیں۔ بنیادی خصوصیت اس میں یہ ھے کہ شاہ نے عشق حقیقی کے والہانہ جذب و شوق کے مرحلوں میں طالب و مطلوب، شاھد و مشہود اور عاشق و معشوق کے درمیان فرق و امتیاز اٹھادیا ھے۔

سر بروو سندھی. 'بروو' ایک راگنی کا نام ھے۔ اس راگنی ھی میں کچھ تبدیلی کر کے "بروو سندھی" نام کی راگنی ترتیب دی گئی ھے۔

اس سر میں شاہ نے عشق الٰھی کی ترغیب دی ھے۔ عاشق کی بیچارگی اور نیازمندی کا ذکر، روح کی اپنے رب کی تلاش و تجسس میں بیچین رھنے کی کیفیت اور حقیقی محبت کے دائمی سرور کا بیان شاہ نے بڑے موثر انداز میں کیا ھے۔

سر ڈھر. موسیقی میں اس نام کی کوئی راگنی نہیں. ڈھر کے معنی ایک قسم کی نغمگی اور شعریت کے ھیں، یا وہ وادی جو ریگستان کے کوھستانی سلسلوں کے درمیان ھو۔

اس سر میں مختلف مضامین کے ابیات شامل ھیں جو معنوی اعتبار سے جداگانہ حیثیت رکھتے ھیں۔

سر گھاتو. اس نام کی کوئی راگنی نہیں ھے۔ یہ نام موضوع کی مطابقت سے دیا گیا ھے۔ "گھاتو" لفظ کے معنی شکاری کے ھیں۔ چونکہ اس سر میں ماھی گیروں کا ذکر کیا گیا ھے، اس لیے سر کا یہ نام مناسب سمجھا گیا۔

اس سر میں شاہ نے ان سات ماھی گیروں کا ذکر کیا ھے، جو کلاچی (کراچی) کے قریب رھا کرتے تھے۔ چھ بڑے بھائی کافی تندرست تھے لیکن سب سے چھوٹا کچھ کمزور تھا۔ اس لیے وہ گھر پر رھتا اور باقی بھائی مچھلیوں کا شکار کھیلنے صبح سمندر میں داخل ھوجاتے اور شام کو گھر واپس آتے۔

ایک مرتبہ غروب آفتاب تک وہ واپس نہ آئے۔ ساتویں چھوٹے بھائی کو بڑی تشویش ھوئی۔ تلاش و تجسس کے بعد معلوم ھوا کہ وہ سب ایک طوفانی گرداب میں پھنسکر غرقاب ھوگئے اور انھیں ایک بڑے نہنگ نے لقمہ اجل بنا دیا۔

چھوٹا بھائی عقلمند تھا۔ اس نے نہنگ کو مارنے کے لیے لوھے کا ایک بہت بڑا پنجرا بنوایا۔ اس کے چاروں طرف لوھے کے نوک دار کانٹے لگوائے اور پنجرے کو موٹے رسوں سے باندھ کر سمندر میں ڈال دیا۔ کنارے پر اپنے بہت سے ساتھیوں کو رسے تھامنے پر مامور کیا اور خود اس پنجرے میں بحفاظت بڑے بڑے بھالے لے کر بیٹھ گیا۔ نہنگ نے جیسے ھی اس پنجرے کا رخ کیا، قریب آتے ھی بہت سے کانٹے اس کے جسم میں چبھ گئے۔ ساتھیوں نے رسے کھینچنے شروع کردیے اور کنارے کے قریب لاکر اسے بھالوں سے ھلاک کردیا۔ پھر پیٹ چاک کرکے انسانی جسموں کے باقی ماندہ حصے نکالے اور انھیں اپنے رسم و رواج کے مطابق دفن کردیا۔

سر کاپائتی. اس نام کی کوئی راگنی موسیقی میں نہیں ھے۔ اس سر میں شاہ نے چرخا کاتنے والیوں کا ذکر کیا ھے۔ روحانی طور پر چرخے کو اس زندگی اور چرخا کاتنے والیوں کو 'سالکوں' سے مشابہت دی ھے۔ شاہ کا بنیادی نقطۂ نظر یہ ھے کہ انسان کو عملی طور پر جہد للبقا میں اس طرح حصہ لینا چاھیے کہ اس کے اعمال خالق حقیقی کی خوشنودی کا باعث ھوں۔ زندگی خواہ غریبی و تنگدستی میں گذرے یا امارت نصیب ھو، اصل مقصد وہ جدوجہد ھے جو انسان کو زندگی کے اعلیٰ مقاصد کی طرف رجوع کرتی ھے۔

سر رپ. اس نام کی کوئی راگنی نہیں ھے۔ رپ کے معنی بہت بڑی مصیبت یا اس دشمن کے ھیں جس کو دیکھ کر دل دھل جائے۔

اس سر میں شاہ نے ھجر و فراق کی کیفیات کو بڑے سوز اور دلگداز انداز میں بیان کیا ھے۔ عام انسانی احساسات و جذبات کو مد نظر رکھتے ھوئے شاہ نے جس موثر لب و لہجے میں غمِ فراق اور صدمات ھجر کا اظہار کیا ھے ان سے ایک طرف تو شاہ کی اپنی جوانی کی عاشقانہ محرومیاں ظاھر ھوتی ھیں اور دوسری طرف ان رموز و نکات کا بھی ادراک حاصل ھوتا ھے جن سے تمام انسانوں کا واسطہ پڑتا رھتا ھے۔

سر کاراپل. اس نام کی کوئی راگنی موسیقی میں نہیں ھے۔

اس سر میں شاہ نے چند خوبصورت پرندوں کا ذکر کیا ھے۔ ان پرندوں میں مور، سارس یا بگلا اور ھنج (ھنس) کو بطور خاص پیش کیا گیا ھے۔

سر ماروی. اس نام کی بھی کوئی راگنی موسیقی میں نہیں ھے۔ یہ نام موضوع کی مناسبت سے دیا گیا ھے۔

اس سر میں شاہ نے نہ صرف حب الوطنی، حریت پسندی اور اعلیٰ ظرفی کا درس دیا ھے، بلکہ روحانی طور پر اس 'عہد میثاق' کی یاد دھانی بھی کی ھے جو تمام روحوں نے ابتدائے آفرینش میں کیا تھا۔ خالق حقیقی کی طرف سے "الست بربکم" اور روحوں کی طرف سے "قالوابلیٰ" کے اشارے انہیں ازلی عہد و پیمان کی نشان دھی کرتے ھیں۔

عمر ماروی کی داستان وادیٔ سندھ کی ایک مشہور داستان ھے۔ اس داستان کو مختلف سندھی شاعروں اور ادیبوں نے اپنے اپنے طور پر بیان کیا ھے۔

سر سوھنی. یہ ماروا ٹھاٹھ کی ایک مشہور راگنی ھے، جو سوز و گداز سے بھرپور ھے، بعض محققین نے اس کو ٹوڑی ٹھاٹھ سے وابستہ کیا ھے۔

اس سر میں شاہ نے مشہور و معروف عشقیہ داستان "سوھنی مہیوال" کی جھلکیاں پیش کی ھیں۔ یہ جھلکیاں ان روحانی رموز و نکات کی آئینہ دار ھیں جن کی تشریح اس طرح کی جاتی ھے:

جستجو، اضطراب، سوز دروں — جز محبت یہ زندگی کیا ہے
بحرِ ہستی سے سیر ہو نہ سکی — کون جانے یہ تشنگی کیا ہے

ایک مسلسل تپش مری ہستی — موت بھی مجھ کو سازگار نہیں
اکثر اوقات خلوتِ شب میں — ایک پل بھی مجھے قرار نہیں
اک خلش سی ہے سعیِ لاحاصل — ہائے میں پھر بھی سوگوار نہیں

دیکھ کر جلوہ‌ہائے رنگا رنگ — حسن کا اعتبار کون کرے
اے خوشا عیش لذتِ غم یار — خواہشِ وصل یار کون کرے
موت سے پہلے کیوں نہ مرجاؤں — موت کا انتظار کون کرے

ہیں ابھی کتنے مرحلے باقی — اے غمِ انتظار کیا معلوم
حشر کا دن تو پھر بھی ہے نزدیک — دوریِ وصلِ یار کیا معلوم

سندھی دوہے کی ہیئت اور ماٴخذ

شاہ لطیف نے اپنے دوہوں میں عام طور پر جس اسلوب بیان سے کام لیا ہے اس کا ماٴخذ راجستھان کے "ڈھولا مارو" دوہوں کو بتایا جاتا ہے، پروفیسر جھمٹ مل بھاونانی نے اپنی قابلِ قدر تصنیف میں "ڈھولا مارو" دوہوں اور ان کے اثرات کو اس طرح پیش کیا ہے۔

۱۔ ڈھولا مارو دوہے	۱۳۰۰ع سے پہلے
۲۔ کبیر داس کے دوہے	۱۴۰۰ع سے ۱۵۵۸ع تک
۳۔ سور داس کے دوہے	۱۴۸۴ع سے
۴۔ میرا بائی کے دوہے	۱۵۰۷ع سے ۱۶۳۰ع تک
۵۔ شاہ لطیف کے دوہے	۱۶۸۹ع سے ۱۷۵۲ع تک

"ڈھولا مارو" دوہوں کی تعداد قریب قریب دو ہزار بتائی جاتی ہے۔ یہ دوہے مختلف قلمی نسخوں میں جودھپور، بیکانیر، جیسلمیر اور جیپور وغیرہ کے سرکاری کتب خانوں میں محفوظ ہیں۔

"ڈھولا مارو" راجستھان کی ایک عشقیہ داستان ہے، جس کا زمانہ اب سے قریب قریب ایک ہزار برس پہلے کا ہے۔ وثوق کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ سب سے پہلے ان دوھوں کو کس نے نظم کیا، بہر صورت اس بات پر سبھی مورخ اور محقق متفق ہیں کہ سب سے پہلے اس قسم کے دوھے راجستھان، گجرات، کاٹھیاواڑ، کچھ، سندھ اور زیرین پنجاب کے علاقوں میں گھومتے پھرتے فقیروں، ڈوموں اور عوامی موسیقاروں نے ترتیب دیے تھے۔ کشلابھ نامی ایک راجستھانی شاعر نے سولھویں صدی سے پہلے ان دوھوں کو ازسر نو بنایا سنوارا، اور ان کی مدد سے بہت سی 'چوپائیاں' بھی تخلیق کیں۔

"ڈھولا مارو" دوھوں کا اثر سندھی شعرا پر بھی پڑا ہے، لیکن ایک خاص بات جو سندھی شعرا کے دوھوں میں ملتی ہے وہ ان کی جدت طرازی ہے۔ اس جدت‌طرازی کی مثالیں قاضی قاضن، شاہ کریم اور دوسرے قدیم شعراء کے یہاں تو کم ہیں۔ البتہ شاہ لطیف کے یہاں ہیئت اور اسلوب کے کئی ایسے تجربے ملتے ہیں جو سندھی دوھوں کو ڈھولا مارو دوھوں سے ممتاز کرتے ہیں۔

جس طرح عربی، فارسی اور اردو شاعری میں فنِ عروض کو برتا جاتا ہے۔ اسی طرح سنسکرت سے نکلی ہوئی زبانوں کی شاعری میں چھند ودیا یا چھند شاستر کا عمل دخل ہے۔ شاہ لطیف نے بھی اپنے کلام میں چھند ودیا ہی کے ترنمی سانچوں (Musical patterns or feet) سے مدد لی ہے۔ ترنمی سانچوں کو فنِ عروض کی اصطلاح میں ارکان کہتے ہیں اور چھند ودیا کی رو سے 'گن' کا نام دیتے ہیں۔ فنِ عروض میں ارکان کی مدد سے اوزان ترتیب پاتے ہیں، اور چھند ودیا میں گنوں کی مدد سے چھند بنتے ہیں۔

ھندی اور راجستھانی دوھوں میں عام طور پر دو مصرعے ہوتے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک مصرع 'دل' کہلاتا ہے۔ مجموعی طور پر ہر ایک دوھے میں ۴۸ ماترائیں ہوتی ہیں اور چار چھندوں سے ترتیب پاتا ہے، ان میں سے ہر ایک چھند کو 'پد' بھی کہتے ہیں۔

دوھوں میں عام طور پر قافیہ* کا اعلان ہر ایک دل (مصرعے) کے آخر میں ہوتا ہے، لیکن ایسے بھی دوھے ملیں گے جن میں یہ پابندی نہیں۔ دوھوں کی

کئی قسمیں ہیں، اور ان میں مختلف قسم کے چھند استعمال کیے جاتے ہیں۔ چند مشہور قسموں کے نام یہ ہیں۔

بھرمر۔ سبھر امر۔ شربھ۔ نئر۔ ھنس۔ گید۔ کچھپ اور سرپ وغیرہ۔

ان تمام قسموں میں قافیہ کا التزام ہر ایک مصرعے کے آخر میں ہوتا ہے، ان کے علاوہ وہ قسمیں بھی ہیں جن میں قافیے کی جگہ بدل جاتی ہے۔ مثلاً۔

سورٹھا چھند کے دوہے۔ اس قسم کے دوہوں کا رواج سب سے پہلے سوراشٹر (راجستھان) میں ہوا تھا، سورٹھا چھند کے دوہوں میں قافیہ کا التزام اس طرح ہوتا ہے:

سائی صورت غین، سائی صورت عین کی
اوئی عین کی عین، سمن نقطہ دور کرو

اس قسم کے دوہے تلسی داس نے بھی کہے ہیں۔ سندھی کے قدیم شعراء مثلاً قاضی قاضن اور شاہ کریم کے یہاں بھی اس کی مثالیں نظر آتی ہیں۔ شاہ لطیف نے بھی ایسے دوہے کہے ہیں جو اس ہیئت پر پورے اترتے ہیں۔ راجستھان اور سندھی دوہوں میں اس ہیئت کو اکثر کئی اور طریقوں سے بھی استعمال کیا گیا ہے، مثلاً مندرجہ بالا دوہے کو اس طرح بدل سکتے ہیں۔

سائی صورت غین، سائی صورت عین کی
سمن! نقطہ دور کرو اوئی عین کی عین

اس قسم کے دوہوں کو "انت میل" دوہا کہتے ہیں۔ سندھی شعراء میں ایسے دوہے سب سے پہلے (دسویں صدی ھجری میں) قاضی قاضن نے کہے، لیکن راجستھانی شعراء میں اس کا رواج بہت پہلے سے تھا۔ اگر مندرجہ بالا دوہے کو اس طرح پیش کیا جائے تو "مدھیہ میل دوہا" بن جاتا ہے۔

سائی صورت عین کی سائی صورت غین
اوئی عین کی عین سمن نقطہ دور کرو

قاضی قاضن، شاہ کریم اور شاہ لطیف کے یہاں اس ہیئت کو بھی استعمال کیا گیا ہے۔

شاہ لطیف نے اپنے کلام میں قدیم ہندی اور راجستھانی چھندوں کے کچھ اور نمونے بھی پیش کیے ہیں۔ ان چھندوں میں رکپال چھند، چوپائی چھند، چندرائن چھند۔ ات بروا چھند، مالتی چھند اور جات چھند یا کنڈلکا خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ہندی شاعری میں اس قسم کے چھندوں کی چند مثالیں دیکھیے۔

بنا وچارے جو کرے سو پاچھے پچھتائے
کام بگاڑے آپ نو جگ میں ہوت ہنسائے
جگ میں ہوت ہنسائے چت میں چین نہ آوے
کھان پان سمان راگ رنگ من نہیں بھاوے
کہہ گردھر کو رائے دکھ کچھ ٹرت نہ ٹارے
کھٹ کھٹ ہے دن رات کیو جو بنا وچارے

(جات چھند یا کنڈلکا)

رام سمجھ رحمان سمجھ لے دھرم سمجھ، ایمان سمجھ لے
مسجد کیسی مندر کیسا ایشور کا استھان سمجھ لے

(چوپائی چھند)

دوہے کے مستعمل اوزان ترکیبی سے ہٹ کر بھی شمالی ہند اور راجستھان کے قدیم شعراء نے بہت کچھ کہا ہے۔ کہیں کہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے عربی و فارسی فن عروض نے ہندی چھند ودیا سے ایسا تعلق قائم کرلیا ہے کہ بظاہر کوئی فرق و امتیاز باقی نہیں رہا ہے، جیسے:

سکھی! پیا کو جو میں نہ دیکھوں تو کیسے کاٹوں اندھیری رتیاں
کسے پڑی ہے جو جا سناوے پیارے پی کو ہماری بتیاں

(امیر خسرو)

معلوم ایسا ہوتا ہے کہ جب شروع شروع میں مسلمان فاتحین برصغیر میں داخل ہوئے اور یہاں حکومت کرنے لگے تو بہت سے اہل فن بھی اس ملک کی طرف رجوع ہوئے۔ پہلے تو دربار داری کا سلسلہ چلتا رہا، اور ایک متعین مذہبی نقطۂ نظر کے تحت ادبی تخلیقات وجود میں آتی رہیں، لیکن بعد میں

اسلامی تصوف اور ویدانتی فلسفۂ حیات کے امتزاج سے کئی ایسی مذہبی تحریکیں بیدار ہوئیں جنھوں نے دربار داری سے الگ تھلگ ہوکر بھی علم و فن کی بڑی خدمات انجام دیں ، اور کئی ایسے صاحب کمال پیدا ہوئے جنھوں نے شعر و شاعری کی ایک نئی طرح کی بنیاد ڈالی۔ اس کے خد و خال کچھ ایسے دلکش تھے کہ نہ صرف حکومت وقت نے ان کی سرپرستی کی بلکہ زبان و بیان کی سادگی اور مقامی رنگ آمیزی نے عوام‌الناس پر بھی گہرا اثر کیا ، مثلاً اکبری دور میں تلسی داس ، عبدالرحیم خان‌خاناں اور میرا بائی وغیرہ کو عروج حاصل ہوا۔ عبدالرحیم خان خاناں کے دوہوں کی مقبولیت کا اندازہ تو اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ دوہے آج بھی ہندی کلاسیکل شاعری میں شمار ہوتے ہیں۔

خان خاناں کا سندھ سے بڑا قریبی تعلق رہا ہے۔ اکبر کے عہد میں سندھ کو زیر نگیں کرنے والا یہی تھا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ سندھ کے چند ممتاز اہل فن کی رسائی اکبر کے دربار میں بھی ہوگئی۔ ادھر خان خاناں کے شاعرانہ مزاج کا اثر سندھی شاعری پر بھی پڑا۔ اس کے بہت سے دوہے سندھ میں مقبول ہوگئے۔ اس توسل سے بھی تلسی داس وغیرہ کا کلام سندھ کے تصوف پسند عوام تک پہنچا۔ تلسی داس کے شاعرانہ مزاج میں کبیر داس اور سور داس وغیرہ کے اسلوب بیان کی بازگشت ہے، اس لیے انداز بیان میں وہی بے ساختگی اور جذب و مستی ہے جو ان لوگوں کا طرۂ امتیاز ہے۔ مثلاً :

تلسی طلب نہ چھوڑیے موت رزق سب ساتھ
کیا جگت سے روٹھنا ، قلم اسی کے ہاتھ

تلسی داس کے اس دوہے سے پتا چلتا ہے کہ ہندی اور فارسی کی آمیزش سے ایک نئی زبان بن رہی تھی جو بہت پہلے عوام‌الناس میں جڑ پکڑ چکی تھی لیکن اس کے برگ و بار میں کوئی ایسی یکسانیت نہ تھی جس کی بناء پر سوائے بھاشا کے اسے کوئی اور نام دیا جاسکے۔ رامائن میں تلسی داس نے جو زبان استعمال کی ہے اس کی حدیں بھی سنسکرت اور فارسی کے اثرات کو کم کرتی ہوئی مختلف پراکرتوں سے جا ملتی ہیں۔ سندھی دوہوں میں قاضی قاضن سے شاہ تک اور اس کے بعد جو عوامی زبان استعمال کی گئی وہ بھی ایک لحاظ سے عربی و فارسی کے غلبے کے خلاف صدائے احتجاج تھی۔ پھر مختلف متصوفانہ

تحریکوں اور خصوصاً مہدوی تحریک نے سولھویں صدی کے ابتدائی زمانے میں عوام الناس کو اپنی طرف بہت زیادہ رجوع کیا تھا - یہ متصوفانہ تحریک سید محمد جونپوری کے توسل سے قاضی قاضن تک پہنچی اور انہوں نے اس کی تبلیغ و تلقین کے لیے عربی و فارسی سے ہٹ کر سندھی زبان کا سہارا لیا - یہی وجہ تھی کہ انہوں نے اپنے دوھوں میں بھی سندھی زبان کو بڑے موثر انداز سے استعمال کیا - قاضی قاضن کے بعد سندھی زبان کا شعری ذخیرہ دن بدن بڑھنے لگا اور عوام و خواص نے تہہ دل سے اس کو اپنانا شروع کیا -

شاہ کے دوھوں یا ابیات کی زبان بھی اسی سندھی زبان کی ایک ترقی یافتہ شکل ھے - شاہ کے مجموعہ کلام کو دیکھنے سے پتا چلتا ھے کہ بیشتر عربی و فارسی کے الفاظ سندھی میں ایسی نفاست سے استعمال کئے گئے ھیں کہ ان کی اجنبیت باقی نہیں رہتی بلکہ معنوی مطابقت اور صوتی یکسانیت کلام موزوں کے تاثر کو دوبالا کر دیتی ھے -

سندھی کے کچھ ناقدین اور محققین شعر و ادب نے شاہ کے دوھوں کو اوزان شعری سے آزاد بتایا ھے لیکن جدید تحقیق کی روشنی میں یہ بات ثابت ہوچکی ھے کہ شاہ نے اپنے تمام ذخیرۂ شعری میں نہ صرف مستعمل اوزان شعری کو برتا بلکہ بہت سے ایسے تجربے بھی کیے جو عام شعری اوزان کو وسعت دیتے ھیں اور اسلوب بیان کے چند نئے انداز پیش کرتے ھیں - ضرورت اس بات کی ھے کہ شاہ کے کلام کو از سر نو جدید تحقیقات کی روشنی میں پرکھا جائے - اب تک جو تحقیقی و تنقیدی مواد شاہ کے مجموعہ کلام پر نظر آتا ھے اس کا بیشتر حصہ شاہ کے کشف و کرامات اور کلام پر محض طائرانہ جائزوں سے متعلق ھے - یہ درست ھے کہ شاہ کی روحانی حیثیت واقعی اس قابل ھے کہ اس کو زیادہ سے زیادہ اجاگر کیا جائے لیکن ساتھ ھی یہ بھی انتہائی ضروری ھے کہ ان کے کلام کی فنی خوبیوں کا تجزیہ کچھ اس طرح کیا جائے کہ وہ غلط روایات جو شاہ جیسے عدیم المثال شاعر سے وابستہ کردی گئی ھیں ھمیشہ کے لیے ختم ھوجائیں -

شاہ کے ابیات کے متعلق میری ذاتی رائے یہ ھے کہ ان میں سنگیت ودیا، چھند ودیا اور عربی و فارسی فن عروض کے موٹے موٹے اصولوں کی پیروی مختلف طریقوں سے کی گئی ھے - بہت سے ابیات تو ایسے ھیں جن کی ھیئت شاہ کے ھمعصروں

اور شاہ سے پہلے کے صوفی شاعروں نے بھی برتی ہے۔ ساتھ ہی ایسے ابیات بھی کچھ کم نہیں جن میں شاہ نے اسلوب بیان کے نئے اور متنوع تجربے کیے ہیں۔ یہ شاہ کی جدت طرازی تھی جس نے زبان و بیان کی وسعت کے لیے کچھ اور ترنمی سانچے وضع کیے۔ ان ترنمی سانچوں (Musical Patterns) کا کیا نام ہوسکتا ہے سردست اس سے مجھے بحث نہیں، لیکن جہاں تک مہذب ترنم (Cultured Lyricism) کا تعلق ہے یہ بات وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ شاہ نے فطری امنگ اور اپج کے باوصف فنی التزامات کو بڑی نفاست سے برتا ہے۔ اس کی ایک وجہ اور بھی سمجھ میں آتی ہے وہ یہ کہ شاہ کا ربط و ضبط اس دور کے نہ صرف ارباب علم و فضل سے تھا بلکہ شمالی ہند اور دوسرے دور دراز علاقوں کے ارباب فن سے بھی قریبی تعلق رہا تھا، اس لیے بنیادی طور پر جن خارجی عناصر کو شاہ کے شاعرانہ مزاج میں جذب ہونے کا موقع ملا ان میں وہ عنصر بھی خصوصیت سے قابل ذکر ہے جو شاہ کریم جیسے باکمال صوفی شاعر سے آپ کو ثقافتی ورثے کے طور پر ملا تھا۔ شاہ کریم کا عارفانہ کلام سندھی ادبیات میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے اور وہی عارفانہ جذبہ شاہ کے یہاں زیادہ بھرپور طریقے پر موجود ہے بلکہ ایک منظوم ثقافتی تاریخ بن گیا ہے۔

سندھی کافی اور اس کا ارتقا

"کافی" سندھی شاعری کی مقبول عام صنف سخن ہے۔ یہ صنف سخن لوک گیتوں کی ایک قسم ہے جو سندھی شاعری میں زمانہ قدیم سے رائج ہے۔ سندھی ادب کے قریب قریب سبھی محقق اب تک یہ کہتے آئے ہیں کہ "کافی" کے موجد شاہ لطیف ہیں، انہوں نے ہی اس کو 'وائی' کے نام سے سندھی شاعری میں داخل کیا۔

پیر حسام الدین راشدی نے اپنے ایک محققانہ اور فاضلانہ مقالے میں یہ کہا ہے کہ شاہ لطیف "کافی" کے موجد نہیں ہیں کیوں کہ شاہ لطیف کا زمانہ ۱۶۸۹ع سے ۱۷۵۲ع تک کا ہے۔ اس زمانے سے قریب قریب ڈیڑھ صدی پہلے سندھ میں ایک صوفی بزرگ شیخ لاد تھے، جو موسیقی کے بہت زیادہ شائق تھے، اور اکثر کافیاں گایا کرتے تھے۔ یہ بزرگ سندھ کے قدیم شہر "پاٹ" کے رہنے والے تھے۔ پاٹ کے مردم خیز خطے سے کئی ایسے صاحب کمال پیدا ہوئے ہیں جنھوں

نے بڑا نام پایا - ان صاحبِ کمال لوگوں میں حضرت قاسم ابن یوسف سندھی، شیخ طاہر محدث سندھی، شیخ مبارک سندھی اور حضرت مسیم الاولیاء شیخ عیسیٰ جنداللہ شطاری خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ شیخ لاد بھی انہیں بزرگوں کی صحبت میں رہا کرتے تھے۔

پیر صاحب موصوف کا کہنا ہے کہ شیخ لاد کے متعلق جب یہ ثابت ہے کہ وہ کافیاں گایا کرتے تھے، تو اس سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ وہ مختلف سندھی شعرا کی کافیاں گاتے ہوں گے، لیکن چونکہ سندھ کی ادبی تاریخ میں ان کافیوں کی مثالیں ہمیں نہیں ملتیں، اس لیے شاہ لطیف کو موجد سمجھا جاتا ہے۔

شاہ لطیف کی کافی یا وائی ہیئت اور مواد کے اعتبار سے کچھ ہندی گیتوں سے ملتی جلتی ہے، وثوق کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ گیتوں کا رواج سب سے پہلے کس زبان میں ہوا، بہر حال جہاں تک سنسکرت سے پیدا ہونے والی مختلف زبانوں کا تعلق ہے، یہ بات یقینی ہے کہ گیت زمانۂ قدیم سے گائے جاتے رہے ہیں اور عوام الناس کو ان سے خاص دلچسپی رہی ہے۔

گیت اور بھجن کے سلسلے میں کہا جاتا ہے کہ ان کا اصل زمانہ چودھویں صدی بکرمی سے شروع ہوتا ہے، یہ وہ زمانہ ہے جب بھگتی کی تحریک ہندوستان کے طول و عرض میں پھیلی تھی۔ پرکاش پریم، وحدت الوجود اور متصوفانہ خیالات نے ہندوستانیوں کے دل پر ایسا رنگ جمایا کہ ہر کسی کے لیے رام، رحیم، کرشن اور کریم ایک ہوگئے۔ اس تحریک نے ایسی پُرکشش شخصیتیں پیدا کیں جنہیں مختلف مذہبوں، عقیدوں اور فرقوں کے لوگوں نے اپنا کہا اور اپنا سمجھا۔ بھگتی تحریک کے زور پکڑتے وقت سنسکرت جیسی پُروقار زبان عوام سے بچھڑ چکی تھی۔ عوام ایک آسان اور چلتی ہوئی زبان بولتے اور سمجھتے تھے۔ بھگتی کی تحریک نے اپنے پرچار کے لیے اسی عوامی زبان (پراکرت) کو ذریعے اظہار بنایا۔ اسی زبان میں بھگت کبیر، گرو نانک، رائے داس، سور داس، تلسی داس اور میرابائی وغیرہ نے انمول گیتوں کو جنم دیا۔ ان گیتوں کے ذریعہ بھگتی مت کا پرچار کیا گیا، اور یہی وہ گیت ہیں جنہیں بھجن کہتے ہیں۔

شاہ لطیف سے پہلے کے سندھی شعراء نے ان گیتوں یا بھجنوں کا کہاں تک اثر لیا، اس کی بابت وثوق سے نہیں کہا جاسکتا، تاہم یہ حقیقت ہے کہ بھگتی اور جوگ یوگ کی تحریکوں نے سادھو سنتوں کے توسل سے سندھ کے صوفی شعراء اور عوام کو بہت کچھ اپنی طرف کھینچا۔ ہوسکتا ہے کہ چند صوفی شعراء نے اس قسم کے عوامی گیتوں کو سندھی زبان کے اندر کافی کی صورت میں رائج کیا ہو، لیکن ہمارے قدیم ادب کا چونکہ ذخیرہ مفقود ہے، اس لیے آج تک ہمیں اس کی کوئی مثال نہیں مل سکی ہے۔

شاہ کے مجموعہ کلام کے قریب قریب تمام ہی سروں کے آخر میں ایک یا ایک سے زائد وائی کا ہونا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ شاہ کو یہ صنفِ سخن بہت عزیز تھی۔ شاہ نے اس صنف سخن میں نہ صرف اپنی تمثیلی شاعری کا جوہر پیش کیا ہے بلکہ لب و لہجے کی ایسی بےساختگی بھی پیدا کی ہے جو مترنم ہونے کے علاوہ بھی بہت کچھ ہے۔

احمد چاگلا نے (جنھوں نے پاکستان کے قومی ترانے کی دھن مرتب کی ہے) ایک سمیری بھجن میں ایمن کلیان کی دھن پائی ہے۔ ان کی تحقیق کے مطابق وادیٔ سندھ میں چھ اور پانچ سروں کے سرگم زمانہ قدیم سے مستعمل ہیں، جس سے ایشیا اور یورپ کا جنوبی حصہ ایک ہی تہذیب سے وابستہ معلوم ہوتا ہے۔

شاہد احمد دہلوی نے پاکستانی موسیقی کا جائزہ لیتے ہوئے ایک مقالے میں لکھا ہے کہ لوک گیت یا عوامی گیت ہمارے دیہاتوں کی وسیع آبادی کے گیت ہیں، جن میں دیہاتی زندگی اور قدرتی مناظر کا دل دھڑکتا ہے۔ یہ گیت اگرچہ فنی لطافتوں سے عاری ہوتے ہیں مگر ان کی سادگی میں وہ لطف ہوتا ہے جو ترقی یافتہ پرکاری میں کمیاب ہے۔ سرحد کا ٹپا، لوہا اور پنجاب کا ماھیا، ہیر، مرزا صاحباں اور سندھ کا رانو، کوھیاری اور جموں کی پہاڑی وغیرہ اتنی دلکش دھنیں ہیں کہ ہمارے مجلسی راگ جو صدیوں سے نکھرتے چلے آرہے ہیں ان کے آگے پھیکے پڑجاتے ہیں۔ دراصل ہماری ترقی یافتہ موسیقی اور شاعری کی جڑ انھی لوک گیتوں میں ہے۔

اغلب ہے کہ شاہ لطیف جیسے عوام پسند شاعر نے اپنے علاقے کے 'لوک گیتوں' سے متاثر ہوکر ہی کافی یا وائی کو اپنایا ہوگا اور پھر نو بہ نو شعری

تجربات، فطری امنگ اور تخلیقی اپج نے ان کو وہ سوز و ساز عطا کیا ہوگا جو آج تک زندہ و پائندہ ہے۔ ایسے سندھی شعراء بہت ہی کم ہونگے جنہوں نے اس صنف سخن میں طبع آزمائی نہ کی ہو۔

شاہ نے سندھی کافی کا نام 'وائی' کیوں رکھا؟ یہ ایک ایسا سوال ہے جس کا جواب یقینی طور پر نہیں دیا جاسکتا۔ مجھے تو کم از کم اپنے طور پر تلاش بسیار کے باوجود کوئی ایسی شہادت نہیں مل سکی جس کی بناء پر وثوق سے کچھ کہا جاسکے، تاہم ایک بات ذہن میں آتی ہے وہ یہ کہ شاہ کے سب سے پہلے استاد میاں نورمحمد، جو ہالا میں رہتے تھے، شاہ کی سیرت سے بہت زیادہ متاثر تھے۔ اسی وجہ سے آپ نے ہالا کو خیرباد کہہ کر وائی نامی ایک گاؤں میں سکونت اختیار کرلی تھی جو بھٹ شاہ سے نسبتاً زیادہ قریب تھا۔ میاں نور محمد سے شاہ کو قلبی تعلق تھا۔ ظاہر ہے کہ اس تعلق کی بناء پر 'وائی' میں شاہ کی آمد رفت ہوتی ہوگی۔ ہوسکتا ہے کہ وائی میں جو لوک گیت گائے جاتے ہوں شاہ نے ان کو کسی ذہنی محرک کے طور پر قبول کیا ہو اور اس طرح اپنے گیتوں کے لیے وائی کا نام منتخب کیا ہو۔ بہرصورت واقعات و شواہد خواہ کچھ بھی ہوں شاہ کی جدت‌پسند طبیعت سے یہ اندازہ ضرور لگایا جاسکتا ہے کہ موصوف شاعرانہ تجربات میں ندرت کے قائل تھے۔

فن موسیقی میں 'کافی ٹھاٹھ' کو ایک جداگانہ حیثیت حاصل ہے۔ شاہ کے زمانہ میں بھی اس ٹھاٹھ کی راگ راگنیاں گائی جاتی ہوں گی۔ ندرت خیال کا کرشمہ سمجھ لیجیے یا وسعت بیان کا تقاضا کہ شاہ نے یہی مناسب سمجھا ہوگا کہ فن موسیقی کے اس کافی ٹھاٹھ سے قطع نظر اپنے گیتوں کو 'وائی' کے نام سے پکارا جائے۔

ہندی اور دوسری علاقائی زبانوں میں جو گیت لکھے گئے ان کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ تال سر کے اندر بڑے موثر طریقے پر گائے جاسکتے ہیں۔ یہی بات شاہ کی وائی کے لیے بھی کہی جاسکتی ہے۔ جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ ہیئت کے اعتبار سے شاہ کی وائی بہت کچھ ہندی گیتوں سے ملتی جلتی ہے۔ امیر خسرو سے پہلے اور ان کے بعد ہندی گیتوں میں جو تجربے ہوئے ان میں فن موسیقی کو خاص طور پر برتا گیا ہے۔ گیت اور اس کے سنسکرت

مصدر 'گئی' (بمعنی گانا) کی قدامت ویدک زمانے سے کم نہیں۔ سنسکرت ادب میں اس کا وجود شام وید سے ثابت ہے جو سنگیت کا اولیں صحیفہ ہے۔

جس طرح ہندی گیتوں میں ٹیپ یا "ستھائی" کی تکرار ہوتی ہے اسی طرح عام طور پر سندھی کافی یا وائی میں بھی پورے ایک مصرعے یا اس کے کسی خاص جز کی تکرار ہوتی ہے۔ اس تکرار کے درمیان جو مصرعے دیے جاتے ہیں ان کی تعداد کم سے کم دو ہوتی ہے۔

ستھائی یا ٹیپ سے پہلے آنے والا مصرعہ کچھ ہم قافیہ سا ہوتا ہے تاکہ مخصوص قسم کی مترنم صوتی ہم آہنگی سے گیت کا لطف دوبالا ہوجائے۔ بہت سے گیتوں میں ٹیپ کے مصرعے کی تکرار تو ہوتی ہے لیکن درمیانی مصرعوں کی تعداد متعین نہیں ہوتی، جیسے:

لاگ اساڑھ چلی پرویا بھورے بدرا چھائے
کرے کلیل بچھیرا بن میں گوالا شور مچائے
جھیل کنارے بگلا ڈولے سارس دوڑ لگائے
چھائیں مائیں کھیلیں بالک گورا ڈھول بجائے
لاگ اساڑھ چلی پرویا بھورے بدرا چھائے

شاہ نے وائی کی ہیئت میں اکثر و بیشتر گیتوں کی ڈگر کو قائم رکھا ہے لیکن بہت سے ایسے تجربات بھی کئے ہیں جن کی مثال ہندی گیتوں میں مشکل سے ملے گی۔ کہیں کہیں تو یہ تجربے اردو یا فارسی غزل سے اتنے قریب ہوگئے ہیں کہ بظاہر کوئی خاص فرق نظر نہیں آتا۔ غزل کی ہیئت سے قطع نظر نظم کی دیگر اصناف مثلاً مثلث، مربع، مخمس، مسدس اور مستزاد وغیرہ کی ملی جلی شکلیں بھی نظر آتی ہیں۔

وائی اپنے مزاج کے اعتبار سے لوک گیتوں کا نعم البدل تو خیر ہے ہی؛ غزل سے بھی اس کی ہیئت کسی قدر ملتی جلتی ہے۔ جس طرح غزل کے مطلع میں دونوں مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں اسی طرح شاہ کی وائیاں بھی نظر آتی ہیں۔ غزل میں عام طور پر ردیف کا استعمال ہوتا ہے اور بغیر ردیف کے صرف قافیے کے اہتمام سے بھی غزلیں کہی جا سکتی ہیں۔ وائی میں ردیف کا استعمال شاہ نے

بہت ہی کم کیا ہے ورنہ عام طور پر تو صرف قوافی کی صوتی ہم آہنگی ہے۔ غزل کے آخر میں عام طور پر شاعر اپنا تخلص استعمال کرنے کے لیے مقطع کہتا ہے۔ "سید کہتا ہے" یا "لطیف کہتا ہے" کا استعمال اکثر و بیشتر ان کی وائی میں ہوا ہے۔ کہیں کہیں 'کہتا ہے' کے بغیر صرف سید یا لطیف کو محض تخلص کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ مقطع اور مطلع کے درمیان جو اشعار غزل میں کہے جاتے ہیں ان میں دوسرے مصرعے کا ہم قافیہ ہونا ضروری ہے۔ یہ لازمی نہیں کہ اشعار کے مضامین میں کوئی تسلسل ہو، البتہ بعض غزلیں ایسی بھی نظر آتی ہیں جن میں کسی حد تک یہ تسلسل قائم رہتا ہے۔ وائی میں بھی قافیے کی ہم آہنگی کے علاوہ معنوی دروبست کا کچھ یہی عالم ہے۔

نمایاں فرق جو غزل اور شاہ کی وائی میں ہے وہ یہ کہ گیت کی طرح وائی میں بھی تخاطب عام طور پر 'محبوبہ' کی طرف سے ہوا ہے۔ یہ تخاطب علاماتی طور پر شاہ نے ان محبوباؤں سے منسوب کیا ہے جو وادی' سندھ اور راجستھان کی رومانی داستانوں سے گہرا تعلق رکھتی ہیں۔ اس تعلق کی کیفیت کچھ اس قسم کی ہے جس کی طرف "حافظ" نے اس طرح اشارہ کیا ہے۔

میان عاشق و معشوق ہیچ حائل نیست تو خود حجاب خودی 'حافظ' ازمیان برخیز

شاہ نے اپنی حیثیت کو ایک مبصر، ایک دانائے راز، ایک عینی شاہد اور ایک ازلی ہمدرد کے طور پر پیش کیا ہے۔ کہیں کہیں شاہ کی یہ حیثیت وائی کے دوسرے کرداروں کی معنویت میں ایسی مدغم ہوجاتی ہے کہ جداگانہ انفرادیت کا سراغ مشکل سے ملتا ہے۔

شاہ کے زمانے کی اردو فارسی غزلوں اور سندھی کافی یا وائی میں مضامین اور موضوعات کا فرق بھی ایک بڑا فرق ہے۔ یہ صحیح ہے کہ امیر خسرو وغیرہ نے بہت پہلے یہ کوشش کی تھی کہ غزلوں میں مقامی رنگ آمیزی بھی ہو، لیکن امیر خسرو اور ان کے چند پیروؤں کے بعد یہ روش فارسی اثر و نفوذ کے سامنے نہ ٹک سکی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ عہد مغلیہ کے پہلے دو سلاطین بابر اور ہمایوں کے زمانے میں فارسی غزل کا غلبہ رہا۔ اکبر کے عہد میں کچھ مزاج بدلا لیکن اس تبدیلی نے بھی غزل پر کوئی اثر نہ ڈالا بلکہ دوہوں اور دیگر ہندی اصناف سخن کو نوازا۔ جہانگیر، شاہجہان اور اورنگ زیب کے زمانے میں فارسی کا

اثر کچھ اور بڑھ گیا ۔ البتہ دکن کے چند شعراء مثلاً سلطان محمد قطب شاہ ہاشمی، وجہی اور ولی دکنی وغیرہ نے مقامی روایات کو اردو غزلوں میں بڑی نفاست سے پیش کیا ہے۔

شاہ نے وائی میں جو موضوعات و مضامین پیش کیے ہیں ان کا خمیر سندھی ثقافت سے تیار ہوا ہے۔ شاہ کو یہ ثقافتی ورثہ امیروں کی حویلیوں اور حکمرانوں کے درباروں سے حاصل نہیں ہوا بلکہ اس کی رنگارنگی، بوقلمونی اور سحر آفرینی سندھ کے دیہی عوام سے اور ان کی پسندیدہ کہانیوں، ہرے بھرے کھیتوں، تپتے صحراؤں اور پھوس کی جھونپڑیوں میں گونجتے ہوئے لوک گیتوں سے متعلق ہے۔

شاعری اور تنقید

شاعری کیا ہے؟ انسانی زندگی سے اس کا تعلق کیوں ہے؟ تنقید، تقریظ، تبصرہ یا تجزیہ کہاں تک اس کا ساتھ دے سکتا ہے؟ یہ اور اسی قسم کے بہت سے سوالات شاید اسی وقت سے پیدا ہوتے رہے ہیں جب سے مختلف زبانوں میں شعر و شاعری کا آغاز ہوا۔ کسی نے اسے مقدس دیوانگی سمجھا، کسی نے ہیجان جذبات کا وسیلہ قرار دیا اور کسی نے ترجمان حقیقت کہہ کر پکارا۔ کوئی انسانی زندگی کی تفسیر کہہ کر مطمئن ہوگیا، کوئی الہیاتی کھلونا سمجھتا رہا، کوئی محیط امواج تخلیق کا لقب دیتا رہا، کوئی حسن ظاہری کا پرتو خیال کرتا رہا، کوئی انبساط روحانی کہہ کر خوش ہوگیا اور کوئی دنیا کی تمام اشیاء کو محبوب و پسندیدہ بنادینے کا ذریعہ تصور کرتا رہا۔ کسی کو اس کا آغاز و انجام وجدان میں نظر آیا، کسی کو اس کی غنائیت سے محبت ہوگئی، کسی کو اس میں حیرت ہی حیرت محسوس ہوئی، کسی کو وہ ہمیشہ یاد رکھنے کے قابل دکھائی دی، کسی کو اس پر فردوس معانی کا گمان ہوا، کسی کو سلسبیل بازگشت کہہ کر تسکین ہوئی، کسی کو اس میں وہ بلیغ افسانے سننے کو ملے جو موسیقی کے ساتھ ترتیب دیے گئے ہوں۔ کسی کو اس کے الفاظ میں وہ کشش نظر آئی جو افعال میں نہیں ہوتی اور کسی کو وہ ایک رفیق بے خلل دکھائی دی۔ یہ اور ایسے ہی مختلف نظریات فن شاعری کی مقبولیت کو ظاہر کرتے ہیں۔ کون کس نظریے سے اتفاق کرتا ہے یہ اپنی اپنی طبیعت کی بات

ہے۔ شاید طبیعتوں کے اختلاف ہی کا نتیجہ ہو کہ ہر زبان میں ہمیں مختلف قسم کا انداز بیان رکھنے والے شعراء نظر آتے ہیں۔ امراؤ القیس کا لب و لہجہ دوسرے عربی شعراءؔ سے الگ تھلگ ہے۔ حافظ، عمر خیام اور رومی وغیرہ فارسی شاعری میں اپنی مثال آپ ہیں۔ ملٹن، ورڈس ورتھ، ٹینی سن، کیٹس اور ٹی۔ ایس ایلٹ وغیرہ انگریزی شاعری میں اپنی اپنی انفرادیت کے مالک ہیں۔ سورداس، تلسی داس، بھگت کبیر، میرا بائی اور عبدالرحیم خانخانان وغیرہ ہندی شاعری میں اپنی اپنی خصوصیات کے اعتبار سے بلند مرتبہ رکھتے ہیں۔ سندھی شاعری میں شاہ کریم، شاہ عنایت، شاہ لطیف، سچل سرمست اور سامی وغیرہ کا کلام مختلف خوبیوں کا مالک ہے۔ کچھ ایسی ہی جداگانہ کیفیت ولی دکنی، میرتقی میر، غالب اور اقبال وغیرہ کے اشعار میں موجود ہے۔

'نوالس' کا کہنا ہے کہ "ہماری زندگی کے تمام واقعات مواد ہیں جن سے ہم جو چاہیں بنا سکتے ہیں"۔ ہربرٹ ایلس نے اسی بات کو کچھ بدلے ہوئے انداز میں یوں کہہ دیا کہ "جو کچھ دنیا میں ہوسکتا ہے بیان کیا جاسکتا ہے لیکن ضرورت ایسے آدمی کی ہے جو اس کو بیان کرنا جانتا ہو"۔ بیان کی بات آئی ہے تو زبان کا مسئلہ بھی سامنے آتا ہے جس کے متعلق ورڈس ورتھ کی رائے یہ ہے کہ "ہر شاعر کے الفاظ یا زبان کا خزانہ مخصوص ہوتا ہے جس سے دوسرے بہت کم واقف ہوتے ہیں"۔ یہاں مجھے اس سے بحث نہیں کہ کسی شاعر کے مخصوص ذخیرۂ الفاظ سے دوسرے کس حد تک واقف و ناواقف ہوتے ہیں۔ میرے نزدیک تو یہ بات زیادہ اہم ہے کہ الفاظ و افعال دونوں انسانی قوت کے یکساں مظاہر ہیں۔ اور اس لحاظ سے ایک بلند پایہ شاعر کا کلام حیات آمیز بھی ہوتا ہے اور حیات آموز بھی۔ یا کارلائلؒ کے الفاظ میں یوں کہہ لیجیے کہ "درحقیقت یہ کسی قوم کے لیے بہت بڑی بات ہے کہ اس کو ایک زبان مل جائے یعنی اس میں ایک ایسا آدمی پیدا ہو جو موسیقیت کے ساتھ وہ تمام باتیں بیان کرتا ہو جس کو اس قوم کا دل چاہتا ہو"۔

انسانی زندگی سے شاعری کا تعلق محض اس لیے دائمی نہیں کہ وہ انسانی زندگی کی تفسیر ہے یا اس کی افادیت کے لیے آلۂ کار ہے، بلکہ اس لیے کہ زندگی میں جو چیز یاد رکھنے کے قابل ہے وہ اس کی شاعری ہے۔ یہ شاعری جب شادی و

غم، بیم و رجا اور تحیر و تعجب کے احساسات کی گہرائیوں اور گیرائیوں کو سمیٹے ہوئے نرم و نازک الفاظ کا جامہ پہن کر ہمارے سامنے آتی ہے یا حسن و محبت کی روحانی نغمگی بن کر کانوں میں مسحور کن رس گھولنے لگتی ہے، تو ہم اس کی جاودان افادیت کے خودبخود قائل ہوجاتے ہیں۔

ڈاکٹر آئی۔ اے۔ رچرڈس کا کہنا ہے کہ

"Poetry is not the thing which can be verified"

اگر اس قول کو صحیح تسلیم کرلیا جائے تو شاعری پر تنقیدی نظر ڈالنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوتی۔ میرا خیال ہے رچرڈس نے یہ بات شاعری کی اس اثر آفرینی کے پیش نظر کہی ہے جو اکثر بغیر کسی پس و پیش کے دل و دماغ پر محویت کا عالم طاری کردیتی ہے۔ ورنہ ان تنقیدی تصانیف کا کیا جواز جو موصوف سے منسوب ہیں۔ رہا یہ مسئلہ کہ شاعری پر تنقید کی جائے تو اس کا بنیادی نقطۂ نظر کیا ہو؟ اس مسئلے میں مختلف مدرسہ ہائے فکر کا طرز عمل مختلف ہے۔

قدیم عربی شعراء کا یہ دستور تھا کہ جب بازار عکاظ میں ان کا اجتماع ہوتا تو حسب موقع وہ کسی صاحب علم و فن کو اس اجتماع کا صدر بناتے، پھر تمام شعراء باری باری سے اپنا کلام سناتے، اور آخر میں صدر ان کے کلام کی خوبیاں بالتفصیل بیان کرتا۔ اس عمل کو اس دور کی اصطلاح میں تقریظ کہا جاتا۔ یہ رواج کافی حد تک فارسی اور اردو کے مشاعروں سے بھی وابستہ رہا ہے۔

یونانی مفکرین میں ارسطو کو اس لحاظ سے بڑی اہمیت حاصل ہے کہ اس نے شاعری کو نقد و نظر کے معیار پر جانچنے کی باضابطہ کوشش کی اور شاعری کے متعلق بہت سی ایسی باتیں کہیں جنھیں اب بھی نمایاں حیثیت حاصل ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ "کیا تم شاعر کا مطلب سمجھنے میں غلطی نہیں کرتے ہو جبکہ اس کو صرف معلم اخلاقیات کی حیثیت میں دیکھنا چاہتے ہو! شاعری کا مقصد ہیجانِ جذبات ہے، نہ کہ تعلیم و تربیت"۔ ارسطو کے اس قول سے ناقدینِ شعر و ادب کو اختلاف ہوسکتا ہے۔ خاص طور پر ان ناقدینِ فن کو جو محض رسمی طور پر 'فن برائے زندگی' کے قائل ہیں اور جن کے نزدیک زندگی صرف چند بنیادی تقاضوں کو پورا کرنے کا نام ہے یا بالفاظ دیگر وہ زندگی کو ایک ایسی مشین سمجھتے ہیں جس کی کل ان کے اپنے ہاتھوں میں ہو، حالانکہ اگر بنظرِ غائر زندگی

کے سلسلۂ لامتناھی کو دیکھا اور سمجھا جائے تو بڑے سے بڑے اور اعلیٰ سے اعلیٰ تخلیقی صلاحیتیں رکھنے والے فنکار کے لیے بھی یہ ناممکن ھے کہ وہ اسے پوری طرح اپنے فن میں جذب کرسکے۔ ھاں یہ ممکن ھے کہ کسی ایک خطۂ زمین کے رھنے والوں یا قریب قریب یکساں تہذیبی روابط رکھنے والوں کی زندگی کا عکس کم و بیش کسی کے تخلیقی شاھکاروں میں نظر آجائے۔

نرم و نازک اور بے نام احساسات کو زندگی کا غلام نہیں بلکہ تمام شعبوں پر حاوی سمجھتے ھوئے شاعرانہ طور پر بیان کرنا کتنا نازک کام ھے، اس کا اندازہ بھلا کسی معلمِ اخلاقیات کو کیا ھوسکتا ھے؟ "دوسرے لوگ جھوٹ زیادہ بہتر طریقے پر بول سکتے ھیں لیکن شاعرانہ صداقت کا اظہار سوائے شاعر کے اور کوئی نہیں کرسکتا"۔ Mac Neice نے شاید یہ بات اس کام کی نزاکت ھی کو مدنظر رکھتے ھوئے کہی ھے۔ اور اس کام کی نزاکت ھی ھے جو اکثر تنقید و تبصرے کی متحمل نہیں ھوتی تاوقتیکہ تنقید و تبصرہ کرنے والا اپنی انفرادیت کو اس شاعرانہ دروں بینی میں گم نہ کردے۔ بین جونسن (Ben Jonson) نے کہا ھے کہ

"To judge of poets is only the faculty of poets"

لیکن ھربرٹ ریڈ کا خیال ھے کہ شاعری اور تنقید دو بالکل مختلف مشغلے ھیں اور ایک کا حیطۂ متعلقہ و نقطۂ نظر دوسرے سے قطعی مختلف ھے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ھربرٹ تنقیدنگاری کی صلاحیتوں کا معترف نہیں ۔ وہ تو کہتا ھے کہ "ھمیں ایک شاعر کو پرکھنے کے لیے ھر وقت تیار رھنا چاھیے لیکن ان تمام استعارات کی گیرائی اور گہرائی کو دھیان میں رکھتے ھوئے جو اس کی شاعری کا لازمی جز ھیں"۔

عام طور پر کسی بڑے شاعر کے کلام پر تنقید و تبصرہ کرنے والے اس شاعر کے شاعرانہ حسن بیان کا تجزیہ کئے بغیر دوسروں کی تنقیدی تحریروں کے مطابق کوئی رائے اخذ کرلیتے ھیں۔ اس کا نتیجہ یہ ھوتا ھے کہ تنقید میں وہ تخلیقی شان باقی نہیں رھتی جو کسی ادبی شاھکار کے لیے از حد ضروری ھے۔

ارسطو نے شاعر کو صرف معلم اخلاقیات سمجھنے سے اس لیے انکار نہیں کیا ھے کہ اسے اخلاقی اقدار کی تعلیم و تربیت سے انحراف ھے، بلکہ وہ تو یہ ایک سیدھی سی بات اس لیے کہہ گیا ھے کہ شاعر پہلے شاعر ھے اور بعد کو کچھ،

اور یا شاعری پہلے ہیجان۔ جذبات کا وسیلہ ہے اور بعد کو کچھ اور۔ یہاں ایک بات اور پیدا ہوتی ہے۔ وہ یہ کہ اگر ہیجان جذبات کے توسل سے اخلاقی اقدار کا کچھ کام بن جائے تو کیا مضائقہ ہے! لیکن 'سونبرن' کی یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ "شاعر کا اصلی مقصد روحانی خوشی یا غم کو الفاظ کے حسن کے ذریعے ظاہر کرنا ہوتا ہے، نہ کہ اخلاقی خوبیوں کی وساطت سے"۔

اخلاقی اقدار انسان اور انسانیت کے لیے از بس ضروری ہیں اور ان کا خیال رکھنا لازمی بھی ہے۔ لیکن جب بات شاعری اور شاعر کے لیے ہو تو اخلاقی اقدار کا مسئلہ ثانوی حیثیت رکھتا ہے اور ہیجان۔ جذبات کا معاملہ خودبخود اولیت حاصل کرلیتا ہے۔ مختلف زبانوں کے قابل قدر شعراء کے یہاں ایک دو نہیں ہزاروں ایسی مثالیں مل سکتی ہیں جن میں کوئی اخلاقی درس نہیں لیکن پھر بھی ان کی حیثیت ناقابل فراموش ہے اور صدیاں گذرجانے کے بعد بھی ان سے 'ہیجان جذبات' کا مقصد پورا ہورہا ہے۔ 'ایڈگر ایلن پو' نے اسی مقصد کو اس طرح بیان کیا ہے کہ "روح کے پردے میں ہمارے احساسات کو جو کچھ محسوس ہوتا ہے اس کی تشریح کو فن۔ لطیف کہتے ہیں"۔ اسکاٹ جیمس (Scott James) کا کہنا ہے کہ
"What the artist has been able to construct the critic must be able to reconstruct."
جب تک ایک تنقیدنگار میں یہ صلاحیت نہ ہو کہ وہ کسی ادبی شاہکار کی روح میں اتر سکے اس وقت تک تنقید کا حق ذرا مشکل ہی سے ادا ہوتا ہے۔ اور صرف روح میں اترنے سے بھی کام نہیں بنتا بلکہ ایک اور مرحلہ تاثرات کو نئے سرے سے ترتیب دینے اور پیش کرنے کا بھی ہے۔ اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک تنقیدنگار شعر کے بنیادی محرکات اور شاعر کے پراسرار ذہنی عوامل کو تو کسی حد تک سمجھ لیتا ہے لیکن جب خود ان ذہنی عوامل، شاعرانہ محرکات اور اپنے تاثرات کی شیرازہ بندی کرنا چاہتا ہے تو بری طرح الجھ جاتا ہے۔ دراصل قوت اظہار کا جائز استعمال بھی ایک فن ہے اور ایسا فن جو صرف الفاظ کی الٹ پھیر سے پروان نہیں چڑھتا، بلکہ فکر و نظر کی بلندیوں کا بھی مطالبہ کرتا ہے۔ 'رسکن' نے اس قوت۔ اظہار کی بابت ٹھیک کہا ہے کہ "قوت۔ اظہار کی اپج نئے الفاظ کی اختراع پر منحصر نہیں۔ وہ شخص جس میں خداداد اپج ہوتی ہے اسی طرز بیان میں لکھے گا جو اس زمانے میں رائج ہو اور اسی سے بڑا بن جائے گا، مگر وہ جو

کچھ بیان کرے گا اس کو اس قدر شگفتگی سے بیان کریگا گویا ابھی فردوس سے نازل ہوا ہو"۔ 'سینٹ بیو' کے قول کے مطابق "اس قوت اظہار کی عظمت زیادہ لکھنے میں نہیں بلکہ بہت زیادہ پیش کرنے میں ھے"۔ ایزرا پاونڈ (Ezra Pound) تو اس معاملے میں کہیں زیادہ انتہا پسند نظر آتا ھے جب وہ یہ کہتا ھے کہ

"It is better to present one image in a life-time than to produce voluminous work."

ایک لحاظ سے ایزرا پاونڈ کی یہ بات کافی حد تک درست ھے، محض الفاظ سے کھیلنے اور ایک ھی خیال کو الٹ پلٹ کر اکتا دینے والی عبارت میں پیش کرنے سے کسی لکھنے والے کو عظمت نصیب نہیں ھوتی بلکہ ایک قابل قدر تصنیف کے لئے بڑی جگرکاوی کی ضرورت ھے۔

"A book is the precious life-blood of a master spirit".

اس نقطۂ نظر کے تحت اگر ھم شاہ کے کلام پر تنقیدی نگارشات کا تجزیہ کریں تو صرف چند نام ھی سامنے آتے ھیں اور ان ناموں میں بھی صرف دو تین نام ایسے ھیں جن سے کچھ وقیع کارنامے وابستہ ھیں۔

سندھی زبان کے اھل ادب میں ڈاکٹر گربخشانی کا نام ھمیشہ اس لیے زندہ رھے گا کہ انھوں نے شاہ کے کلام پر جو ناقابل فراموش کام کیا ھے وہ سندھی ادیبوں کے لیے ھی نہیں بلکہ غیر زبانوں کے ان اھل قلم کے لیے بھی مفید ثابت ھوا جنھوں نے شاہ کے کلام کو اپنانے کی کوشش کی۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر ایچ۔ ٹی۔ سورلے کا نام بڑی شہرت رکھتا ھے۔ موصوف نے انگریزی میں شاہ کے کلام پر جتنا کام کیا ھے شاید کسی دوسری زبان کے اھل قلم نے نہیں کیا۔ شاہ کے منتخبہ کلام کو انگریزی منظوم ترجموں کی حیثیت سے پیش کرنے اور شاہ کی شاعری کے پس منظر کو زیادہ سے زیادہ نمایاں کرنے میں ان کی شاعرانہ صلاحیتوں اور ناقدانہ حیثیت کو بڑا دخل ھے۔ "Shah Latif of Bhit" ان کی وہ مایۂ ناز تصنیف ھے جو اپنی جداگانہ نوعیت کے اعتبار سے عالمی ادب میں ایک خاص درجہ رکھتی ھے۔

اس دور کے بڑے بزرگ اور قابل صد احترام عالم حضرت علامہ آئی۔ آئی۔ قاضی صاحب، سابق وائس چانسلر، سندھ یونیورسٹی اور ان کی جامع صفات و کمالات اھلیہ، محترمہ ایلسا قاضی صاحبہ، نے حال ھی میں شاہ کے کلام کا ایک

مستند اور معتبر ٹیکسٹ ترتیب دیکر اور شاہ کے منتخبہ کلام کا انگریزی منظوم ترجمہ ایک عالمانہ تنقیدی تعارف کے ساتھ پیش کر کے ایک تاریخی کام سرانجام دیا ہے، جس کے لیے سندھی ادب اور سندھی ثقافت کے ساتھ ساتھ عالمی ادب کے اصحاب نقد و نظر ان کے گرویدہ احسان رہیں گے۔

ترجمے کی اہمیت اور دشواریاں

ہر زبان کے ادب میں ادبی تراجم کو بھی خاص اہمیت حاصل رہی ہے۔ ایزرا پائونڈ نے کہا ہے کہ "جو دور تخلیقی ادب کے لحاظ سے عظیم ہوتا ہے وہ ترجموں کے لحاظ سے بھی عظیم ہوتا ہے"۔ اس عظمت کا اطلاق اردو ادب کے موجودہ تخلیقی دور اور ادبی ترجموں کے دور پر ہوتا ہے یا نہیں اس سے مجھے بحث نہیں لیکن جہاں تک اردو ادب میں ترجمہ کیے ہوئے ادب کے اضافہ کا سوال ہے، میں بغیر پس و پیش کے یہ کہہ سکتا ہوں کہ اردو ادب کے تخلیقی دور کو زیادہ سے زیادہ ادبی صلاحیتیں عطا کرنے میں ادبی تراجم نے بڑا کام کیا ہے۔

ادبی تراجم کا کام کئی باتوں کے اعتبار سے اہم ہے۔ انسانی زندگی کے رنگا رنگ تجربوں کو اخذ کرنے، مختلف علاقوں کے ثقافتی ماحول کو سمجھنے اور اپنے ماحول میں ان کی پسندیدہ ثقافتی اقدار کو جذب کرنے، دیگر زبانوں کی اعلیٰ ادبی صلاحیتوں اور اہل ادب کے نقطۂ نظر کو اپنی زبان کے مزاج کی مطابقت سے قبول کرنے، ادبی فکر و نظر اور تخلیقی لگن میں زیادہ گہرائی اور گیرائی پیدا کرنے، ادب سے دلچسپی رکھنے والوں کو مختلف زبانوں اور مختلف ملکوں کی ادبی روایات سے باخبر رکھنے اور زبان کو طرح طرح کے ادبی تجربوں کے قابل بنانے میں ادبی ترجموں کی افادیت سے انکار ممکن نہیں۔ اور اس لحاظ سے یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ اردو ادب میں ان گنت ادبی ترجموں سے جو اضافے ہوئے ہیں وہ کافی حد تک تخلیقی ادب کے لیے سازگار ثابت ہوئے۔

ادبی ترجمے کا کام جتنا اہم ہے اس سے کہیں زیادہ دشوار بھی۔ ایک زبان بولنے والوں کے فکری رجحانات دوسری زبان والوں کے انداز فکر سے کافی حد تک مختلف ہوتے ہیں اور نہ صرف فکری رجحانات مختلف ہوتے ہیں بلکہ انداز بیان بھی

مختلف ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں مترجم کو کئی قسم کی آزمائشوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ یہ آزمائشیں شعر و شاعری کے میدان میں نثری ادب کو بہت پیچھے چھوڑ جاتی ہیں۔ نثر میں تو کھینچ تان کے کم و بیش الفاظ سے کام چلایا بھی جاسکتا ہے لیکن شاعری اس قسم کی کھینچ تان کی روادار کیسے ہوسکتی ہے؟ یہ تو اپنے اوزان کے معاملے میں اتنی سخت گیر ہے کہ ذرا سی کمی و بیشی بھی اسے گراں گذرتی ہے اور سارے کیے دھرے پر پانی پھر جاتا ہے۔

ادبی ترجموں کے لیے مترجم سب سے زیادہ بھروسہ ان خیالات پر کرتا ہے جن کا اظہار کسی ادبی شاہکار میں کیا گیا ہو۔ لیکن شاعرانہ تخیل کچھ ایسی رمزیت، اشاریت اور پیچیدہ تاثریت لیے ہوئے ہوتا ہے کہ مترجم جب تک اس کی حقیقی ایمائیت کو نہ پائے اس وقت تک اس کے لیے وہ ایک عجیب و غریب معمّا بنا رہتا ہے، اور اگر اس معمے کو وہ کسی نہ کسی طرح حل بھی کرلے تو فکر و جذبے کی نادر آمیزش جس سے شعری تخلیق وجود میں آتی ہے وہ اس کے لیے ایک منفرد اور مستقل حیثیت اختیار کرلیتی ہے۔ اس حیثیت کو اول تو کسی دوسری زبان میں ویسی ہی آب و تاب کے ساتھ منتقل کرنا ناممکن العمل ہے، پھر بھی اگر کسی نہ کسی طرح اس کو ممکن العمل بنایا بھی جائے تو "ایک جان دو قالب" والی بات ذرا مشکل ہی سے پیدا ہوتی ہے۔ کبھی تو دوسرا قالب پر کشش نہیں رہتا اور کبھی قالب کی کشش باقی رہتی ہے تو جان میں وہ جان باقی نہیں رہتی جو اس قالب کو صحیح معنوں میں جاندار بناسکے۔

ایک اچھے مترجم کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ مختلف زبانوں کے مزاج اور ان کی ادبی اقدار سے پوری طرح واقف ہو اور تحقیق و تجسس کی ایسی اعلیٰ صلاحیتیں رکھتا ہو کہ کسی ادبی شاہکار کو دوسری زبان میں منتقل کرنے سے پہلے اس کی روح کو پا سکے۔ اِس روح کو پالینے کے بعد اسلوبِ بیان کی الجھنیں کافی حد تک کم ہوجاتی ہیں اور مترجم کا کام نسبتاً آسان ہوجاتا ہے بشرطیکہ ترجمہ کرتے وقت وہ اپنے دل و دماغ پر اسی قسم کے احساسات و جذبات طاری کرلے جس قسم کے جذبات و احساسات اس شاہکار کی تخلیق کا سبب بنے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مترجم اپنے آپ کو ہر طرف سے بے نیاز کرکے وقتی طور پر اصل فنکار کے حسیاتی وجود میں گم کردے۔

شاہ لطیف کے ضخیم مجموعہ کلام کو منظوم اردو ترجمے کی حیثیت سے
پیش کرنا کتنا دشوار تھا، اس دشواری کا اندازہ مجھے اس وقت ہوا جب اردو
کے ذخیرۂ الفاظ اور اظہار بیان کے مترنم سانچوں کی گنجائش کے مطابق شاہ کے
شاعرانہ اور متصوفانہ افکار کو زیادہ سے زیادہ بہتر طور پر اشعار میں ڈھالنے کی فکر
دامنگیر ہوئی۔ کام بیحد مشکل تھا اور اس مشکل کا مجھے شدید احساس بھی
تھا، لیکن "مشکلے نیست کہ آسان نشود" کے مصداق میں نے اپنے ذوق شعری
پر بھروسہ کرتے ہوئے اس کام کا آغاز کردیا۔

ابتدائی تجربوں میں مجھے بیک وقت کئی باتوں کا خیال رکھنا پڑا۔ ان باتوں
میں سب سے اہم بات یہ تھی کہ میں دل سے یہ چاہتا تھا کہ منظوم ترجموں میں
شاہ کے ابیات اور وائیوں کی نغمگی بھی موجود ہو اور وہ روح بھی باقی رہے جو
ان کے کلام کا حقیقی حسن معنوی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے لفظی ترجمے سے
گریز کیا اور اپنی تمام تخلیقی کوششیں معنوی خوبیوں کو گرفت میں لانے پر
صرف کردیں۔ ہوسکتا ہے کہ کہیں کہیں ان معنوی خوبیوں پر میرے ذوق
شعری کو وہ گرفت حاصل نہ ہوئی ہو جو شاہ کے کلام میں پنہاں ہیں۔ اس کی
ذمہ داری کچھ تو تنگی وقت پر ہے اور کچھ اردو کے شعری ذخیرۂ الفاظ پر۔
اردو شاعری میں عام طور پر جن الفاظ کی الٹ پھیر رہی ہے وہ کبھی کبھی
میرے اظہار بیان کے لیے نا کافی ثابت ہوئے، جبکہ مجھے یہ بھی خیال تھا کہ
غیر مانوس فارسی تراکیب اور ثقیل الفاظ کے استعمال سے پرہیز کیا جائے، کیونکہ
صرف الفاظ کی بازی گری کا نام خواہ اور کچھ بھی ہو شاعری نہیں ہوسکتا۔

شاہ کی شاعری کا مزاج کچھ اس قسم کا ہے کہ اس میں عوامیت کے باوجود
اعلیٰ شعری خصوصیات موجود ہیں۔ ان شعری خصوصیات میں ایک خصوصیت یہ
ہے کہ شاہ نے اپنے وسیع مشاہدے اور سیر و سیاحت کے طفیل ہر قسم کے
ثقافتی عوامل کو اپنے فن میں بڑی نفاست سے جذب کیا ہے۔ اس طرح وادیٔ سندھ
کی چھوٹی بڑی، اہم اور غیر اہم، ان گنت چیزوں کے نام ہمارے سامنے آتے ہیں۔
ان چیزوں میں بعض چیزیں ایسی ہیں کہ ایک ایک چیز کے کئی کئی نام
ہیں اور شاہ نے ان ناموں کو حسب موقع استعمال کیا ہے۔ اس کے برعکس جب
ہم ان چیزوں کے نام اردو میں تلاش کرتے ہیں تو اکثر نہیں ملتے اور کچھ

ملتے بھی ھیں تو اتنی کمی کے ساتھ، کہ بار بار ان کا استعمال اس خوبی سے نہیں ھوسکتا جس کی توقع کی جاتی ھے۔ مثال کے طور پر اونٹ اور کشتی کو لیجیے۔ ان دونوں کو وادیٔ سندھ کی بود و باش سے بڑا قریبی تعلق رھا ھے۔ شاہ نے ان دونوں کو اپنے کلام میں ھر جگہ نیا نام دے کر استعمال کیا ھے۔ اس طرح کسی ایک نام کی تکرار بھی نہیں ھوتی اور نہ حسن کلام میں کسی قسم کا نقص پیدا ھوتا ھے، بلکہ صوتی تاثر اور حسن شاعری دوبالا ھوجاتا ھے۔ لیکن اردو میں ان دونوں کے لیے گنتی ھی کے چند نام ھیں اور ان چند ناموں میں ایسے صرف دو ایک ھی ھیں جنھیں استعمال کرنے کو جی چاھتا ھے۔ ظاھر ھے کہ ایسی صورت میں تکرار سے نہیں بچا جاسکتا۔ رھا ان چیزوں کے ناموں کا مسئلہ جو سر زمین سندھ کے لیے ھی مخصوص ھیں، تو ان کے لیے مجھے مجبوراً انھیں کو استعمال کرنا پڑا ھے۔ کہیں کہیں ایسا بھی ھوا کہ بیشتر ناموں کا تلفظ میرے خیال سے اردو شاعری کے لیے کچھ بوجھل ثابت ھوا، لیکن ان ناموں کو بالکل ھی نظر انداز کرنا میں نے مناسب نہ سمجھا بلکہ یا تو مترادفات کا سہارا لیا یا پھر انھیں اس طرح استعمال کیا کہ جو اردو الفاظ ان کے ساتھ استعمال کیے جائیں وہ کچھ اس قسم کے ھوں جن میں وہ کسی حد تک نبھ سکیں۔

سندھی زبان کا ماخذ سنسکرت ھے، اور سنسکرت کے الفاظ کا لب و لہجہ عربی و فارسی کے لب و لہجے سے میل نہیں کھاتا۔ سندھی میں بھی بیشتر ایسے الفاظ ھیں جن کا تلفظ اردو کے حروف تہجی سے اول تو ادا ھی نہیں ھوسکتا اور کسی طرح ادا کرنے کی کوشش کی جائے تو صوتی ھم آھنگی میں بڑی دقت پیش آتی ھے۔ نثر میں تو کسی حد تک ان کی اجنبیت گوارا ھوسکتی ھے لیکن نظم کا مزاج ایسی کسی جدت کا ذرا مشکل ھی سے روادار ھوتا ھے۔

ابتدائی ترجموں میں اظہار بیان کے لیے میں نے مختلف بحروں کے تجربے کیے ھیں۔ ان تجربوں سے میں اس نتیجے پر پہنچا کہ ایک ھی سُر میں مختلف بحروں کے داخل ھونے سے صوتی یکسانیت باقی نہیں رھتی اور شعری تسلسل میں بھی کچھ گرانی سی پیدا ھوجاتی ھے۔ اس لیے وائیوں کے علاوہ زیادہ تر ابیات کو میں نے دو ھی بحروں میں سمونے کی کوشش کی ھے۔ جن سروں میں ابیات کچھ

کم میں ان کے لیے ایک ہی بحر کو استعمال کیا ہے اور کہیں کہیں دوسری بحر کو بھی شامل کرلیا ہے۔

وائی کے لیے مجھے گیتوں کی عام فہم زبان زیادہ مناسب معلوم ہوئی۔ اس صنفِ سخن میں زیادہ تر ہندی کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ وائی کے معاملے میں ایک جدت میں نے اور کی ہے۔ وہ یہ کہ شاہ کی طرح اس کی ٹکنیک کے مختلف تجربے کیے ہیں۔ کہیں کہیں ان تجربوں نے اردو غزل کی صورت اختیار کرلی ہے، ویسے عام طور پر گیتوں کی کیفیت زیادہ ہے۔

شاہ لطیف سندھی کے وہ پہلے اور شاید آخری شاعر تھے جن کے کلام میں سندھی زبان کی قریب قریب تمام خوبیاں موجود ہیں، بلکہ میں تو یہاں تک کہوں گا کہ سندھی زبان صرف اس لیے زندہ رہی ہے اور رہے گی کہ اس میں شاہ جیسے عدیم المثال شاعر کا دل آویز کلام موجود ہے۔ اس کلام کی دل آویزی کو کسی دوسری زبان میں منتقل کر دینا مشکل ہی نہیں ناممکن ہے۔ اس ناممکن کو میں نے جس حد تک ممکن بنانے کی کوشش کی ہے اس میں میری وہ عقیدت پیش پیش ہے جو مجھے شاہ کے کلام سے ہے۔ اردو زبان و ادب سے دلچسپی رکھنے والے اس پر خلوص کوشش کے متعلق کیا رائے قائم کریں گے، اس کا علم مجھے نہیں ہے اور نہ اس سلسلے میں کچھ کہنے کی گنجائش ہے۔

سر کلیان

سر کلیان

پہلی داستان

[۱]

تیری ہی ذات اول و آخر　　تو ہی قائم ہے اور تو ہی قدیم
تجھ سے وابستہ ہر تمنا ہے　　تیرا ہی آسرا ہے ربِ کریم
کم ہے جتنی کریں تری توصیف　　تو ہی اعلیٰ ہے اور تو ہی علیم
والیِ شش جہات واحد ذات　　رازقِ کائنات ربِ رحیم

[۲]

اگر اللہ پر رکھتے ہو ایمان　　رسول اللہ سے بھی لو لگاؤ
سمائے جس میں ان دونوں کا سودا　　کسی در پر نہ اس سر کو جھکاؤ

[۳]

جنہوں نے دل سے اس یکتا کو مانا　　محمد کو بصد اخلاص جانا
نہ ان کو کوئی گمراہی کا خطرہ　　نہ ان سے دور ہے ان کا ٹھکانا

[۴]

کامل ایماں کے ساتھ جس نے بھی　　دل سے مانا زبان سے مانا
جس کی خاطر بنی ہے یہ دنیا　　اس محمد کا مرتبہ جانا
فوقیت اس کو دوسروں پہ ملی　　اپنی ہستی کو اس نے پہچانا
جس نے اس قادرِ حقیقی کو　　وحدہٗ لا شریک گردانا

[۵]

ہیں ازل ہی سے بے نیازِ الم　　راز دارانِ جلوۂ معبود
گمرہی دور ہی رہی ان سے　　مل گئی ان کو منزلِ مقصود
واقفِ وحدتِ احد ہو کر　　ہو گئے ایک شاہد و مشہود

[۶]

پرتوِ حسنِ دوست ہے جن پر
آن کے دل روشنی سے ہیں معمور
اپنی دنیا الگ بسائی ہے
خوف و رنج و غم و الم سے دور

[۷]

قتیلِ ذکرِ الاالله ہیں وہ
ہوئے جو واقفِ اسرارِ وحدت
حقیقت آشنا ہے روح آن کی
بذاتِ خود ہیں وہ خضرِ طریقت
سکوتِ معرفت آن کے لبوں پر
نگاہوں میں مسافت ہی مسافت
ہمیشہ بے نیازِ عیش و عشرت
"لطیف" اِن عاشقوں پرحق کی رحمت

[۸]

مقامِ کشتگانِ تیغِ وحدت
کمالِ آدمیت اوجِ ایمان
"لطیف" اس راستے پر جو چلے ہیں
وہی ہیں صاحبِ ایمان و عرفان

[۹]

کشتۂ "وحدہٗ" ہوئے جو لوگ
آن کو "اِلاّ" نے کر دیا دو نیم
خوف سے جرأت آزما نہ ہوا
پھر کسی اور کا سرِ تسلیم

[۱۰]

جسم موجود ہے تو سر غائب
سر اگر مل گیا تو جسم نہیں
کچھ بھی اس کے سوا نہیں معلوم
منزلِ دوست میں ہیں اہل یقیں

[۱۱]

وحدہٗ لا شریک کے عاشق
سن سکا تو نہ اپنے دل کی پکار
جب ترے سامنے وہ آئیں گے
ضبط ہو جائیگا تجھے دشوار

[۱۲]

وحدہٗ لا شریک کا سودا
فکرِ سود و زیاں سے برتر ہے
ہے ابھی تیری منزلِ مقصود
اور تو خود ہی اپنا رہبر ہے
کاش وہ تشنگی ملے تجھ کو
جس کا انعام حوضِ کوثر ہے

[۱۳]

وحدہٗ لا شریک شرطِ وفا
رہ ہموارِ منزلِ توحید
جس کسی نے دوئی کو اپنایا
اپنی منزل سے ہوگیا وہ بعید

[۱۴]

ہو گئے ایک مل کے ذات و صفات　　مٹ گیا فرق عاشق و معشوق
ہم ہی کوتاہ بیں رہے ورنہ　　وہی خالق ہے اور وہی مخلوق

[۱۵]

کبھی وحدت کی تنہائی میں کثرت　　کبھی کثرت کے ہنگاموں میں وحدت
مگر ان سارے ہنگاموں کی تہ میں　　بس اک محبوب ہے اور اس کی صورت

[۱۶]

غیر محدود ہے جلال اس کا　　دہر آئینۂ جمال اس کا
آپ رہبر ہے آپ ہی راہی　　ختم خود اس پہ ہے کمال اس کا
اس کا احساس ہر جگہ ہر وقت　　کہ ہمہ گیر ہے خیال اس کا
روح انساں میں جلوہ فرما ہے　　پرتو حسن بے مثال اس کا

[۱۷]

خالق حسن کائنات ہے خود　　خود ہی اس کائنات کا محبوب
آپ ہی اپنا آئینہ ہے وہ　　خود ہی طالب ہے اور خود مطلوب

[۱۸]

آپ ہی دوست آپ ہی دشمن　　آپ آغاز آپ ہی انجام
اصل میں اک حقیقت من و تو　　درمیاں لاکھ پردۂ اوہام
زندگی، موت، سانس، دل کی پھانس　　کون جانے ہیں تیرے کتنے نام

[۱۹]

یہ صدا اور بازگشت صدا　　اصل دونوں کی ایک جیسی ہے
اپنی آواز کی دوئی پہ نہ جا　　کہ سماعت فریب دیتی ہے

[۲۰]

قصر ہے ایک اور در لاکھوں　　ہر طرف بے شمار ہیں روزن
مجھکو ہر سمت سے نظر آیا　　• جلوہ گر ایک ہی رخ روشن

[۲۱]

مظہر حسن ذات باقی ہے　　اے محبت ترا ہجوم صفات
جلوۂ حسن یار ہر شے میں　　جلوۂ حسن یار کی کیا بات

وائی

ھر کوئی اپنے ساجن کی کرتا رھتا ھے پوجا
گن ھیں جس کے بول بول میں نینوں میں ھے نیہا
ساجن پہلے جان گئے جو میں نے چت میں سوچا
گن ھیں جس کے بول بول میں نینوں میں ھے نیہا
سنو "لطیف" کی لے کو اس میں بھید ھے اس کے من کا
گن ھیں جس کے بول بول میں نینوں میں ھے نیہا

—⁂—

دوسری داستان

[١]
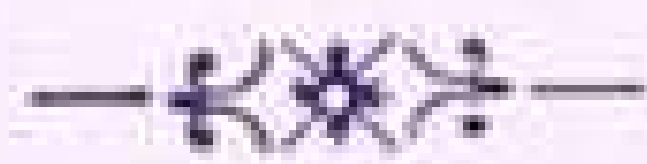
وہ عیادت کو چل کے آئے ھیں — آ گئی راس مجھ کو بیماری
دیکھ کر مجھ کو ایسی حالت میں — رنج و غم اُن پہ ھوگیا طاری
بر سرِ دار ھو کے دیکھی ھیں — میں نے اُن کی بھلائیاں ساری

[٢]

نہیں اِن چارہ سازوں میں بصیرت — کہو اُن سے نہ میرا جی جلائیں
اذیت ھے مسلسل چارہ سازی — پلاتے ھیں دواؤں پر دوائیں
جو سولی ھی کو اپنی سیج سمجھیں — وہ کیوں مرنے سے آخر جی چرائیں

[٣]

دیکھیں چلتا ھے کون اے سکھیو — ھم کو سولی نے پھر پکارا ھے
اُنھیں جانا پڑے گا آخر کار — جنھیں ساجن کا نام پیارا ھے

[٤]

کہہ رھی ھے پکار کر سولی — دیکھنا اب قدم نہ پیچھے ھٹے
عاشقو ! دعوئ وفا ھے غلط — گر رہِ دوستی میں سر نہ کٹے

[۵، ۶]

سر سے پا تک خلوصِ عزم شعار
جلوۂ بے نقاب سے دوچار
سولی ہے ایسے عاشقوں کا سنگھار
سر بریدہ رہیں گے سارے یار
یہی روز ازل سے ہے اقرار
سولی ہے ایسے عاشقوں کا سنگھار
تیز نیزوں کی دیکھ کر یلغار
مانتے ہیں "لطیف" کب وہ ہار
سولی ہے ایسے عاشقوں کا سنگھار

[۷]

مرحبا کشتگانِ جلوۂ یار　　دار و دیدار کی نوید سنی
مطمئن ہوگئے خلوص شعار　　اوج کی انتہا پہ جا پہنچے

[۸]

بر سرِ دار طالبِ دیدار　　اور کہتے ہیں کس کو اوجِ مقام
مڑ کے دیکھا نہیں کبھی پیچھے　　آگے بڑھتے رہیں گے گام بہ گام

[۹]

تمنا دار کی دل سے نہ جائے　　کہ ہوگا دار سے دیدار حاصل
محبت ہر قدم پر رہنما ہو　　تو پھر کچھ بھی نہیں ہے تجھ کو مشکل

[۱۰]

چھری پیوست ہو جانے دو پہلے　　ابھی پوچھو نہ انجامِ محبت
ہم آہنگِ سرودِ زیست کر لو　　غم محبوب و آلامِ محبت

[۱۱]

کسی کے ہاتھ میں ہے اس کا قبضہ　　نہیں خود موردِ الزام خنجر
رخِ محبوب کی نظارگی سے　　لرز جاتا ہے یہ لوہا بھی اکثر

[۱۲]

اس کے خنجر کو کند رہنے دو　　دھار اس کی نہ تیز ہو پائے
جب چلانے لگے مرا محبوب　　ہاتھ کچھ دیر کو ٹھہر جائے

[۱۳]

خنجر اس شاہدِ حقیقی کا　　گوشت کیا ہڈیوں کو چیر گیا

خنجرِ شاہدِ حقیقی سے　　تنِ عاشق کا بند بند جدا

[۱۴]

رہِ محبوب ہے شمشیر کی دھار　　دمِ شمشیر سے ہرگز نہ ڈرنا

بہت کمیاب ہے یہ دولتِ عشق　　تم اپنے زخم کا چرچا نہ کرنا

[۱۵]

تمہیں بھی جان دینا ہے تو آؤ　　کہ مشتاقِ شہادت صف بہ صف ہیں

یہاں سے کون گذرا ہے سلامت　　کہ سب اس دیس میں خنجر بکف ہیں

[۱۶]

محبت ہے مجھے ان قاتلوں سے　　جو رکھتے ہیں کفِ نازک میں خنجر

رواں ہوں سوے میدانِ شہادت　　کہ اک مدت سے بارِ دوش ہے سر

[۱۷]

جو آگے بڑھ گئے جاں دے چکے ہیں　　کٹی سر آچکے ہیں زیرِ خنجر

جو پیچھے رہ گئے ہیں بڑھ رہے ہیں　　کہ ان کو بھی شہادت ہو میسر

نہ اس منزل کو تم آساں سمجھنا　　بڑھے آگے تو سر ہوگا زمیں پر

یہ ہے وہ میکدہ بہتا ہے جس میں　　لہو بھی بادۂ گلرنگ بن کر

[۱۸]

اگر ہے جرعۂ مے کی تمنا　　تو اس پیر مغاں کے در پہ جاؤ

قریبِ ہر خمِ مے عاجزی سے　　تم اپنے کاسۂ سر کو جھکاؤ

اگر ہو سر فروشِ مے پرستی　　تو پھر جرعہ پہ بازی لگاؤ

یہ مستی سر کے بدلے میں ہے سستی　　اٹھو آگے بڑھو ساغر اٹھاؤ

[۱۹]

اگر ہے جرعۂ مے کی تمنا　　تو اس پیر مغاں کے در پہ جاؤ

جو کہتا ہے "لطیف" اس کو سنو تم　　سر اپنا کاٹ کر خم سے ملاؤ

خریدو اس کے بدلے تم یہ سودا　　نہ خالی ہاتھ جام مے اٹھاؤ

[۲۰]

جہاں بکتی ہے، اس کوچے میں جاؤ
اگر ہے جرعۂ مے کی تمنا
رموز مے فروشی ہیں نرالے
کوئی سمجھا انہیں کوئی نہ سمجھا
خمار چشم جاناں کی، قسم ہے
یہ سودا، سر کے بدلے بھی ہے سستا

[۲۱]

جہاں بکتی ہے، اس کوچے میں جاؤ
اگر ہے جرعۂ مے کی تمنا
ملامت، تہمت ہستی، شہادت
عجب دستور ہے اس میکدے کا
اگر اک کوزۂ مے تم کو مل جائے
تو ہر قیمت پہ یہ سودا ہے سستا

[۲۲]

وہاں دولت نہ کام آئے گی "سید"
جہاں کونین ہے جرعے کی قیمت
قریب خم پہنچ کر جان دیدو
یہی اک کامرانی کی ہے صورت

[۲۳]

غذائے عاشقاں ہے، زہر قاتل
اسے وہ دیکھ کر، ہوتے ہیں شاداں
فدائے ہر ادائے قاتلانہ
نثار جنبش زنجیر زنداں
چھپائے ہیں دلوں میں زخم کاری
تبسم ریز ہیں لب ہائے خنداں

[۲۴]

جو تیرا دل مصائب سے، ہے خائف
نہ کر بادہ پرستی کی تمنا
رگوں سے کھینچ لے جو، روح ساری
مبارک ہے مزہ اس جام مے کا
جو سر کو کاٹ کر بھٹی پہ رکھ دیں
انہیں کو راس آتا ہے یہ سودا

[۲۵]

نہیں ہے جرأت رندانہ جن میں
انہیں زیبا نہیں مے کی تمنا
وہ ساقی آئے گا خنجر بکف جب
تو فوراً رنگ اڑ جائیگا ان کا
انہیں زیبا ہے شغل جرعہ نوشی
جنہیں منظور اپنے سر کا سودا

[۲۶]

ہوا ہے پارہ پارہ جسم ان کا
الگ ہے دیگ میں ایک ایک ٹکڑا
ہتھیلی پر جو سر کو لے کے اٹھے
انہی کو زیب دیتی ہے تمنا

[۲۷]

ابلتے ہیں یہاں دیگوں میں ٹکڑے
کھڑکتی ہے یہاں ہردم کڑھائی
جہاں یہ حال ہو اہل طلب کا
وہاں کیا چارہ سازوں کی رسائی

[۲۸]

طلبگار سر رنداں ھے ساقی
نہ جانے مغبچے کیا مانگتے ھیں

[۲۹]

بہر عنوان تمنائے محبت
بہر صورت جنونِ سرفروشی
"لطیف" اِن عاشقوں کی جاں نثاری
لطیف اِن عاشقوں کی گرم جوشی

[۳۰]

نہیں اِن عاشقوں کو سر کی پروا
خلوص دل ھے بارِ سر سے بہتر
کہیں اچھی ھے جلد و استخواں سے
محبت کی شمیمِ روح پرور

[۳۱]

فقط سر دے کے کب ھوتا ھے سودا
نہ سمجھو اتنا ارزاں عاشقی کو
یہ نعمت اے ھجوم سر فروشاں
مقدر ھی سے ملتی ھے کسی کو

[۳۲]

گراں ھے عاشقوں کا قطرۂ خوں
ٹپکنے میں ھے اس کی قدر و قیمت
نگاہ ناز جاناں جلوۂ دوست
محبت کرنے والوں کی عبادت

وائی

مدھ پی کے میں نے اپنے پیارے ساجن کو پہچان لیا

یہ پریت کا ناتا کر کے میں نے جانے کیا کیا جان لیا
ساجن کو پہچان لیا

اس پار کی اگنی ھے من میں جس پار سے میں نے گیان لیا
ساجن کو پہچان لیا

یہ جگ ھے دو دن کی مایا ساجن ھم نے یہ مان لیا
ساجن کو پہچان لیا

کہے "لطیف" کہ تو ھی تو ھے، یہ سارا جگ چھان لیا
ساجن کو پہچان لیا

—✻✻✻—

تیسری داستان

[۱]

آگ دل میں لگا کے چھوڑ گئے تاب غم آزما کے چھوڑ گئے
چارہ سازوں سے اب کسے امید تم ھی اپنا بنا کے چھوڑ گئے

[۲]

ایک تیرے سوا مرے قاتل کون ھے جس کو چارہ ساز کہیں

[۳]

میرا ھادی مرا حبیب ھوا مل گیا ایک مہرباں مجھکو
لے گیا اپنے ساتھ درد مرا دے کے آرام جسم و جاں مجھکو

[۴]

درد اس کا شدید تر ھو جائے جس کا محبوب چارہ گر ھو جائے
اور کوئی ھو چارہ ساز اگر چارۂ درد بے اثر ھو جائے
اس کو حاجت نہیں مسیحا کی جس پہ محبوب کی نظر ھو جائے

[۵]

جب سے محبوب چارہ ساز ھوا ھو گیا دور دل کا ھر آزار
وھی غمخوار بن کے آیا ھے ھم سمجھتے رھے جسے قہار
ایک انعام ھے دل پُر خوں ایک نعمت ھے زخم خنجر یار
ھاتھ اس کا رگوں پہ رھتا ھے آشنائے نفس ھے وہ ھشیار

[۶]

کیسا تڑپنا کراھنا کیسا نغمہ زن ھیں رگیں مثال رباب
وھی مرھم عطا کرے گا مجھے جس نے دل کو کیا جلا کے کباب
اس کا شکوہ کریں کہ شکر کریں خود ھی راحت ھے اور خود ھی عذاب

[۷]

رہ عزت ھو یا رہ ذلت میں ھوں اور شوق جادہ پیمائی
کرے گمراہ یا بنے رھبر سرفرازی ملے کہ رسوائی

[۸]

رازدارانہ طور پر اس نے عاشقی کے رموز سمجھائے
دولت صبر دی کہ درد مرا چارۂ درد خود ہی بن جائے
لے کے بیٹھا ہوں جنس عجز و نیاز آج تک خود نہ سامنے آئے

[۹]

اس کے در پر جھکی ہے جس کی جبیں اور در ہوگئے سب اس پہ حرام
تو بھی اس کے حضور سر کو جھکا دل میں کب تک یہ آرزوئے سلام

[۱۰]

اس قدو بھی وہ بے نیاز نہیں ہر نظر میں پیام ہوتا ہے
لب جاناں خموش رہ کر بھی کتنا شیریں کلام ہوتا ہے

[۱۱]

تو کرم کو سمجھ رہا ہے ستم یہ ہے تیرا قصور۔ کم بینی
تو نے تلخی کہا اسے ورنہ اس کی ہر بات عین شیرینی

[۱۲]

جو دانستہ تجھے اپنا بنائے کہاں وہ شکوۂ غم لے کے جائے

[۱۳]

تجھکو جس کی بڑی تمنا ہے آپ ہے وہ ترا تمنائی
ذکر جس کا تری زباں پر ہے خود ترے ذکر کا ہے شیدائی
دشنہ در دست اور قند بلب ہائے اے دوست تیری خود رائی

[۱۴]

مسکرا کر کبھی پکارا تھا میرے محبوب نے مجھے اک بار
پھر مرے دل میں عمر بھر کے لئے رہ گیا اس کا درد بے آزار

[۱۵]

میں نے صبح الست دیکھی تھی تابش جلوۂ رخ جاناں
چٹکیاں لے رہا ہے رگ رگ میں آج تک اس کا درد بے درماں

[۱۶]

جنھیں تیری محبت کی لگن ہے انھیں شکوہ نہیں رنج و بلا کا

وہ سب سے پوچھتے ھیں مسکرا کر		کہاں ہے ھاتھ اپنے دلربا کا
دلیل۔ قرب ہے آن کی شہادت		یہی جینا ہے بس اھل۔ وفا کا

[۱۷]

نوید۔ قتل شیوہ دلربا کا		ترا مسلک تہ۔ شمشیر رھنا
اجل کا سامنا کر، یہ کہاں تک		خودی سے پائے در زنجیر رھنا

[۱۸]

خوف کیسا عتاب۔ جاناں سے		اس کی نفرت میں بھی محبت ھے
مہرباں ھو کہ بدگماں ھو جائے		جو تعلق ھے وہ غنیمت ھے

[۱۹]

قتل کے بعد قتل سے پہلے		اپنے مقتول کی نگہداری
کیوں نہ ھو اس کے زخم خوردہ کو		راحت۔ روح ایسی دلداری

[۲۰]

خود نگہدار اور خود قاتل		کیوں مرے چارہ ساز، یہ کیا ھے
پیار کرنا عتاب بھی کرنا		ناز ھے یا نیاز، یہ کیا ھے

[۲۱]

کیسی دوری کہاں کی نزدیکی		رمز۔ محبوب دیکھتے جاؤ
رفعت۔ دار یا فراق۔ یار		جو بھی حصے میں آئے اپناؤ۔

وائی

وھی بپتا میں کام آئے میرا روگ مٹائے
وھی دیالو اپنی دیا سے میری دھیر بندھائے
نیارے روپ دکھائے میرا روگ مٹائے
وھی نردھن کا رکھوالا دیکھ، دیکھ کو آئے
دکھیا من بہلائے میرا روگ مٹائے
وھی آئے دکھ لے جائے تو جیون سکھ پائے
پھر جی مرا گھبرائے میرا روگ مٹائے
کہے "لطیف" کہ مجھکو سکھیو چنچل پریتم بھائے
نینوں سے برسائے میرا روگ مٹائے

سریمن

سر یمن

پہلی داستان

[۱]

تو میرا درد، میری دوا، میرا چارہ ساز　　تجھ سے چھپا نہیں مری درماندگی کا راز

[۲]

میں جانتا ہوں مرے چارہ گر کہ تیرے سوا　　نہ راس آئے گی دل کو کسی کی چارہ گری

مرے حبیب، مرے چارہ گر، مرے مالک　　علاج ہے مرے غم کا تیری ہی چارہ گری

[۳]

تیری ہر اک خلش مرے حق میں دوا ہوئی　　ورنہ جہاں میں کس کو دوا سے شفا ہوئی

[۴]

فریب چارہ گری میں مریض آ نہ سکا　　جو درد تونے دیا تھا کوئی مٹا نہ سکا

[۵]

دیکھتے کیا ہو خنجر مارو اپنا ہاتھ اٹھاؤ　　گھائل کردو، جان بھی لے لو، میری آن بڑھاؤ

[۶]

ہاتھ اٹھاؤ خنجر مارو، مجھکو موت گوارا ہے

کہہ نہ سکوں گی میں یہ کسی سے تم نے مجھکو مارا ہے

[۷]

کھینچو تیر کماں سے فوراً مارو ہاتھ اٹھا کر

صرف تمہاری ہو جاؤں گی میں فتراک میں آکر

[۸]

ناوک افگن جہاں وہ ہوتا ہے　　ہوش ہر چارہ ساز کھوتا ہے

[۹]

ہو بڑا ہی کرم مرے محبوب تو اگر خود کرے مجھے گھائل
عمر بھر زخم کھائے اور نہ ہو دل کسی چارہ ساز پر مائل

[۱۰]

کوئی دیکھے وہ آخری منظر تیر جب اس کا دل میں لگتا ہے
اور کچھ دیر اس کا دیوانہ موت کی گود میں سسکتا ہے

[۱۱]

آھنی تیر جسم میں آترے اور عشاق ہوگئے گھائل
چارسو زخم خوردہ جسم ہی جسم خون آلودہ ہر طرف بسمل
اپنے زخموں کے آپ ہی مرہم چارہ سازوں سے بے نیاز ہے دل
کاش ان سربریدہ لوگوں سے اک شب قرب ہو مجھے حاصل

[۱۲]

قرب ان زخمیوں کا ہو اک رات درد بھی جن کا جاں نواز ہوا
خلوت روح میں بسا اوقات عشق خود ان کا چارہ ساز ہوا

[۱۳]

زخمیوں کا یہ کلبۂ خاموش اور مسلسل کراہنے کی صدا
شام ہی سے ہر ایک بسمل کو مرہم زخم دل کا فکر رہا

[۱۴]

آج پھر زخمیوں کے مسکن سے آئی اندوہ ناک ایک صدا
چارہ سازوں نے اپنے ہاتھ بڑھائے اور ہر زخم کھول کر دیکھا

[۱۵]

ہائے یہ زخم خوردگان وفا شکر فرما بصد شکیبائی
قرب منزل نہیں انہیں درکار آن کا مسلک ہے جادہ پیمائی

[۱۶]

تذکرے کشتگان شوق میں ہیں درد کی دلنواز لذت کے
لب خاموش اس کے شاہد ہیں ہیں وہ راز آشنا محبت کے

[۱۷]

جس کی فطرت میں ہو تن آسانی جس کی آرام سے گذرتی ہے
کیا خبر اس کو خستہ حالی پر بے بسی کتنے وار کرتی ہے

ایک کروٹ بھی لے نہیں سکتا ٹیس زخموں کي جب ابھرتی ھے
رات اس با وفا کی رو رو کر یادِ محبوب میں گذرتی ھے

[١٨]

زخمِ دل سے جنھیں فراغت ھے درد رھتا ھے ان کے دل سے دور
کیا خبر ان کو کس اذیت سے لوٹتے ھیں زمیں پر رنجور
دائمی کرب، مستقل آزار جسم زخموں کی یورشوں سے چور
پھرؔ بھی ثابت قدم محبت میں رات بھر اشکباریاں دستور

[١٩]

مری ماں! یہ آرائشِ اشکباری یہ بہرِ نمائش غم و بے قراری
نہیں نام اس کا محبت شعاری کجا یادِ جاناں کجا آہ و زاری

وائی

کیا اس کو کوئی مٹائے یہ روگ ھے میرے من کا
مرے دل میں درد سجن کا
اے چارہ سازو! جاؤ لیجاؤ دوائیں اپنی
یہ گھاؤ ھے مجھ برھن کا
مرے دل میں درد سجن کا
وہ جی کا جیارا آئے جیون کا روگ مٹائے
دن آئے پریت ملن کا
میرے دل میں درد سجن کا

—⊱⋇⊰—

دوسری داستان

[۱]

اے چارہ گر تجھے مرے غم کی خبر کہاں جو چارۂ فراق ہے وہ چارہ گر کہاں
میرے ہر ایک درد کا درماں ہے وہ حبیب اس کے بغیر چارہ گری میں اثر کہاں

[۲]

ہم درد مند چارہ گروں سے الجھ پڑے جتنے بھی تھے علاج کے در بند ہو گئے
آخر کہیں سے ڈھونڈ کے لائے آسے یہاں وہ آئے، اہل درد تنومند ہو گئے

[۳]

بے اعتدالیوں سے نحیف و نزار ہیں خودسر ہیں اور چارہ گری کے شکار ہیں

[۴]

بے اعتدالیاں ہوں تو کیا چارہ گر کرے پرہیز ہی نہ ہو تو دوا کیا اثر کرے

[۵]

کیا ان اپاہجوں کو کسی چارہ گر سے کام آن کو دوا سے اور نہ دوا کو اثر سے کام

[۶]

وہ آئے درد و رنج و الم خواب ہو گئے ناقابل شفا تھے شفایاب ہو گئے

[۷]

افسوس! چارہ گر مرا درماں نہ کر سکے یعنی علاج دیدۂ حیراں نہ کرسکے

[۸]

ہر بو الہوس فریبِ ہوس میں جو آگیا وہ ترکِ اعتدال سے نقصان اٹھا گیا
فطرت سے جس کو روحِ توانا عطا ہوئی وہ خوش نصیب ہر غمِ ہستی پہ چھا گیا

[۹]

اپنے محبوب سے اگر ہے پیار سیکھ لے پہلے چور کے اطوار
رات بھر جاگنا ہو کام ترا نیند کا سکھ نہ ہو تجھے درکار
تھک بھی جائے جو دوڑ دھوپ سے تو دل نہ ہو دوڑ دھوپ سے بیزار
اک ترے دل میں اک زباں پر ہو خوفِ تعزیر، جرم سے انکار
ٹکڑے ٹکڑے ترے اگر اڑجائیں نہ کرے آن کے راز کا اظہار

[۱۰]

اپنے گھر سے نکال کر مجھکو چارہ سازوں نے جب کیا مطعون
جس نے بھی دیکھا مجھ کو ٹال دیا اس قدر بہہ چکا تھا زخم سے خون
اس نے آ کر مجھے بحال کیا اس کے لطف و کرم کا ھوں ممنون

[۱۱]

چارہ گر آکے بیٹھے ھی تھی ابھی کہ وہ صورت بھی سامنے آئی
بازوؤں میں سکت ھوئی محسوس اور دل میں نئی توانائی
میرا دکھ درد ھوگیا سب دور میں نے دیدار سے شفا پائی

[۱۲]

آپ زخمی کیا مرے دل کو آپ زخموں کا اِندمال کیا
غمزدہ روح، ناتواں دل کو دولتِ قرب سے بحال کیا

[۱۳]

بن گئی میری جان پر آخر یہ نہ سمجھے مری پریشانی
جا کے محبوب کو بتاؤں گا اپنے چارہ گروں کی نادانی

[۱۴]

چارہ گر رایگاں ھے چارہ گری جاہ بگڑنے دے میری حالت کو
درد جس نے عطا کیا ھے مجھے شاید آجائے وہ عیادت کو

[۱۵]

چارہ سازوں میں بیٹھنا سیکھو پھر نہ ھوگا کبھی کوئی آزار
راس آئے گا آن کا قرب تمھیں جو بدلتے ھیں فطرتِ بیمار

[۱٦]

چارہ سازوں میں رات دن رھنا ھائے یہ بے بسی یہ بوالعجبی
ذلتِ اھلِ درد چارۂ غم ننگِ اھلِ وفا دوا طلبی

[۱۷]

داغ کر جسم اور تڑپایا کن نگہبانیوں سے مارا ھے
مجھ کو نادان چارہ سازوں نے اپنی نادانیوں سے مارا ھے

[۱۸]

ھو گئیں چارہ سازیاں ناکام وھی محبوب دکھ مٹائے گا
ھاتھ رکھے گا جب مرے دل پر دل کو آرام آ ھی جائے گا
اس نے جس کی مزاج پرسی کی دکھ نہ پھر اس کے پاس آئے گا

[۱۹]

کر چکے اھل درد جب فریاد مہرباں چارہ گر نظر آیا
پڑ گئی جان ناتوانوں میں وہ جہاں جلوہ گر نظر آیا

وائی

کرنا میری رکھوالی — اے پیارے ساجن میرے
مرتی ھوں درد سے تیرے
نردوش ھے جیون میرا — بپتا ھے مجھ کو گھیرے
مرتی ھوں درد سے تیرے
بیٹھی ھوں آس لگائے — مرے دن اب توھی پھیرے
مرتی ھوں درد سے تیرے

—✱—

تیسری داستان

[۱]

مسلسل بے کلی فریاد پیہم بڑی سفاک ھے یہ یادِ خوباں
جلا کر راکھ کردیتی ھے دل کو یہ چنگاری ھے کتنی شعلہ ساماں
مری اس بات کے شاھد ھیں دونوں یہ جوئے اشکِ گرم و آہِ سوزاں

[۲]

لبوں پر نالہ ھائے جانستاں ھیں تو دل میں شعلۂ سوزِ محبت
تمہیں اس کا یقیں آئے نہ آئے تم آ کر دیکھ لو خود میری صورت

[۳]

نہ پوچھو التہابِ سوزِ ہجراں　کبابِ سیخ، دل ہو یا جگر ہو
کسے امید کیا چارہ گروں سے　تمہارے لطف پر جس کی نظر ہو

[۴]

لیا جس وقت کُہنی کا سہارا　مرے محبوب نے اک تیر چھوڑا
کمر میں ہوگیا پیوست پھر وہ　پروں کے ساتھ میرے تن میں اترا
گذر کر قلب سے پہنچا جگر تک　مرے قلب و جگر کو اس نے چیرا
نہیں امید کچھ چارہ گروں سے　سہارا رہ گیا ہے اب اسی کا

[۵]

وہ اس کا سنسناتا تیر توبہ　وجود اپنا دگرگوں میں نے پایا
یہ پوچھے جاکے اس دلبر سے کوئی　کہ اب ہاتھوں کو کچھ آرام آیا

[۶]

دوبارہ سنسناتا زنزناتا　جگر کے پار اسی کا تیر پہنچا
بالآخر یوں ہوا پیوست دل میں　کہ پھر کھینچے سے بھی باہر نہ آیا

[۷]

کچھ ایسا کس کے تونے تیر مارا　کہ لگتے ہی جگر کے پار پہنچا
تجھے میں نے مرے بھولے شکاری　بڑا مشاق تیر انداز پایا

[۸]

کبابِ سیخ اک مدت سے ہوں میں　رگ و پے میں ہے اب تک سنسنی سی
مرے محبوب تونے پھونک دی ہے　کلیجے میں مرے اک دھونکنی سی

[۹]

پسند انکو ہے کیوں سوزِ محبت　یہ رازِ عشق پروانوں سے پوچھو
مزا آتا ہے کیا جلنے میں آخر　ذرا اِن سوختہ جانوں سے پوچھو

[۱۰]

اگر تم بھی ہو پروانوں میں شامل　تو آؤ اور یہ شعلہ بجھاؤ
ہزاروں، آنچ پر اس کی جلے ہیں　مزا جب ہے کہ تم اس کو جلاؤ
کہیں ظاہر نہ ہوجائیں کسی پر　رموزِ عاشقی دل میں چھپاؤ

[۱۱]

اگر تم بھی ہو پروانوں میں شامل تو اِن شعلوں میں آ کر کود جاؤ
جلو اس آگ میں جب تک ہے جینا لگی اپنی نہ غیروں کو دکھاؤ

[۱۲]

اگر تم بھی ہو پروانوں میں شامل تو شعلے دیکھ کر واپس نہ آؤ
یہ جلتی آگ اُس محبوب کی ہے جھجکتے کیوں ہو فوراً کود جاؤ
یہ بے نوری یہ بے سوزی کہاں تک بڑھو سب خامیاں اپنی مٹاؤ

[۱۳]

ابھی کچھ جمع پروانے ہوئے تھے وصالِ شمع کی ٹھانے ہوئے تھے
کوئی اِن سوختہ جانوں سے پوچھے رخِ تاباں پہ دیوانے ہوئے تھے

[۱۴]

شباہت زرد پھولوں کی طرح ہے دہکتی آگ پر منڈلا رہے ہیں
صلائے عام ہے یہ شمع کی لو پتنگے راستہ دکھلا رہے ہیں

[۱۵]

بجھاؤ آنسوؤں سے آتشِ تن نہیں ان کے سوا غمخوار کوئی
میسر ہو اگر عزلت نشینی تو پھر منزل نہیں دشوار کوئی
یہاں اہلِ جہاں سے دل لگا کر نہ پائے گا سراغِ یار کوئی

[۱۶]

بشر کو تونے اے تنوّرِ عرفاں سراپا سوختہ ساماں بنایا
کسی کو بھی ترے ایندھن سے میں نے کبھی مل کر جدا ہوتے نہ پایا
بہر عنوان اے محبوب تونے محبت کرنے والوں کو جلایا

[۱۷]

رہِ عرفاں میں جو سالک دلِ فولاد رکھتے ہیں
اُنہیں اے دوست! آہن گر ہمیشہ یاد رکھتے ہیں

[۱۸]

کان میں پھر ہے دھونکنی کی صدا برسرِ کار ہے وہ آہن گر
اُٹھ رہے ہیں مجاز کے شعلے ڈالتا جا رہا ہے وہ اخگر

مجھ سے اے میرے دھونکنی والے — اب نہ جانا کہیں جدا ہو کر
پارہ پارہ نہ ہوکے رہ جائے — خام لوہا دھکتے شعلوں پر

[۱۹]

ڈر گئے شعلۂ محبت سے — آگ سے دور ہی رہے اکثر
حیف صد حیف دھونکنی والو — کون کہتا ہے تم کو آہن گر

[۲۰]

کچھ تعجب نہیں بنادے وہ — تمہیں فولاد سے بھی محکم تر
پہلے سر کو بناؤ تم سنداں — پھر بتائیں نشان آہن گر

[۲۱]

جذبۂ جاں کنی بڑھائے جا — تو کہ سنداں ہے چوٹ کھائے جا

[۲۲]

ادھر دھونکنی ہے وہ چنگاریاں ہیں — محبت کی سب شعبدہ کاریاں ہیں

[۲۳]

دیکھ یہ شعلۂ محبت ہے — جل کے بجھتا ہے بجھکے جلتا ہے
کیسے ہر آرزوئے ہستی کو — مسکراتے ہوئے نگلتا ہے

[۲۴]

آج پھر آگئے وہ صیقل گر — آب آنے لگی ہے تیغوں پر

[۲۵]

صیقل گر عشق آگئے جب — فولاد سے زنگ اڑگیا سب

[۲۶]

زنگ اترتا ہے جل کے لوہے سے — دھونکنی اپنی چال چلتی ہے
دیکھ کر صورتیں ہتھوڑوں کی — جیسے سنداں کو چوٹ کھلتی ہے
بھیڑ آہن گروں کی ایندھن پر — دیکھیے کتنے رخ بدلتی ہے

[۲۷]

نہ ہونگی آن کی تیغیں زنگ خوردہ — یہ صیقل گر ہیں اپنے فن میں پختہ

وائی

مٹ جائے نراشا میری آجائے پریتم پیارا
وہ میرے جی کا جیارا
دیجائے دکھیا من کو جیون کا سکھ دوبارا
وہ میرے جی کا جیارا
آتا ھے یاد وہ ساجن روتا ھے من بیچارا
وہ میرے جی کا جیارا
مرے پیاسے من کو اس کی آشا ھے امرت دھارا
وہ میرے جی کا جیارا
روگی کا روگ مٹائے ساجن کا ایک اشارا
وہ میرے جی کا جیارا
چمکیلی چھب دکھلا کر چمکاتا ھے جگ سارا
وہ میرے جی کا جیارا
سب دور ھوئیں بپتائیں جب اس نے مجھے پکارا
وہ میرے جی کا جیارا

چوتھی داستان

[۱]

بیک جام دو طالب کیف و مستی ۔۔۔ نہیں ھے یہ دستور بادہ پرستی
وھی ھے سزاوار قرب الستی ۔۔۔ رھا جس کے دل میں نہ احساس ھستی

[۲]

بیک جام دو تشنہ کامان الفت ۔۔۔ یہ دستور ھے مانع وصل جاناں
بجز جانگدازی بجز جاں نثاری ۔۔۔ میسر نہیں اتصال محبتاں

[۳]

بیک جام دو تشنہ کامان مستی ۔۔۔ طریقہ نہیں ھے یہ اھل وفا کا
شریک صراحی مغنی و شاعر ۔۔۔ مگر فرق کتنا ھے صوت و غنا کا
محبت میں تفریق ھستی نہیں ھے ۔۔۔ محبت میں تقسیم مستی نہیں ھے

[۴]

بڑے فتنہ گر ہیں حریفانِ کثرت　　انہیں دیکھ کر مجھکو ہوتی ہے حیرت
مرے ہمنشیں ہیں وہ سرشار فطرت　　جنہیں زندگی ہے تمنائے وحدت

[۵]

مرا دل وہاں ہے جہاں جلوہ گر ہیں　　حدیں جزو و کل کی مٹا دینے والے
ذرا سی نگاہِ محبت کی خاطر　　سروں کو خوشی سے کٹا دینے والے

[۶]

یقیناً ہیں وہ ہستیاں برگزیدہ　　جنہیں زہر کا گھونٹ بھی انگبیں ہے
بڑے شوق سے پی، ملے تجھکو جو کچھ　　کہ ہر جام ان کا خمار آفریں ہے

[۷]

بفیضِ طریقت بحسنِ عقیدت　　بڑھے ساقیا تیرے کوچے کی عزت
پلانا ذرا تشنہ لب راہیوں کو　　چھپا کر نہ رکھنا شرابِ محبت

[۸]

پلا تشنہ لب راہگیروں کو ساقی　　چھپا کر نہ رکھ یہ شرابِ محبت
وہ جرعے جو تو ان غریبوں کو دیگا　　غمِ زندگی بھی نہیں ان کی قیمت

[۹]

تشنج سا ہے ان کے کام و دہن میں　　مگر زہر پینے سے ہے کتنی رغبت
وہ ان چند جرعوں سے کب سیر ہونگے　　خموں سے نہ بھرتی ہو جنکی طبیعت
سرور ان کو آتا نہیں دختِ رز سے　　یہ ہیں ساقیا تشنہ کامانِ الفت

[۱۰]

خموں میں بھری ہے شراب بہاراں　　فضا کیف پرور ہوئی جا رہی ہے
بلا نوش ہیں سر بکف آج ساقی　　پلانے کو بادِ شمال آرہی ہے

[۱۱]

صبوحی کو آتا رہے جوش ساقی　　بہکتے رہیں صاحبِ ہوش ساقی
برستی رہے بادہ آلود شبنم　　سحر خیز ہیں تیرے مے نوش ساقی

[۱۲]

بلا نوش رندوں سے پالا پڑا ہے　　ہوس جاوداں میرے ساقی رہے گی
یہ پی جائیں گے جسقدر پی سکیں گے　　مگر تشنگی پھر بھی باقی رہے گی

[۱۳]

جان لیوا تھا اذنِ عام ان کا — کیا خطا اس میں بادہ نوشوں کی
بادہ نوشوں پہ آگیا الزام — رہ گئی بات مے فروشوں کی

[۱۴]

یہ بلا نوش سر بھی جائیں اگر — بات آنے نہ کوئی اس کے سر
کون جانے بغیر ساقی کے — کیسی گذرے غریب رندوں پر

[۱۵]

وہ بلا نوش مر گئے آخر — آزمائے گی اب شراب کسے
وہ وفا کیش دوست ھی نہ رہے — اب تری خود سری کی تاب کسے

[۱۶]

اِن بلا نوش مے پرستوں کو — یہ نہ سمجھو شراب نے مارا
ھائے اس کا کلام زھرہ گداز — ان کو جس کے خطاب نے مارا

[۱۷]

اپنے ساقی کا اے بلا نوشو! — راس آئے گا آسرا تم کو
خم ھے مینا ھے جام و ساغر ھیں — اب ھے درکار اور کیا تم کو

[۱۸]

زیر خنجر بھی ناؤ و نوش میں گم — جان نثارانِ مے پرستی ھیں
کیا کمی ان کو کیف و مستی کی — واقفِ رازِ کیف و مستی ھیں

[۱۹]

زھر نوشی سے جو نہ گھبرائے — خوش رہے ان سے اھلِ میخانہ
سید ان کا ھجومِ طوفان خیز — اور ساقی کا ایک پیمانہ
موت کے بعد بھی بسا اوقات — تشنہ رھتی ھے روحِ رندانہ

[۲۰]

سرفروشی ھے شیوۂ رنداں — اتنے مانوس ھیں شہادت سے
ان کے نزدیک قیمتِ ساغر — کہیں افزوں ھے سر کی قیمت سے

[۲۱]

شراب ھر اک خم میں منفرد ھے — جدا ھر ساغرِ مے کی ھے رنگت
تری چشمِ کرم کو جانتے ھیں — بخوبی مے کشانِ حسنِ فطرت
"لطیف" اس خمکدے میں کاسۂ سر — فقط اک جرعۂ مے کی ھے قیمت

[۲۲]

سبق آموز ہے خواروں کو دیکھو　　ملو اِن ۔ برگزیدہ ہستیوں سے
محبت کے خریداروں کو دیکھو　　سراپا شعلہ' جان سوز ہیں یہ

[۲۳]

عطا کرتے ہیں شب بیدار ساقی　　بجائے ساغر۔ مے چشم پُرنم
مری تشنہ لبی ابتک ہے باقی　　مگر اِس فیض سے محروم ہوں میں

وائی

مرا انگ انگ مسکائے، مرے دوارے ساجن گائے
دن پریت ملن کے آئے

دن ڈھلتے ہی مرے ساجن، کتنی سندرتا لائے
دن پریت ملن کے آئے

پھر بھاگ نے کایا پلٹی، برھا کے روگ مٹائے
دن پریت ملن کے آئے

وہ پاس ہے میرے من کے، جگ جس کو دور بتائے
دن پریت ملن کے آئے

کہتا ہے "لطیف" کوی، یہ دیالو کی دیا سہائے
دن پریت ملن کے آئے

پانچویں داستان

[۱]

رازدارانِ منزلِ مقصود　　ے نیاز ہجوم راهگذار
جاوداں ان کا سایہ' مسعود　　رہ روان طریق عشق و وفا
ہوگئے ایک شاهد و مشہود　　اے خوشا پاکبازی و رندی

[۲]

ذکرِ حق سے جو بھید ان پہ کھُلے کب کسی اور کو بتاتے ہیں
سانس جیسے رگوں میں پھرتی ہے جزو و کل میں وہ یوں سماتے ہیں

[۳]

پا گئے کچھ تو ہو گئے غمگیں کچھ نہ پایا تو شاد کام رہے
بس وہی اہلِ معرفت کہلائے خود سے بیگانہ جو مدام رہے

[۴]

کیا کہوں رمزِ صاحبِ عرفاں کوئی اس کے رموز کیا جانے
اپنی ہستی سے جنگ ہو جس کی دشمنوں کو جو دوست گردانے

[۵]

مرد عارف وجود خاکی کو کسوتِ آئینہ بناتا ہے
پھر اس آئینے میں رخِ محبوب اپنا جلوہ انہیں دکھاتا ہے

[۶]

نذرِ آتش کریں کلاہِ خودی ورنہ اہلِ صفا نہ کہلائیں
اہلِ دل کے لیے نہیں ہوتیں حسرتیں، خواہشیں، تمنائیں

[۷]

سر پہ رکھتے ہو تم کلاہ اگر آؤ اپناؤ عارفوں کی آن
ڈھونڈ لاؤ وہ ساغرِ زہر اب جس کے پینے سے کچھ ملے وجدان

[۸]

اسم اعظم ہو یا ہو ذکرِ جلی ہے بہر طور ایک ہی مفہوم
جیسے ہوتا ہے سیپ میں موتی ہے یونہی دل میں ذاتِ نامعلوم
غیر کے در سے کچھ نہ پائے گا اس کے در سے جو ہو گیا محروم

[۹]

رقص میں، محورِ خودی پر ہے فہم و ادراکِ ابنِ آدم کیا؟
اک تری شعبدہ گری کے سوا میرے مولا! بساطِ عالم کیا

[۱۰]

موجزن چشمۂ حقیقت ہے محو طالب شعورِ کثرت میں
مجھے اقوالِ پیر رومی اور ڈالتے جا رہے ہیں حیرت میں
کیوں یہاں رونما ہوا انسان اک معما کہ خواب ہے یہ جہان

[١١]

موجزن چشمِ حقیقت ہے　　اور طالب شکارِ کثرت ہیں
پیرِ رومی کے جاوداں اقوال　　رہنمائے رہِ حقیقت ہیں
دیکھ کر اپنی منزل مقصود　　کتنے خاموش اہلِ حیرت ہیں

[١٢]

محو طالب شعورِ کثرت میں　　موجزن چشمِ حقیقت ہے
بے حجاب آئیں سامنے تو کہوں　　کیا ہیں وہ اور کیسی صورت ہے

[١٣]

دوستو! خوب دلنشیں کر لو　　قولِ رومی کہ بیش قیمت ہے
محو طالب فریبِ کثرت میں　　موجزن چشمِ حقیقت ہے
ختم اپنے وجود کو کردے　　گر طلبگارِ حسنِ وحدت ہے

[١٤]

دوستو! خوب دلنشیں کرلو　　قول رومی پیامِ راحت ہے
محو طالب فریبِ کثرت میں　　موجزن چشمۂ حقیقت ہے
جس نے دیکھی وہ ہستئی مطلق　　وہ مجسم سکوتِ حیرت ہے

[١٥]

ذاکر اس کا ہے بزمِ رومی میں　　ذات جس کی دلیل وحدت ہے
محو طالب فریبِ کثرت میں　　موجزن چشمۂ حقیقت ہے
توڑ دے ہجر کے در و دیوار　　گر تجھے آرزوئے خلوت ہے

[١٦]

جو بظاہر ہیں ننگ اہلِ جہاں　　ان کا باطن ہے چشمۂ عرفاں
ان کے لب پر ہے وردِ حقانی　　اور سینے میں عشق کا پیکاں

[١٧]

لب سراسر سکوتِ بے پایاں　　دل ہی دل میں کسی کا ذکر بھی ہے
صرف دکھ درد کی کتاب نہیں　　ان کے حصے میں لوحِ فکر بھی ہے

[١٨]

وادیٔ بے نہایتِ عرفاں　　تنگنائے حیات کی منزل
عارفانِ خدا کو دنیا میں　　جز الف کچھ نہ ہو سکا حاصل

[۱۹]

درمیاں پردۂ دوئی نہ رہا
ملگئی جس کو قربتِ رحمان
رہروِ تنگنائے ہستی پر
راہِ دشوار ہوگئی آسان

[۲۰]

کیوں ہو تم رات دن ورق گرداں
وہ سبق یاد کیوں نہیں کرتے
حرف آغاز ہے الف جس کا
ورد سے جس کے جی نہیں بھرتے

[۲۱]

بد نصیبی کی انتہا ہے یہ
علم سے کچھ نہ ہو سکا حاصل
راہِ الفت نہ مل سکی تجھکو
اور خود گم ہے عقل کی منزل
جز عزازیل کوئی کیا جانے
لذتِ سوز و عشرتِ غمِ دل

[۲۲]

وہ عزازیل عاشقِ صادق
سرخرو کر گیا جسے انکار
آپ اپنی ہی آگ میں سوزاں
آپ اپنی شراب سے سرشار

[۲۳]

وہ سبق جو پڑھا تھا روزِ ازل
ایک بھی سطر اس کی یاد نہیں
یہ اسی بھول کا ہے خمیازہ
کوئی مجھ سا بھی بے سواد نہیں

[۲۴]

حاصلِ فکر و غور کچھ بھی نہیں
توھی تو ہے بس اور کچھ بھی نہیں

[۲۵]

نہ رہا کوئی پردۂ حائل
صلۂ جستجوے حق پایا
رازدارِ ازل سے ہوں دو چار
یاد بھولا ہوا سبق آیا

[۲۶]

بات وہ جس سے قلبِ انساں کو
گمرہی سے نجات ہوتی ہے
ہیچ ہر بات سامنے اُس کے
بس وہی بات بات ہوتی ہے

[۲۷]

دل میں سوزِ نہاں نہیں رکھتے
زہر ہستی پیے ہی جاتے ہیں
ہائے یہ خود فریب اہلِ خرد
ظلم دل پر کئے ہی جاتے ہیں

[۲۸]

گمرھی کی دلیل اس سے گریز — لازمی امتیاز میم و الف
بس یہی ایک لے ترنم ریز — خلوت فکر میں رھے لب پر

[۲۹]

الف کے سوا کچھ نہیں جن کو یاد — وھی لوگ کہلائے روشن سواد

[۳۰]

جذب کامل ھے رفعت کردار — خود فریبی ھے لذت گفتار
دور اس سے وہ علم ھے بیکار — گمرھی کے قریب جو لے جائے

[۳۱]

لا و اِلاّ کا فرق مٹ ھی گیا — اس میں ھو کر میں غرق مٹ ھی گیا

[۳۲]

کاغذوں پر یہ نقش فرمائی — روشنائی کا مصرف بیجا
راھزن یہ عبارت آرائی — منزل شاھد حقیقت دور

[۳۳]

کیوں لگایا ھے سامنے نادان — تہ بہ تہ کاغذوں کا یہ انبار
فائدہ کیا ورق الٹنے سے — ایک ھی لفظ ھے تجھے درکار
صرف چلہ کشی سے کب ھوگا — حسن محبوب کا تجھے دیدار

وائی - ۱

جیون آشا من کو کھینچے
ساجن آؤ راہ دکھانے — روک ٹوک سے جیا نہ مانے
میں ساجن کی بنوں دلاری
ھم دونوں کے بیچ میں کوئی — بادھا پانے نہ آنے
روک ٹوک سے جیا نہ مانے

تکوں سہارا کیوں میں کسی کا
کیا لینا ھے اب اوروں سے — پریتم جب پہچانے
روک ٹوک سے جیا نہ مانے

کیا اچھا ھو پیا کی ھوکر
انگ انگ کو کروں نچھاور — آئے پیا منانے
روک ٹوک سے جیا نہ مانے

مرنے سے کب ڈرتی ھوں میں
پریت کی ریت پہ مرتی ھوں میں — ملن کے روپ سہانے
روک ٹوک سے جیا نہ مانے

وائی - ۲

میرا کہنا بھول نہ جا — جوبن دو دن کی مایا
بھور بھئے ھر پاہن کی — درگت ھوتے دیکھ دشا
جوبن دو دن کی مایا
نندیا کا جو میت ھوا — پریتم کو اس نے کھویا
جوبن دو دن کی مایا
سکھیو یہ جھوٹا بندھن — نیند کا نینوں سے ناتا
جوبن دو دن کی مایا
کوری آنکھوں کاٹے رین — میت وھی میرے تن کا
جوبن دو دن کی مایا
آدھی رات ھے دور ھٹا — نیند کی نینوں سے چھایا
جوبن دو دن کی مایا

چھٹی داستان

[۱]

لحن داؤد ہے نوا اس کی ہم غریبوں کی بے نوائی کو
شہسواری ہے بادپا اس کی زیرِ پائے سمندِ ناز ہیں ہم

[۲]

دیدنی کیفیت ہماری ہے لحنِ داؤد ہے فضاؤں میں
خود نگر اس کی شہ سواری ہے زیرِ پائے سمندِ ناز ہیں ہم

[۳]

اپنے مستوں پہ ظلم ڈھاتا ہے میرے قابیل تیرا تیرِ نظر
جرأتِ شوق آزماتا ہے کر کے گھائل نہ جانے کتنوں کو

[۴]

ہم فقیروں کو کر گیا گھائل میرے قابیل تیرا تیرِ نظر
دوسرا مارنے سے کیا حاصل ہمیں اک تیر کی بھی تاب نہ تھی

[۵]

کر رہے ہیں "لطیف" کو گھائل تیر ہائے نظر ترے قابیل
جن کو تیری رضا نہیں حاصل کیا خبر ان کو درد کیا شے ہے

[۶]

تونے تیکھی نظر سے تیر چلائے میں نے دیکھا ہے اے مرے قابیل
وار پہلا ہی جب نہ خالی جائے دوسرے تیر کی ضرورت کیا

[۷]

اپنا سینہ سپر بناؤ تم تیر جب وہ کمان میں کس لیں
سامنے آ کے زخم کھاؤ تم ناوک افگن ہے عشوۂ خوباں
آؤ کامل یقیں سے آؤ تم منزلِ دار حاصلِ دارین

[۸]

اپنا سینہ سپر بنا لینا جب وہ اپنی کمان میں تیر کسیں
صبر سے زخم دل پہ کھا لینا ناوک افگن ہے جنبشِ مژگاں
مدعائے حیات پا لینا رہ کے ثابت قدم محبت میں

[۹]

وہ کسی نے کمان میں تیر کسا آگے آ جاؤ تان کر سینہ
جب درِ دوست پر پہنچ جاؤ دل میں رکھنا نہ تم کوئی کینہ

[۱۰]

کہیں ایسا نہو مرے محبوب مجھ پہ تو وار کر کے پچھتائے
میری ہستی میں ھے تیرا پرتو تیر تیرا تجھے نہ لگ جائے

[۱۱]

ھائے اس نازنیں کی تیر کشی جس میں ھمت نہ تھی وہ ھار گیا
آ گئی راس جن کو مہر و وفا اُن کو پہلا ھی تیر مار گیا

[۱۲]

تیر لرزا ھوا میں اور لگا میں بھی اپنی جگہ سے ھل نہ سکا
کاش اک بار وہ جری محبوب پھر مرے دل پہ ھو کرم فرما

[۱۳]

ھدفِ تیر بن گئے عاشق خیر ھو عرصۂ محبت کی
سامنے جو بھی آ گیا "سید" تیر نے دی صدا ھلاکت کی
بر درِ دوست خامشی بر لب کوئی حد چاھیے تھی حیرت کی

[۱۴]

کارزارِ وفا میں کٹ جانا عاشقوں کا سنگار ھوتا ھے
کس تمنا سے سربریدۂ عشق قاتلوں پر نثار ھوتا ھے

[۱۵]

نعرہ زن عرصۂ محبت میں اس طرح ھو کہ باز گشت رھے
بر سر دار بھی اگر جائے پھر بھی اپنی زبان سے کچھ نہ کہے
عشقِ افعی مزاج کے انداز وھی سمجھے گا جو گزند سہے

[۱۶]

آئے وہ عرصۂ محبت میں جو نصیحت "لطیف" کی مانے
قاتلوں کی خوشی اِسی میں ھے پیش کردیں سروں کے نذرانے
عشقِ افعی مزاج کے انداز کوئی کیا جانے مبتلا جانے

[۱۷]

دوستو! عرصۂ محبت ہے　　اپنے سر کی نہ تم کرو پروا
باطل کم نگاہ کیا جانے　　ہے سر دار راہِ دار بقا
سانپ ہے عشق یہ وہی جانے　　جو اسے جسم سونپ دے اپنا

[۱۸]

بڑھو آگے بشانِ لاہوتی　　کود کر عرصۂ محبت میں
ختم کردو فسانۂ ہستی　　کیا ہے اب زندگی کی الفت میں
عشق ہے سانپ یہ وہی جانے　　زہر اُس کا ہو جس کی قسمت میں

[۱۹]

جسم اور روح کے تعلق کو　　لازمی ہے قریب تر ہونا
کھیل سمجھو نہ عشق کو یارو　　شرط ہے صاحبِ نظر ہونا
سر بہ نیزہ ہیں رہروانِ طلب　　طالبِ دوست سوچ کر ہونا

وائی

برہا کی ریت کٹھن ہے
میں پاپن ہوں میں پاپن
جو سیج پہ بھی نا سوئیں
نینوں سے نندیا کھوئیں
بیچین رہیں جو تجھ بن
میں پاپن ہوں میں پاپن
برہی کو نیند نہ آئے
ساجن کی یاد ستائے
وہ جاگے تارے گن گن
میں پاپن ہوں میں پاپن
کیا بات سمجھ میں آئے
جب پریت کی ریت سہائے
دوبھر ہو جائے جیون
میں پاپن ہوں میں پاپن

ساتویں داستان

[۱]

ہر تمنائے طالب وحدت ذکرِ اللہ سے مچلتی ہے
روح ان کی بس ایک آہ کے ساتھ جسدِ خاک سے نکلتی ہے

[۲]

عمر بھر بیقرار رہتے ہیں عاشقوں کے لیے کہاں آرام
کبھی محبوب نے جو شکوہ کیا پھر نہ آسودگی کا لیں گے نام

[۳]

تم تنومند اور توانا ہو عاشقوں کی ہے کیا بھی پہچان
وصل محبوب کے لیے بے تاب اُن کا دل اُن کی روح اُن کی جان
اور اک شاہد ازل کے سوا اُن کی نظروں میں ہر حسیں انجان

[۴]

موجزن ہے اگر رگوں میں لہو دعوی عشق سر بسر بے کار
زرد چہرہ ہے طالبوں کا نشاں زیب و زینت انہیں نہیں درکار
سیم و زر راہِ عشق میں حائل سرفروشی ہے عشق کا معیار

[۵]

درد سے آشنا جو لوگ نہیں عاشقی ان کے بس کا روگ نہیں

[۶]

دیکھنا چھپ کے جلوۂ محبوب طالبوں کے لیے ہے نازیبا
ان کا شیوہ ہے یہ تن آسانی جن کو رہتی ہو جان کی پروا

[۷]

آرزو مثل دار ہے گویا انتہا موت سے عبادت ہے
عمر بھر اس کا منتظر رہنا رہ روِ شوق تیری فطرت ہے

[۸]

خود تمنا کرے کوئی ورنہ اُن کو دیکھے جو ہیں تمنائی
نا شناس غمِ وفا ہے تو حیف تجھ کو طلب نہ راس آئی

[۹]

راہِ خوباں میں بیٹھ جا عاشق — ہو نہ تو ان کے در سے روگرداں
آن سے وابستہ تیری ہر تقدیر — اور وھی تیرے درد کا درماں
ان کے در کے بغیر ناممکن — عرصۂ زندگی میں امن و اماں

[۱۰]

راہِ خوباں میں بیٹھ جا عاشق — ھوں گے وہ تیرے حال کے پرساں
ان کا یمن قدم ھی رھبر ھے — ان کی چشم کرم ھے فیض رساں

[۱۱]

منزل عشق ھے درِ محبوب — سجدہ ریزی کرو عقیدت سے
کیا عجب تم پہ مہرباں ھوجائے — اور نوازے تمہیں محبت سے
کاش مل جائے خوب وزشت کا راز — تمہیں اس رھبرِ حقیقت سے

[۱۲]

جسم کو پارہ پارہ کرلینا — جب نظر آئے صورتِ خوباں
سرخرو تو بھی ھو محبت میں — تجھے حاصل ھو قربِ محبوباں

[۱۳]

تجھے اس راہ میں ملیں گے بہت — ساقیانِ حسین سبو بردوش
سر کی بازی لگا کے حاصل کر — جام سے جو کرے تجھے مدھوش

[۱۴]

تم سر راہ انتظار کرو — خود پلائیں گے وہ شراب تمہیں
شرط یہ ھے نہ ھو کسی عنوان — ان حسینوں سے اجتناب تمہیں

وائی

یہ بات کبھی نہ بھولوں
سندر ھیں میرے ساجن
جب پیار کسی سے کرنا
پچھتاؤں سے مت ڈرنا
پریتم کے دوارے جاکر
سو بار چڑھوں سولی پر

سکھ پائے میرا جیون

سندر ہیں میرے ساجن

جو پریت کی ریت کو مانے

بھید اس کا کوئی نہ جانے

ٹکڑے ٹکڑے ہوجاؤں

پھر بھی نا بھید بتاؤں

میں ہاروں اپنا تر من

سندر ہیں میرے ساجن

آٹھویں داستان

[۱]

ٹھیس اپنے وقار کو نہ لگا ان کے کوچے میں بار بار نہ جا

رہگزاروں میں تو دیے نہ جلا راہ گیروں کو داغِ دل نہ دکھا

لب خاموش و حیرت ابدی راز کیف و مسرّت ابدی

[۲]

ذکر بے سود ہے دواؤں کا چارہ سازوں کی فکر ہے بے جا

چارہ سازوں کی فکر ہے اس کو جس کے دل کو کسی کا درد ملا

[۳]

جس کے دل کو کسی کا درد ملا اس کی حالت ہوئی نحیف و نزار

شہد سے بڑھ کے ہے مگر اے دوست دردمندوں کو تلخیٔ آزار

[۴]

بس وہی چارہ سازِ قلب و نظر جس نے بخشی ہے درد کی اکسیر

تیری ہر بات اے مرے محبوب میرے حق میں نوشتۂ تقدیر

جب بھی کوئی امید بر آئی تیرے بیمار نے شفا پائی

[۵]

مثلِ ناقہ بقدرِ تشنہ لبی　　تم بھی پی لوکہ خود پلاتا ہے
فیض اس کی سبیل سے ورنہ　　کون اپنی رضا سے پاتا ہے

[۶]

جو رموز نفی نہیں سمجھا　　رازِ اثبات کیا وہ سمجھیگا
وہ تو اظہر ہے پر جو نادان ہے　　غیب کی بات کیا وہ سمجھیگا

[۷]

مہرباں ہو وہ جوھری جن پر　　چمک اٹھیں وہ مثلِ لعل و گہر

[۸]

اپنے کوزے کو کوزہ گر جیسے　　آزماتا ہے دل کو وہ دلبر
جو بھی اس نے عطا کیا مجھکو　　میں نے سمجھا اسی کو شیر و شکر

[۹]

ظاھرا بے رخی ھوئی تو کیا　　رشتہٴ روح ٹوٹ سکتا ہے!
زیست مشقِ ستم سہی لیکن　　دامنِ صبر چھوٹ سکتا ہے!

[۱۰]

گر وہ ترکِ تعلقات کرے　　پاس تم کو رہے محبت کا
جوڑ لو اس کو رشتہٴ جاں سے　　ٹوٹ جائے جو تار الفت کا
وہ اذیت بھی دے اگر کوئی　　تم سمجھنا پیام راحت کا

[۱۱]

صبر کیا ہے دلیلِ رحمت ہے　　قہر آلودگی قیامت ہے
بھر لے دامن میں عجز کی دولت　　عجز ھی جوھر شرافت ہے

[۱۲، ۱۳]

اپنی نظریں جھکا کے دیکھ ذرا　　قہر آلودگی قیامت ہے
جادہ پیمائے معرفت کے لیے　　عجز ھی پائے استقامت ہے
بردباری ہے مشک کی مانند　　یہ ضمیرِ بشر کی نکہت ہے

[۱۴]

ذائقہ شیوۂ تحمل کا　　خوگرِ آہ و نالہ چکھ نہ سکا
متکبر شکست سے دو چار　　منکسر فاتحِ ضمیر رہا

[۱۵]

عجز کو جس نے اختیار کیا اس کی گذری سدا فراغت میں
شکوہ سنج غم۔ جہاں کو مگر ھاتھ آیا نہ کچھ شکایت سے

[۱۶]

گر کسی نے برا کہا بھی تمہیں تم رہو اپنی خامشی میں مگن
فتنہ پرور فگندہ سر آخر کینہ پرور سدا تہی دامن

[۱۷]

گر کسی نے برا کہا بھی تمہیں تم رہو اپنی خامشی میں مگن
قول "سید" کا جس کو یاد رہا بن گیا موم اس کا تن اور من

[۱۸]

بات کہنے سے کچھ نہیں حاصل دل میں رکھنا ھی اس کا اچھا ھے
جس قدر بھی کمان کھینچو گے اتنا ھی ٹوٹنے کا خطرہ ھے

[۱۹]

شکوے سنکر بھی تو رھے خاموش تیرے ھادی کی یہ ھدایت ھے
سرخروئی ھوئی اسے حاصل اپنے پر آپ جس کو قدرت ھے

[۲۰]

لاکھ شکوے ھوں تم سے دنیا کو دل میں رکھو زباں سے کچھ نہ کہو
اھل دنیا سے کیا تمہیں امید کچھ بھی تم سے کہیں خموش رھو

[۲۱]

کچھ کہے کوئی تم سے یا نہ کہے تم ادب کوش ادب نواز رھو
بس اسی میں ھے شان استغنا آپ ھی اپنا احترام کرو
دوسروں کی سند سے کیا حاصل خود نگہدار و خود شناس بنو

[۲۲]

چشمۂ زندگی نے یاد کیا ختم ھونے لگی ھے تیرہ شبی
جاکے ساحل پہ ڈالدے ڈیرا تاکہ باقی رھے نہ تشنہ لبی

[۲۳]

جن کو صحبت ھے باعث آزار اُن کی محفل میں تو نہ ھو شامل
اُن سے حاصل نہیں کچھ اس کے سوا کہ تجھے کچھ نہ ھو سکے حاصل

[۲۴]

عمر بھر میں انہیں کے پاس رھوں　　جن کی صحبت میں عین راحت ھے
خیمہ زن ھو وھاں تن خاکی　　سایہ افگن جہاں محبت ھے

وائی

ساجن پہ جاؤں واری
　　میں ھوں برھا کی ماری
پریتم کے دوارے ھونگے
کتنے ھی پریم پجاری
　　میں ھوں برھا کی ماری
تم سندر ھو ساجن
کہتی ھے دنیا ساری
　　میں ھوں برھا کی ماری
میں نینوں سے لگاؤں
چرنوں کی دھول تمہاری
　　میں ھوں برھا کی ماری
کہتا ھے "لطیف" کوی یہ
پریتم کی شوبھا نیاری
　　میں ھوں برھا کی ماری

سر کھمبات

سر کھمبات

پہلی داستان

مکمل اس کا فیض، عام سب پر — مگر ہوتی رہی مجھ سے برائی
وہ شرمندہ کرے آ کر نہ مجھ کو — ہمیشہ جس نے کی مجھ سے بھلائی

*

صبح، روشن ہے تیری پیشانی — اور دل چشمۂ محبت ہے
تیرے آنے کی منتظر ہوں میں — تو جو آئے تو عین راحت ہے
ہیچ ہے تیرے سامنے خورشید — مہ و انجم کی کیا حقیقت ہے

*

میرے محبوب کو ذرا اے چاند — مجھ پہ بیتی ہے جو بتا دینا
جو ٹپکتا ہے دیدۂ تر سے — جا کے پیغام وہ سنا دینا
کاش خلوت میں ایک بار آئے — اور نہ پھر چھوڑ کر مجھے جائے

*

پیار سے مجھ کو دیکھنے والے — ہر شکایت تیری گوارا ہے
میری خلوت میں آکے جا نہ کہیں — تو مری روح کا سہارا ہے

*

اے مری ناقۂ صبا رفتار — تجھکو در پیش ہے طویل سفر
چاندنی رات اور بسیط فضا — کتنی پر کیف ہے یہ راہگذر
مڑ کے پیچھے نہ دیکھنا ہرگز — سوئے محبوب گامزن ہوکر
مجھ کو جانا ہے اس کے پاس ابھی — حرف آئے نہ عہد و پیماں پر

*

چاندنی رات راستہ ہموار — زور، ہمت ہے اب فقط درکار
اے مری راز دار تیز قدم — ہو کسی پر نہ راز کا اظہار
سوئے محبوب گامزن ہو جا — اے مری ناقۂ صبا رفتار

*

کیف پرور ہے یہ شبِ مہتاب
اور پھر تیری راہ بھی ہموار
کوئی تیرے سوا نہیں ہمدم
اولیں عشق، دور منزلِ یار
دیدہ و دل میں جس کے جلوے ہیں
اس کی فرقت ہے باعثِ آزار
اس قدر تیز چل کہ لوٹ آئیں
رونما جب ہوں صبح کے آثار
کوئی تیرے سوا نہیں ہمدم
اے مری ناقۂ صبا رفتار

*

آج پھر چودھویں کا چاند اُبھرا
منتظر ہوں کسی کے آنے کی
دل مسرت سے لہلہاتا ہے
کوئی پروا نہیں زمانے کی

*

آج پھر چودھویں کا چاند اُبھرا
شام سے انتظار تھا اس کا
صبحِ نو کی نوید دینے کو
وہ حسیں دوست میرے گھر آیا

*

محرمیّت صلائے عام نہیں
درمیاں ایک حدِ فاصل ہے
لوگ جس کو ہلال کہتے ہیں
در حقیقت وہ ماہِ کامل ہے

*

کہاں وہ اور کہاں تو! ماہِ کامل
ترے حق میں قیامت اس کا جلوہ
کہ حسنِ جاودانی کے مقابل
ٹھہر سکتا نہیں حسنِ دو روزہ
ترے اس عمر بھر کے ماحصل سے
کہیں بڑھ کر ہے اس کا ایک لمحہ

*

ضیائیں لاکھ ہوں شمس و قمر کی
بغیر اس کے وہی تیرہ شبی ہے

*

نہیں اے چاند تو اس کے برابر
کہاں تو اور کہاں محبوب، میرا
دوامِ حسن اس کا روئے روشن
رہینِ منتِ شب نور تیرا

*

یہ تیری روشنی اے چاند مجھکو
نہ ہونے دیگی حاصل قربِ دلبر
ہمیں تو راس آتی ہیں وہ راتیں
ملیں ہم جن کی تاریکی میں چھپ کر

مرے دل کو تھی امید ملاقات — کیا تھا جسم کو اپنے معطّر
مگر یہ انتظار شوق پیہم — کہ خوشبو اڑ گئی کافور بنکر

*

برا ہو اے مہ شب تاب تیرا — نہ دیکھوں شام ہی سے تیری صورت
ملوں محبوب سے تاریکیوں میں — میسر ہو مجھے قربت ہی قربت

*

مرے محبوب کو دیکھا ہے تونے — کہاں وہ اور کہاں تو! ماہ کامل
بہت دیکھے ہیں مدوجزر تیرے — تغیر ہے تری فطرت میں داخل
تو اک شعلہ دھن اور شعلہ رو ہے — مگر نظارہ اس کا سیر حاصل

*

کچھ اس انداز سے ہر سمت دیکھا — خمار آلودہ آنکھ اس نے اٹھا کر
مہ و خورشید و انجم تھرتھرائے — ہوئی حیرت سی طاری کہکشاں پر
رخ جاناں کے جلووں کے مقابل — مری نظروں میں ہے ہر جلوہ کمتر

*

جب آدھی رات تو اس نے دکھایا — نقاب رخ اٹھا کر اپنا چہرہ
قمر نے کہکشاں کو ساتھ لیکر — لگایا نیلگوں دریا میں غوطہ

*

رخ محبوب کی صباحت دیکھ — جیسے روشن ہو صبح کا تارا

*

جدھر ہے نورافشاں وہ ستارہ — ادھر محبوب میرا جلوہ گر ہے
نہیں اس کی رواداری میں تلخی — وہ روح انگبین و نیشکر ہے
ستاروں کی طرح ہیں خال اس کے — رخ تابندہ مانند سحر ہے
بغیر اس کے مری شب زندہ داری — فقط بے کیفی قلب و نظر ہے

*

وائی - ۱

سکھی میں جاؤں اس کے دوار

جی کو پیا بن چین نہ آئے

کب تک بیٹھی سوگ مناؤں
تڑپے آنھ پھر گھبرائے۔

جی کو پیا بن چین نہ آئے

بیکل ہیں اب تیرے میت
سینے میں گھٹ کر رہ جائے۔

جی کو پیا بن چین نہ آئے

کالے کوسوں اس کا دیس
کوئی کیسے پیدل جائے۔

جی کو پیا بن چین نہ آئے

ابلا کہتا ہے من میں یہی
جا کر اس کا دیس بسائے۔

جی کو پیا بن چین نہ آئے

وائی - ۲

میں یاد جنہیں کرتی تھی

میرے آنگن میں آئے

پھولوں کی مہک سانسوں میں
خوشبو میں جسم بسائے۔

میرے آنگن میں آئے

میں ہوں اِک پریم پجارن
چھب پریتم ہی کی بھائے۔

میرے آنگن میں آئے

کتنے سندر ہیں ساجن
یہ بات اب کون بتائے۔

میرے آنگن میں آئے

کہتا ہے "لطیف" کوی یہ
پریتم کی پریت سُہانے۔
میرے آنگن میں آئے

وائی - ۳

میں اپنے پی کو مناؤں　　اے رات اگر تو ٹھہرے
اس اندھیاری میں جلکر
جیون کی جوت جگاؤں　　اے رات اگر تو ٹھہرے
دھونی پیارے پریتم کی
تن من میں آج رماؤں　　اے رات اگر تو ٹھہرے
دکھ میرا کوئی نہ جانے
کیا دنیا کو سمجھاؤں　　اے رات اگر تو ٹھہرے
کوئی کھوٹ رہے نا مجھ میں
اس کی داسی بن جاؤں　　اے رات اگر تو ٹھہرے
کہتا ہے "لطیف" کوی یہ
جیتے جی پریت نبھاؤں　　اے رات اگر تو ٹھہرے
ہے مرگھ ترشنا جیون
میں پریت سے پیاس بجھاؤں　　اے رات اگر تو ٹھہرے
آشا کے سپن سہانے
بیاکل من کو بہلاؤں　　اے رات اگر تو ٹھہرے
اس پاپ کی نگری سے میں
اب پیا ملن کو جاؤں　　اے رات اگر تو ٹھہرے

دوسری داستان

فلک پر فروزاں ہو اے چاند جب تو نظر ڈالنا پہلے اس مہ لقا پر
بتانا اسے حال ہم عاجزوں کا یہ کہنا کہ جیتے ہیں تیری رضا پر
نہیں جسم و جاں میں وہ تاب و تواں اب مگر پھر بھی قائم ہیں عہدِ وفا پر
تجھے بھیجتے ہیں سلامِ محبت نگاہیں جمائیں ہیں حسنِ رجا پر

*

گذر میرے محبوب کے بام و در سے جو محرم مرے شوقِ بے تاب کا ہے
سنا اس کو اے چاند پیغام میرا کہ تو واقفِ حالِ اہلِ وفا ہے
نہیں کوئی دنیا میں میرا سہارا جدائی کے ماروں کا تو آسرا ہے

*

مہکتی ہوئی زلفِ خواب شبستاں فضائیں خنک، بوئے کافور پر ٣ں
یہ خوشبو میں لپٹا شبابِ زمستاں سماں کیا سہانا ہے اے ماہِ تاباں
یہاں درد رنجوری و رنجِ دوری وہاں اضطراب اور پہلوئے جاناں

*

کوئی ناقۂ تیز رفتار یا رب کہ ہو اس کے در تک میسر رسائی
مجھے اس سے محروم رکھے گی کب تک یہ دشوارئ راہ و بے دست و پائی

*

مجھے لذتِ قرب سے آشنا کر تری انجمن سے بہت دور ہوں میں
غمِ ہجر کا کوئی آخر مداوا غمِ ہجر سے سخت رنجور ہوں میں

*

تڑپتے ہیں دل میں رموزِ معانی کہاں ہے مرا رازدارِ محبت
مری خانہ ویرانیوں کی قسم ہے کبھی آ بھی جا اے بہارِ محبت

*

ادھر اس کی ضد کا یہ عالم کہ توبہ　　آدھر نے یہ یہ شورش باد و باراں
ادھر سینے میں دل ٹھہرتا نہیں ہے　　آدھر ہے کجاوے سے ناقہ گریزاں
جدھر ہمسفر ہو چکے ہیں روانہ　　آدھر تک رہی ہے بصد یاس و حرماں

*

کوئی ناقہ نہ راہوار کوئی　　کیسے چل کر تمہارے پاس آؤں
کوئی صورت کہ میں ترے در تک　　رات ہی رات میں پہنچ جاؤں

*

اے مری ناقۂ صبا رفتار　　مجھکو پہنچادے اُن کے پاس ابھی
ورنہ تجھ کو بھی راکھ کر دے گی　　لب پہ آتے ہی آہ نیم شبی

*

دوسروں کے لئے خس و خاشاک　　اور کھلاتا رہوں تجھے چندن
اے مری ناقۂ صبا رفتار　　دور ہے میرے دوست کا مسکن
رات ہی رات میں وہاں پہنچا　　ہے جہاں روے یار جلوہ فگن

*

اب تامل نہ ہو ذرا اس میں　　دیکھ اے میری ناقۂ غمخوار
سامنے ہے رہِ دیارِ حبیب　　رات پر کیف راستہ ہموار

*

تجھکو جس خانداں سے نسبت ہے　　فرض اس خانداں کی عزت ہے
فرق آئے نہ چال میں تیری　　تو وفا کیش و نیک طینت ہے

*

میں نے اس کو درخت سے باندھا　　تا کہ یہ اسکی کونپلیں کھائے
حیف یہ خوگر خس و خاشاک　　خس و خاشاک ہی اُسے بھائے
اس کی ضد کا کوئی ٹھکانا ہے　　ایسے ضدّی کو کون سمجھائے

*

حرف آئے نہ باد پائی پر
اے مری ناقہؑ صبا رفتار
چل! کہ اس کارواں سے مل جائیں
میرا محبوب جس کا ہے سالار

*

اے مری ناقہؑ صبا رفتار
پیش قیمت مہار لاؤں گی
زر و لعل و گہر کے ہاروں سے
تیری گردن کو میں سجاؤں گی
ڈالیاں نرم نرم ، مہندی کی
اور چندن تجھے کھلاؤں گی
شرط یہ ہے کہ پاس ساجن کے
رات ہی رات میں پہنچ جائے

*

یہ مری رازدار رنج و الم
میری خوددار و خودنگر ناقہ
جو نہ کھاتی ہے اور نہ پیتی ہے
اور جس کو پسند ہے فاقہ

*

جا رہی ہے وہ جانب محبوب
خوگر رنج و فقر و فاقہ ہے
سر کی پروا نہ تن کا ہوش اسے
میری ناقہ عجیب ناقہ ہے

*

ساتھیوں کا یہ مجمع خورسند
اور یہ شاخہائے خوشبودار
اپنے گلّے میں خرم و شاداں
اور دل میں وہی غم دلدار
ریت پر نقش پا نہ چھوڑے گی
یہ مری ناقہؑ صبا رفتار
ماں! تجھے بدگمانیاں کیوں ہیں
خوف افشائے راز ہے بیکار

*

بور ہو یا درخت کی کونپل
اب کوئی چیز یہ نہ کھائے گا
میرے محبوب کے تحائف کو
اتنی جلدی یہ بھول جائے گا؟
رات کھاتا رہا جہاں چندن
وہ چمن اس کو یاد آئے گا
یہ مرا اشتر وفا طینت
گن اسی باغباں کے گائے گا

*

کیا ہوا آج میری ناقہ کو
اپنی حالت یہ کیا بنائی ہے
شاید اس نے روا روی میں کہیں
کوئی زہریلی چیز کھائی ہے

*

کھیت کی لہلہاتی بیلوں میں
مشتعل ہو کے آگئے دھقان
آخر کار اشتر ناداں

اس نے دانستہ اپنا منہ ڈالا
اور وہ ڈرپوک بھاگ بھی نہ سکا
اپنی وارفتگی کو بھول گیا

*

شہد جس کو سمجھ رہا ہے تو
کہیں ایسا نہ ہو اسے کھا کر

درحقیقت وہ بیل ہے مسموم
تجھکو رہنا پڑے سدا مغموم

*

ناقہ! دل کو ہے یہی درکار
لہلہاتی ہیں ہر طرف بیلیں
لگ گئی اس کو ان کی چاٹ اگر

کوئی مضبوط سی بناؤ مہار
کتنی خوشرنگ کیسی خوشبودار
ہاتھ آئے گی پھر نہ یہ زنہار

*

ناقہ بے مہار پر عائد
ایسی بیلوں کی اس کو عادت ہے

لاکھ پابندیاں ہوں سب بیکار
زہر جن کا ہے باعث آزار

*

اس سے پہلے کہ اے مری ناقہ!
گامزن ہو مرے اشارے پر

میرے ہاتھوں میں تازیانہ ہو
تو رہ راست پر روانہ ہو

*

یہی 'کھمبات' کا جزیرہ ہے
ہر طرف دعوت تماشا ہے

ڈالو چاروں طرف نظر، دیکھو
حسن مطلق کو جلوہ گر دیکھو

*

دیکھ اے میری ناقہ ناداں
ہر طرف ڈالیاں ہیں چندن کی
جس نے اونٹوں کو کر دیا مسموم

مجھے تجھ سے بڑی شکایت ہے
'آک' سے کیوں تجھے یہ رغبت ہے
تجھ کو اس بیل سے محبت ہے!

*

میری ناقہ ہے تند و شوخ و شریر
اسے کھانے کو جب بھی دیتی ہوں
لاد دو اس پہ کوئی بار گراں

دوستو کر دو اس کو پابہ رسن
ہوتی ہے اس کو دیکھ کر بدظن
ورنہ اس کا یہی رہے گا چلن

*

سینہ زنجیر سے جکڑ ڈالو
اور پیروں میں رسیاں باندھو
میرے قابو میں یہ نہیں اے ماں!
دوں کہاں سے میں تازہ پھل اس کو
بات کس کی بھلا وہ مانے گی
اپنے آقا کا جس کو پاس نہ ہو

*

لگ گئی کس کی بددعا تجھ کو
اے مری ناقہٗ سبک ساماں
بند آنکھیں کئے ہوئے اپنی
کیوں ہے کولھو کے گرد تو گرداں

*

پا بہ زنجیر کردیا میں نے
پھر بھی مجھ سے گریزپا ہی رہی
توڑ کر قید و بند کو ناقہ
سوئے محبوب تیزپا ہی رہی

*

میں نے کیں لاکھ کوششیں لیکن
اس نے چھوڑی نہ اپنی خودرائی
ہوگئے میرے سب جتن بیکار
جانے کس دلربا کی یاد آئی

*

سخت نفرت ہے اس کو چندن سے
اور بیکار ہیں گلِ مشکیں
اس کو بھاتے ہیں جنگلی پودے
عود و عنبر سے کوئی انس نہیں

*

میں تو حیراں ہوں کہ یہ ناقہ
صاف پانی پئے نہ چندن کھائے
جنگلی بوٹیاں اگر مل جائیں
عود وعنبر کے بھی قریب نہ جائے

*

دانشیں خوشہ ہائے رنگارنگ
اور وہ شاخہائے بیش بہا
ایک پتا بھی جس کا ہو انمول
کیا ہو اندازہ اس کی قیمت کا
جا کے اس باغ میں مری ناقہ!
کتنا نقصان ہائے تو نے کیا

*

دولتِ بے شمار کے بدلے
مدعا میں نے اپنا پایا ہے
اُشترِ لاجواب و لاثانی
ہاتھ خوش قسمتی سے آیا ہے

*

یہ کجاوے کو جب اٹھائے گا رشک باد صبا کو آئے گا
راز دارانِ مخلصانہ مجھے اپنے محبوب سے ملائے گا
کوئی اس کی نہیں مثال کہیں بھید کیا اس کا کوئی پائے گا

*

اس کو مرغوب الائچی ھے بہت کتنا خوش ھو کے ان کو کھاتا ھے
اور پھر مجھ کو آن واحد میں جا کے محبوب سے ملاتا ھے

وائی - ۱

ماں! بھید ھے یہ مرے من کا – رکھتی ھوں سجن سے آشائیں
تڑپائیں جو مجھ برھن کو
راتیں نہ وہ لوٹ کے پھر آئیں – رکھتی ھوں سجن سے آشائیں
جو اپنے پیا کے ساتھ کٹیں
اے کاش مجھے پھر ملجائیں – رکھتی ھوں سجن سے آشائیں
جھانکوں میں جھروکوں سے من کے
چھب اپنی پریتم دکھلائیں – رکھتی ھوں سجن سے آشائیں
کس طرح "لطیف" کی رات کٹے
وہ یاد آکر جب تڑپائیں – رکھتی ھوں سجن سے آشائیں

وائی - ۲

کب آئے سندیسوں پر ساجن کب آشاؤں سے ملے پیا
راتوں کو لہو کے چھینٹوں سے نینوں میں من کی جوت جگا
کب آشاؤں سے ملے پیا

دکھلائی نہ جس نے پیٹھ کبھی رن برھا کا اس نے جیتا
کب آشاؤں سے ملے پیا

ساجن ھوں جس کے پردیس وہ کیوں نہ سنائے نیر کتھا
کب آشاؤں سے ملے پیا

وائی - ۳

دھتکارو یا للکارو   آئی ہوں سرن تمہاری
تم سیدھے منہ بھی نہ بولو
میں جاؤں واری واری
آئی ہوں سرن تمہاری
جگ چھان لیا ہے میں نے
ہے تو ہی تو گردھاری
آئی ہوں سرن تمہاری

سر سورٹھ

سر سورٹھ

پہلی داستان

چنگ آراستہ کیے 'چارن'
منتظر تھا کہ رانے 'ڈیاچ' آئے
اور یہ اس کے موہ لینے کو
راگ عہدِ الست کا گائے

*

مانگتا کب ہے درہم و دینار
اس کا مطلوب ہے سر سردار
دور ہے دیس اس مغنّی کا
آ رہی ہے صدائے پُراسرار
کاٹ لے نے نواز اگر چاہے
اب تو سر سے رہا نہیں سروکار

*

مجھ غریب الدیار سائل کو
تیرے نام و نشاں سے کیا نسبت
میں کہاں اور کہاں ترا رتبہ
خاک کو آسماں سے کیا نسبت
پھر بھی کچھ عرض حال کرنا ہے
تجھ سے سر کا سوال کرنا ہے

*

سن لے 'سورٹھ' کے خوبرو سرتاج
اک انوکھا سوال لایا ہوں
نرغۂ دشمناں میں ہوں لیکن
تیرا سر مانگنے کو آیا ہوں
جلد سائل کو سرخرو کردے
ورنہ محرومِ آرزو کردے

*

سردیاں قہر ہیں مرے نزدیک
گرمیاں بھی نہیں ہیں مجھ کو ٹھیک
سن لے میرے رباب کی فریاد
اور دے دے جو مانگتا ہوں بھیک
کچھ تو آجائے میری جھولی میں
ڈال دے منہ سے پان ہی کی پیک

*

اپنے دریوزہ گر مغنّی کو
جسم اور جان کی اماں دینا
والیِ جنّتِ عدن مجھکو
نار دوزخ سے تو بچا لینا
دور سے تیرے پاس آیا ہوں
سرخروئی کی آس لایا ہوں

*

اضطراب آفریں صداؤں میں
آرزوئے قرار لایا ہوں
چھوڑ کر میں ہر ایک در پیارے
آج تیرے حضور آیا ہوں

*

بھاڑ میں جائیں اور دروازے
لو لگائے ہوں میں ترے در سے
میرے پیارے 'کماچ' کا آہنگ
تیرے دیوار و در سے جب برسے
کاش تو بھی ہو گوش بر آواز
ہو عیاں راز ساز مضطر سے

*

پیاری 'سورٹھ' کے خوبرو سرتاج
میری جھولی کی بھی رہے کچھ لاج
چھوڑ کر میں ہر ایک دروازہ
سر جھکائے ہوں تیرے در پر آج

وائی

راج پاٹ کو بھینٹ چڑھایا
'ڈیاچ' نے سیس کٹایا
راجہ نے ہر رانی چھوڑی
سارا راج گنوایا
'ڈیاچ' نے سیس کٹایا

ھاتھ میں جب 'کماچ' لیے
پردیسی 'چارن' آیا
ایسا رنگ جمایا
'ڈیاچ' نے سیس کٹایا

دور دور تک پھیل گیا
دیالو راجہ کا نام
بن گیا اس پریمی کے ھاتھوں
'بیجل' کا بھی کام
سب کچھ دان میں پایا
'ڈیاچ' نے سیس کٹایا

دوسری داستان

دور سے 'جوناگڑھ' میں آیا ہے
اک عجیب و غریب موسیقار
مضطرب شہر ہوگیا سارا
سن کے اُس کے رباب کی جھنکار
ہوگئی سب پہ بیخودی طاری
نغمے کی لے سے ہوگئے سرشار
کون جانے وہ ایک قاتل ہے
صرف راجا کے سر کا سائل ہے

*

گونج اٹھا ہے نشہ آور ساز
دیکھ 'بیجل' ہے زمزمہ پرداز
خود فراموش ہو گیا راجا
سن کے سائل کی سرمدی آواز
اور آخر طلب کیا اس کو
خلوت خاص میں بصد اعزاز
مٹ گیا فرق ما و تو یکسر
سوز نغمہ ہوا اثر انداز
بھید کیا تھا کسی کو کیا معلوم
کس طرح دونوں ہو گئے ہمراز

*

رنگ محلوں سے آ گیا راجا
سن کے اس نے نواز کا نغمہ
خلوت خاص میں طلب کر کے
آخر کار اس نے حکم دیا
اسپ تازی و زین پر جوہر
میری جانب سے دو اسے تحفہ
کیا خبر تھی کہ سازگار نہیں
کوئی سوغات اس کو سر کے سوا

*

ہو کے خوش نے نواز 'چارن' کو
بخشے راجہ نے قیمتی انعام
لیکن اس نے کہا کہ اے سلطان
مجھکو ہے صرف تیرے سر سے کام
مال و زر کی کمی نہیں مجھ کو
ان سے کوئی خوشی نہیں مجھ کو

*

تھیلیوں کی نہیں مجھے حاجت
ہوں مبارک یہ تجھ کو اے سردار
اپنے اس مال و زر کو واپس لے
مجھ کو ہے صرف تیرا سر درکار

*

میں فقط تیرے سر کا طالب ہوں
ہاتھی گھوڑے مجھے نہیں درکار
مانگتے ہیں جو ہاتھ پھیلا کر
وہ کوئی اور ہوں گے موسیقار

*

فطرۃً تو ہے ایک موسیقار
تو نے پایا ہے فن وراثت میں
مائلِ ارتعاش کردے آج
کوئی نغمہ مری سماعت میں

*

گم ہوں اس سوچ میں کہ اے 'بیجل'
کیا ہے یہ ساز اور یہ آواز
کس لیے اتنی دور سے آیا
کاش معلوم ہو مجھے یہ راز

*

دور سے تیرے پاس آیا ہوں
اب نہیں واپسی کے امکانات
مال و زر کی ہوس نہیں مجھ کو
اور ہی کچھ ہیں میرے احساسات
پیاری 'سورٹھ' کے خوبرو سرتاج
کاش سمجھے تو میرے دل کی بات

*

وہ نہیں ملک و مال کا سائل
اس کے دل میں ہے اور ہی کچھ بات
چاہتا ہے 'ڈیاچ' سے کرنا
خلوتِ خاص میں بسراوقات

*

کیا امیر اور کیا غریب یہاں
وہ تو سب کا ہی جان لیوا ہے
اس کی زد سے بچے کوئی کب تک
صبح و شام اس کو سر کا سودا ہے

*

آ گئے جب گرفت میں تیری
ہوگئے خاک اہل تخت و تاج
کاش پھر آئے تو نہ اے سائل
تیری آمد ہے یا اجل کا راج

وائی

اے البیلے چارن تو نے کیسا راگ سنایا
مجھ کو مست بنایا
جو تو میرا سیس نہ مانگے
دے دوں لاکھوں دان

اے البیلے چارن تونے

میرا من برمایا

مجھ کو مست بنایا

کہتا ہے یہ "لطیف" ہمیشہ دیکھوں تیری اور

اے البیلا چارن تونے اپنا رنگ جمایا

مجھ کو مست بنایا

-⁂-

تیسری داستان

صبحدم باکمال 'بیجل' نے
جانے کس دھن میں راگ اک گایا

جب سنا کاخ و کو میں راجہ نے
اس کو یہ راگ اس قدر بھایا

بے حجابانہ اس مغنی کو
شوق سے اپنے پاس بلوایا

بولا اے میرے اجنبی مہماں
ایک کیا تجھ پہ لاکھ سر قرباں

*

بیٹھ ڈولی میں اور اوپر چل
صبحدم یہ پیام آیا ہے

تجھ کو اونچے محل میں راجہ نے
دیکھ کس شوق سے بلایا ہے

عین ممکن ہے وہ کرم کردے
آپ ہی اپنا سر قلم کردے

*

جا رہا ہے محل میں وہ سائل
چھیڑنے ہی کو ہے پھر اپنا ساز

ڈر ہے کردے نہ بام و در مسمار
اس کے نغموں کا فتنہ زا اعجاز

سر اٹھائے نہ شور و شر بن کر
دفعتا سحر آفریں آواز

مٹ ہی جائے گا شہر جوناگڑھ
اس کو ہونے دو زمزمہ پرداز

چال ایسی چلے گا وہ 'بیجل'
سر ہی لے کر ٹلے گا وہ 'بیجل'

*

درمیاں سائل اور سخی کے ہے
اور کیا چیز ماورائے ساز

گونجتی ہے جو تار میں اکثر
ان کی روحوں میں ہے وہی آواز

*

کہہ رہا ہے کوئی سلام تجھے
تجھ کو کیا ہو گیا بتا 'بیجل'
اور اگر ہے یہی ترا ارماں

تو کہ سائل ہے آج اس در کا
کیوں تقاضا 'ڈیاچ' کے سر کا
تیرے ارمان پر یہ سر قرباں

*

کیسے کیسے سخی ملے مجھ کو
چھان مارا ہے میں نے 'گرینلہ'

زخم دل کا نہ بھر سکا کوئی
سر کا وعدہ نہ کر سکا کوئی

*

سر تو اپنے ہی بس میں تھا ورنہ
ہو کے اپنے سوال سے محروم

اور اگر کچھ طلب کیا ہوتا
ہم کو بدنام کردیا ہوتا

*

سر کو تجھ پر نثار کرتا ہوں
نہیں ایفائے عہد میں تاخیر
یہ ترے کام آسکے شاید

لے یہ ناچیز استخواں لے جا
تو جہاں چاہے اب وہاں لے جا
جان حاضر ہے جان جاں لے جا

*

ہو سکے کیا برابری تیری
سر ہے حاضر کہ ہیں کہیں بہتر
اور کیا دوں میں تجھ کو نذرانہ
سر مجھے بارِ دوش ہے لے جا

میں کہاں اور کہاں ترا اعجاز
میری رگ رگ سے تار ہائے ساز
سن کے یہ تیری سرمدی آواز
ہے نہیں مجھ کو بار دوش پہ ناز

*

ایک سر کیا جو لاکھ سر ہوتے
لاکھ سر دے کے اے مغنی ہم

وہ بھی قربان ساز پر ہوتے
تیرے ممنون کس قدر ہوتے

*

سر کا نذرانہ اس کو کیا دشوار
کوئی ایسی عطا ہو سائل پر

جو فدائے کمال ہوجائے
جو عدیم المثال ہوجائے

*

لاکھ مشکل سہی مگر اے 'ڈیاچ'

وہ عطا کر جو چاہتے ہیں تار

کر چکا ہوں سوال اب سر کا
لوٹ کر جاؤں گا نہ میں زنہار
دیکھنا چاہتا ہوں اے فیاض
آج میں تیرے فیض کا معیار

*

سر بھی دینا قبول تھا اس کو
بڑھ کے 'خادم' سے تھی سخا اس کی
پوچھتا تھا 'ڈیاچ' 'بیجل' سے
درحقیقت جو تھی رضا اس کی
نیستی ہے کہ رازِ ہستی ہے
دل کی مستی عجیب مستی ہے

*

شہر میں جب 'ڈیاچ' کے آیا
وہ مغنی لئے ہوئے اک چنگ
دونوں عالم تھے گوش بر آواز
ہر طرف تھی صدائے خوش آہنگ
رائے سے سر طلب کیا اس نے
دے دیا اس نے بے دریغ و درنگ
مسکراتی ہے آج اس کی ماں
ناز کرتے ہیں اس پہ نام و ننگ

وائی

سیس تو تیرا ہو چکا اے 'چارن' مہمان
دینا ہے کچھہ اور بھی بن مکھہ مانگے دان
اے چارن مہمان

'بیجل' اب نہ چھپائیو مجھہ سے من کی بات
جونا گڑھہ میں لے چلوں تجھہ کو اپنے سات
واروں لاکھوں سیس میں سن کر تیری تان
اے چارن مہمان

لاج نہ جانے پریم کی چاہے سر کٹ جائے
سب کچھہ تجھہ پہ واروں پھر بھی چین نہ آئے
کہتا ہے جو "لطیف" ہمیشہ رکھیو اس کا دھیان
اے چارن مہمان

دینا ہے کچھہ اور بھی بن مکھہ مانگے دان

چوتھی داستان

کتنی پرنور ان کی آنکھیں ہیں
کون جانے کہ مصلحت کیا ہے
بادشاہان وقت کس کے لیے

بام و در جن سے جگمگاتے ہیں
جو یہ سائل محل میں آتے ہیں
سر جھکاتے ہیں سر کٹاتے ہیں

*

تو کہ ہے سائل خجستہ قدم
بسکہ ہوں راز داں ترے فن کا
جو بھی پڑجائے تیری جھولی میں

تیری آمد پیام رحمت ہے
مجھ پہ ظاہر تری حقیقت ہے
جانتا ہوں بہت غنیمت ہے

*

تیرا مضراب تار ساز پہ تھا
چھین لی سحر آفریں ہوکر
اے مغنی مگر تری فطرت

رگ گردن پہ چل رہی تھی چھری
تیرے نغموں نے زندگی میری
مطمئن ہی رہی، چہ بوالعجبی

*

نغمہ زن ہے یہ تار کی آواز
خود مغنی ہے صاحب اعجاز

یا ہے در پردہ اور کوئی راز
ورنہ کس کام کے یہ تار یہ ساز

*

میرے دل میں اتر گئی ہر تان
لیکن ایسی عطا سے کیا حاصل
بے بضاعت ہے ٹوٹنے کے بعد

ایک سر کیا ہزار سر قربان
اور کچھ مانگتا مرے مہمان
آب و گل کا مجسمہ انسان

*

جسم کے ساتھ یا جدا کر کے
مجھ کو تیرا خیال ہے سائل
میں کہاں اور کہاں ترا اعجاز

بول کس طرح اپنا سر دوں میں
یوں تو دینے کو بحروبر دوں میں
کاش ہوجاؤں تیرا مونس راز

*

کچھ سمجھ کر ھی برمحل اس نے
جانے کیا چاھتا تھا وہ 'چارن'
چھیڑدی اک بڑی سریلی تان
سر کا ملنا تو تھا بہت آسان

*

تجھ پہ سب کچھ نثار اے 'جاجک'
کاٹ لے سر، کو اور خوش ھو جا
پھر رھی ھے اجل تعاقب میں
تیرا نغمہ عدوے حرص و آز
پھر نہ آنا تو اپنا لے کر ساز
کھل گیا مجھ پہ تیرے فن کا راز

*

اب یہ گردن ھے اور یہ خنجر ھے
جس کی خاطر سفر کیا تو نے
ملک مانگا نہ مال و زر مانگا
اور تیرے روبرو مرا سر ھے
کوئی ایثار اس سے بڑھ کر ھے
جانے کیوں تو نے صرف سر مانگا

*

دست 'بیجل' میں اک انوکھا ساز
ھو گیا رائے 'ڈیاچ' پر ظاھر
اس کو اپنا بنا کے چین آیا
اور اس ساز کی عجب آواز
سائل خوش گلو کے فن کا راز
سر کی بازی لگا کے چین آیا

*

چل بسا رات وہ مہا راجہ
ایک سورٹھ پہ ھی نہیں موقوف
جوناگڑھ میں بلا کا ماتم ھے
جانے کیا کر گیا وہ موسیقار
سوگوار اس کی راجدھانی ھے
اشکبار آج ھر جوانی ھے
نوحہ خوانی ھی نوحہ خوانی ھے
خاک میں مل گیا گل 'گرنار'

*

ھاتھ ملتا ھے لے کے سر 'چارن'
اس سخی 'ڈیاچ' نے دیا جو کچھ
لے کے آیا ھے سر کو اب واپس
بڑھ گیا 'ڈیاچ' کی سخاوت سے
کچھ نہ لیتا تو سب سے بہتر تھا
صرف پاسنگ کے برابر تھا
حوصلہ دیکھیے تو 'بیجل' کا
اور بھی اشتیاق سائل کا

*

کہہ رھے ھیں کہ مر گئی سورٹھ
سب نشیب و فراز گونج اٹھے
اب نہ وہ انتظار ھے نہ عذاب
ھو گئے نغمہ ریز چنگ و رباب

نغمہ و حسنِ جاوداں باقی ورنہ سب کچھ خیال ہر شے خواب

٭

راگ باقی رہا نہ رنگ کوئی 'ڈیاچ' کے بعد مرگئی سورٹھ
اس جہانِ فریب ساماں سے دل گرفتہ گذر گئی سورٹھ
پائے گا آ کے کیا ادھر 'بیجل' کس کو لوٹائے گا یہ سر 'بیجل'

وائی

تو جدا ہو گیا ہائے ہائے — کیسے تجھ کو یہ سورٹھ بھلائے

آج خاموش ہیں ساز تیرے
تو ہی سازِ حقیقت بجائے
جو محبت کے نغمے سنائے — کیسے تجھ کو یہ سورٹھ بھلائے

کر گیا کیسا جادو وہ 'بیجل'
جو سپوتوں کے بھی ہوش اڑائے
کون تھا جو ترا سر کٹائے — کیسے تجھ کو یہ سورٹھ بھلائے

چھاتیاں کوٹتی ہیں اب اپنی
کون سکھیوں کو قابو میں لائے
پیار سے ان کے جی کو لبھائے — کیسے تجھ کو یہ سورٹھ بھلائے

سراپا

سر آسا

پہلی داستان

ابتدا ہے نہ انتہا کوئی — کیا لگائے ترا پتا کوئی
بے شریک و عدیل و بے ہمتا — تجھ سا پایا نہ دوسرا کوئی

*

خواہش وصل جان ہستی ہے — نہ خودی ہے نہ خود پرستی ہے
روے جاناں سے مثل پرتو گل — عالم رنگ و بو میں مستی ہے
صد صنم خانہ خیال اب تک — سجدہ گاہ فریب ہستی ہے
پھر بھی حسن و جمال سے ہر سو — اس کی وحدانیت برستی ہے
نظر مشرکانہ کیا جانے — زندگی جلوۂ الستی ہے

*

خود کو سمجھا ہے شرک سے خالی — اور پھر بھی نہ خود پرستی ہے
کچھ خبر بھی ہے تجھ کو اے ناداں — اس کی ہستی سے تیری ہستی ہے
اہل عرفاں کا ہر نفس غافل — محرم جلوۂ الستی ہے

*

عبد و معبود کے تعلق میں — ابتدا ہے نہ انتہا کوئی
وہ ہمیشہ کو گم ہوا آخر — کرسکا اس کی جو رضا جوئی

*

کوئی تکریم ہے نہ اب تعظیم — وہ کہاں اور کہاں جبیں سائی
عارفوں نے وہ جلوہ گاہ جمال — ماورائے دل و نظر پائی

*

میں ترا عبد ھوں مرے معبود
شرک و الحاد سے مجھے کیا کام
خلش انگیز آرزو تیری
میرے قلب و نظر میں صبح و شام

*

تجھ میں جب تک ہے ذوقِ خود بینی
تیرا شوقِ نماز بے توقیر
بھول جا اپنے آپ کو پہلے
زیب دے گی زباں کو پھر تکبیر

*

وہ وظیفے نہ وہ نمازیں ھیں
خود فراموش سی طبیعت ہے
جب سے دل پر ہے عشق کی یورش
کتنی بے کیف ھر عبادت ہے

*

گر نہیں دل میں شوقِ وارفتہ
تیرے کس کام یہ جبیں سائی
کیا کسی نے کبھی شرر کے بغیر
صرف پھونکوں سے آگ بھڑکائی

*

بانیٔ جلوہ زار ھست و بود
اس کو شاھد کہوں میں یا مشہود
چشم خودبیں حجاب ھے ورنہ
وہ ھے ھر ایک شکل میں موجود
اس کا عرفان سہل ھوجائے
فہم و ادراک ھوں اگر مفقود
بے خودی کے بغیر ناممکن
بختِ بیدار و طالعِ مسعود
ماورائے خرد ازل سے ھے
نوعِ انسان کی منزلِ مقصود

*

وائی

موھے اکیلے چین نہ آئے
برھن رین نہ کاٹی جائے
برھا کے دکھ کیسے جھیلے
کوئی کب تک نیر بہائے
برھن رین نہ کاٹی جائے
کس پربت چت‌چور چڑھے ھیں
مجھ کو کوئی راہ سجھائے
برھن رین نہ کاٹی جائے

انجانے سے آس نہ ٹوٹے
جیون جب تک بھی بھٹکائے
برھن رین نہ کاٹی جائے
من میتوں کی یاد ھی من میں
پریت ملن کی آس جگائے
برھن رین نہ کاٹی جائے

دوسری داستان

بھی بہتر نکال دوں آنکھیں
نذر زاغ و زغن کروں آنکھیں
تاکہ وقت سحر نہ دیکھ سکیں
جلوۂ یار پُرفسوں آنکھیں
تابہ حد نظر آسے دیکھا
جب ھوئیں سائلِ دروں آنکھیں

*

صجدم آب و دانہ سے پہلے
جس نے پائی نویدِ جلوۂ یار
اُس کو ھر آرزو سے بہتر ہے
اُس عدیم المثال کا دیدار
جسم و جاں جس کے روبرو ھو کر
بھول جاتے ھیں زیست کا پندار

*

ھائے آنکھوں کی حسرت دیدار
صبح سے پہلے ھوگئیں بیدار
منتظر ھیں بہ آرزوے دوام
کب نظر آئے حسنِ جلوۂ یار
خوب تھا اس کا جلوۂ بے رنگ
کتنی رنگینیاں ھوئیں بے کار

*

مستیٔ چشمِ جاوداں سی ہے
کوئی وارفتگی نہاں سی ہے
کششِ عشق اور کیا ھوگی
ھر تمنّا جواں جواں سی ہے
کس کو دیکھا کہ آج آنکھوں میں
اک چمک جیسے ارغواں سی ہے
کون جانے کہ اُن کی بیتابی
اک پراسرار داستاں سی ہے
کیا بتاؤں "لطیف" اس کا راز
نگہِ دوست مہرباں سی ہے

*

صرف دکھ درد کی رفاقت ہے
ان کی عادت عجیب عادت ہے
دوسروں کے لیے ان آنکھوں میں
جانے کیوں اتنی جاذبیت ہے
بے سنان و سپر انہیں درپیش
کارزار غم محبت ہے

*

سوچتا ہوں کہ دیدۂ حیراں
ایک آتشکدہ ہے یا حمّام
لاکھ پرنم سہی مگر اس میں
سوز ہی سوز ہے بہر ہنگام
تجھے دیکھے بغیر اے محبوب
مل سکے گا نہ اب مجھے آرام

*

تیری آنکھیں ہیں تیغ کے مانند
جو کئی زخم ڈال دیتی ہیں
لیکن اکثر دلوں پہ پڑتے ہی
سارے دکھ درد ٹال دیتی ہیں

*

سرمگیں اور سرمے سے خالی
تیری آنکھوں کا ہے عجب دستور
اپنے مدھوش جاں نثاروں پر
ان کا ہر ایک وار ہے بھرپور

*

تیری آنکھوں کی مسکراہٹ میں
ہم نے چاندی کی سی چمک دیکھی
تو جو آیا ہماری آنکھوں نے
تیرے قدموں کی چاپ تک دیکھی
تو جو سویا تو خوب ہم جاگے
تیرے چہرے پہ کیا دمک دیکھی

*

تیری آنکھوں نے میری آنکھوں کو
عشوۂ و ناز بھی سکھایا ہے
عشق نے روٹھنے کا یہ انداز
میرے پیارے تجھی سے پایا ہے

*

لاکھ روکا مگر ان آنکھوں نے
میرے پیارے تجھی سے پیار کیا
اپنے راز و نیاز کی خاطر
ہائے بے موت مجھ کو مار دیا

*

یہ جھگڑنے کو ہیں سدا تیار
ان کے لڑنے کے ہیں عجب اطوار
ان پہ ساون کو رشک آتا ہے
جب لرزتے ہیں آنسوؤں کے تار
نت نئی آن بان سے دیکھا
میں نے آنکھوں کو برسر پیکار

*

بے ادب ہوگئی ہیں کیا آنکھیں
غیر سے جن کی آشنائی ہو
منتہائے نظر سے پیار نہیں
ایسی آنکھوں کا اعتبار نہیں

*

عید کیسی بغیر آنکھوں کے
یہ نہ ہوتیں تو کون کہہ سکتا
عید آنکھوں سے ہی عبارت ہے
زندگی کتنی پر مسرت ہے

*

جس میں رہتا ہے جان کا خطرہ
مجھ سے پوچھے بغیر آنکھوں نے
جہاں چلتی نہیں کسی کی بات
ہائے کس راہ گیر کی خاطر
وہی انداز اختیار کیا
جانے کس کس کا اعتبار کیا
پھر اسی رہ گذر سے پیار کیا
روح کو وقف انتظار کیا

*

وہ بلا نوش حسن ہستی ہیں
کوئی دیکھے تو میری آنکھوں کو
جو کئی بار سیر ہو کر بھی
رات دن غرقہ کیف و مستی ہیں
جو گھٹا کی طرح برستی ہیں
جلوۂ یار کو ترستی ہیں

*

تو ہی مجھ پر اگر ترس کھائے
گوہر دل کی قدر جانے کون
جس کے پرتو سے زندگی میری
ہائے کس منہ سے روبرو تیرے
عقل گم ہے کہ تیری رحمت کو
یہ بھی کیا کم ہے گر تصور میں
آرزو میرے دل کی بر آئے
کاش تیری نگاہ پڑ جائے
تیری احسان مند کہلائے
مدعا اپنا کوئی دہرائے
دل وارفتہ کیسے اپنائے
تجھ کو محو خرام سا پائے

*

تو نے چھوڑا انہیں جہاں پیارے
تجھے دیکھا تھا پہلی بار جہاں
نذر زاغ و زغن انہیں کرتی
محو حیرت رہیں وہیں آنکھیں
ڈھونڈھتی ہیں تجھے وہیں آنکھیں
اور پڑتیں اگر کہیں آنکھیں

*

جس طرف دیکھتی ھے یہ دنیا تو آدھر چشم شوق وا نہ کرے
تیرے راز و نیاز ھیں کچھہ اور کیوں کرے تو بھی جوزمانہ کرے

*

میری آنکھوں میں تازگی آئے ان کا دیدار ھی غنیمت ھے
اور اگر وہ ھوں مجھہ سے رو گرداں پھر بھی آن سے بڑی محبت ھے
دل کی آنکھوں سے کوئی دیکھے تو ھر ادا آن کی خوبصورت ھے
کوئی آن کے سوا کسے دیکھے کب کسی غیر میں وہ غیرت ھے

*

عشق کے مشورے سے آنکھوں نے میرے دل کو وھاں پھنسایا ھے
جس جگہ عارفوں نے حیرت سے نطق کو سربمہر پایا ھے

*

وائی — ۱

کہاں رھیں گے تجھہ بن ساجن یہ دکھیارے نین
توھی پالن ھار ھے ان کا تجھہ سے ھے سکھہ چین
پاؤں بنا کر ان کو پریتم ڈھونڈوں گی دن رین

وائی — ۲

پیا ملن کو چلی ھوں سکھیو رکھیو میرا دھیان
کیسے ھانکوں اونٹ کو اپنے باگ ھے آن کے ھاتھہ
مڑ جاتے ھیں پاؤں ادھر کو چاھیں جدھر کو ناتھہ
بھاگ میں ھے سو بھوگ رھی ھوں میں برھن انجان
رکھیو میرا دھیان
آن کے دوار کی داسی ھوں میں ٹوٹ نہ جائے آس
کہے "لطیف" وہ آجائیں گے کبھی تو میرے پاس
آن پہ بھروسہ آن کا سہارا جب تک جان میں جان
رکھیو میرا دھیان

—※※※—

تیسری داستان

بند کرلے یہ ظاہری آنکھیں
سرخوشِ بادۂ مجاز نہ ہو
جس حقیقت کا نام ہے عرفاں
اس حقیقت سے بے نیاز نہ ہو
چشم و دل معتبر نہیں جب تک
ان کے پردے میں کوئی راز نہ ہو

*

اشکِ گلگوں سے پہلے دھو آنکھیں
اے طلبگارِ حسنِ جلوۂ یار
سدِ راہِ طلب ہے گردِ مجاز
سیر حاصل ہو کس طرح دیدار

*

اپنی سانسوں کو مشکبار کروں
اپنے سینے کو جلوہ زار کروں
انتظارِ وصالِ یار کیا
اہتمامِ وصالِ یار کروں

*

وہ سپیدی ہو یا سیاہی ہو
مجھے دونوں ہی سے محبت ہے
میرے پیارے تری حضوری میں
نہ کوئی رنگ ہے نہ صورت ہے

*

عشق آنکھوں میں جب ہوا پیدا
خواہشِ وصل ہوگئی مقبول
عاشقوں کے لیے نہیں ہوتے
اہتماماتِ علت و معلول

*

بھول کر شاہدِ حقیقی کو
آرزوے مجاز کرتی ہے
آہ نیرنگیٔ مجاز تجھے
عشق سے بے نیاز کرتی ہے
دیکھ تو ان کی بے ثباتی کو
جن حسینوں پہ ناز کرتی ہے

*

کتنا بے حس بنا کے چھوڑ گیا
حسنِ عشوہ طراز تو دیکھو
روئی کی طرح دھن رہی ہے تجھے
آرزوے مجاز تو دیکھو

*

ایک ھی ضرب لاالہ میں بس
میرے پیارے ترے بغیر یہاں
جھانک کر جس نے روح میں دیکھا

جسم سے جان کو جدا پایا
اور کوئی نہ آسرا پایا
صرف تجھ کو ھی اے خدا پایا

*

محو حیرت ھوں بام و در سارے
اس حقیقت کا ھو اگر اظہار

حشر برپا ھو مرغزاروں میں
آگ لگ جائے کوھساروں میں

*

دل وھیں ھے جہاں ھے وہ پیارا
چشم حیراں اسے کہاں پائے
اس کے راز و نیاز کا عالم
میری سعی و طلب سے بالاتر
بے خودی آرزو کا شیرازہ

اب نفی ھے نہ ھے کوئی اثبات
دیدنی کب ھے اس خدا کی ذات
سربسر ماورائے امکانات
اس عدیم المثال کی ھر بات
اور خودی انتشار احساسات

*

دیکھیے اس کے حسن کا فیضان
ایسی حیرت یہاں نصیب کسے

جس نے آنکھوں کو کر دیا حیران
جان و دل اس کی دین پر قربان

*

ھر تگ و دو ھے جن کی ناھموار
وہ نہ سمجھے کسی اشارے کو
خس و خاشاک سے جنہیں نسبت

ایسے قلب و نظر سے کس کو پیار
پھر رھے ھیں اِدھر اُدھر بیکار
کیا وہ دیکھیں گے حسن جلوۂ یار

*

بس اسی جاں نثار عاشق کو
غم جاناں سے مضمحل ھو کر

اپنی آنکھوں سے وہ لگائے گا
جو سلائی سا تن بنائے گا

*

آکے آنکھوں میں بیٹھ جا پیارے
بند کرلوں میں اس طرح آنکھیں

بس مجھے تو ھی تو نظر آئے
اور کوئی نہ پھر تجھے پائے

*

اے مرے آشنائے راز وفا مفسدوں کو پتا نہ کوئی بات
عین ممکن ہے بات بڑھ جائے بیت جائے یہ مختصر سی رات

*

تیری باتوں کا اے دلِ مشتاق مفسدوں کو کوئی پتا نہ لگے
تو ہو خود اپنے راز کا محرم اس دبی آگ کو ہوا نہ لگے

*

آج پھر روبرو ہے جلوۂ یار ہمنشیں جرم تو نہیں دیدار
مفسدوں کو پتا بھی چل جائے فکر پھر بھی نہیں مجھے زنہار
سر بسر زخم خوردہ قلبِ حزیں سخت بے تاب دیدۂ خونبار

*

شر پسندوں کو ایسی عبرت ہو پھر کبھی سر نہ وہ اٹھا پائیں
دوسروں کے لیے جو کھودا ہے آپ ہی اس گڑھے میں گرجائیں
دیکھ کر تجھ کو اے مرے پیارے اپنی کوتاہیوں پہ شرمائیں
اور پھر گھٹ کے اس ندامت میں آپ ہی اپنی موت مرجائیں

*

شر پسندوں سے ان کو خطرہ ہے عشق جن کا بجھا بجھا سا ہے
جس کے دل میں لگی رہے یہ آگ وہ تو خود ان کو مار دیتا ہے

*

اسے ڈس لے نکل کے کالا ناگ ایسے مفسد پہ ہو خدا کی مار
سُن رہا ہے ہماری باتوں کو چپ کھڑا ہو کے جو پسِ دیوار

*

اے جفا پیشہ مفسدِ بدکار تو ہمیشہ رہے ذلیل و خوار
ہو کے حائل مری محبت میں تو نہ پھولے پھلے کبھی زنہار
تونے رسوا کیا مجھے ناحق روسیہ! تجھ پہ ہو خدا کی مار

*

میرے پیارے ترے قرینے کو
کب وہ خانہ خراب سمجھے ہیں
اپنی کوتاہیٔ نگاہ سے ہو
رحمتوں کو عتاب سمجھے ہیں

*

عقل و فہم و خرد سے بالاتر
یوں تو کتنے ہی حادثات ہوئے
جو کبھی سننے میں نہ آتے تھے
چند ایسے بھی واقعات ہوئے

*

برتر از طول و عرض و صورت ہے
اس کی قدرت عجیب قدرت ہے
ہر اشارے میں کیا محبت ہے
وہی سمجھے جو محوِ حیرت ہے
ہر فسانے میں اک حقیقت ہے
کون جانے جو اس کی ندرت ہے
جلوۂ حسنِ یار دیکھ سکیں
اہلِ ظاہر میں کب یہ ہمت ہے
وہی دیکھے گا اس کے جلوے کو
جو ذرا صاحبِ بصیرت ہے

*

اس کی پہچان ہے بڑی مشکل
دیدۂ دل کو کھول کر دیکھیں
کوئی ہاتھی نہیں جسے اندھے
ہر طرف سے ٹٹول کر دیکھیں

وائی—۱

چہرہ تو خلیل سا ہے لیکن حالت ترے دل کی ابتر ہے
اصنام خیالی ہیں دل میں تو آزر ہے تو آزر ہے
کہتا ہے "لطیف" کہ دنیا میں ہرسو وہی حسنِ وحدت ہے
مائل یہ دوئی ہے کیوں ناداں کیا اس کو دوئی سے نسبت ہے
ہر جلوہ اسی کا جلوہ ہے ہر صورت اسی کی صورت ہے
شاید تجھے یہ معلوم نہیں رب تیرا سب سے بڑھ کر ہے
تو آزر ہے - تو آزر ہے

وائی—۲

خدایا جدا ہو نہ مجھ سے وہ پیارا
اسی سے امیدیں اسی سے سہارا
بہت دور ہیں اس کی وہ شاہراہیں
جنہیں دیکھ آئی ہیں میری نگاہیں

اگر مائل لطف اس کا قلم ہو
تو لوحِ دل و جاں پہ کیا کچھ رقم ہو
نہ ہو میری قسمت میں کوئی خسارا
اسی سے امیدیں اسی سے سہارا

وائی — ۳

موت کھڑی ہے تاک میں یارو
آؤ کیسے پر پچھتاؤ

ایک ہی لاٹھی سے یہ بیرن
ھانکے گی سب کے جگ جیون
زیادہ پاؤں نہ پھیلاؤ
آؤ کیسے پر پچھتاؤ

سن لو غفلت کے متوالو
شیش محل میں رہنے والو
اتنا بھی مت اِتراؤ
آؤ کیسے پر پچھتاؤ

جائے گا جب پیا ملن کو
پہنے گا ہر ایک کفن کو
کہے "لطیف" کوی آؤ
آؤ کیسے پر پچھتاؤ

وائی — ۴

وہ فوق البشر رہنما مل گیا ہے
وسیلے سے جس کے خدا مل گیا ہے
مسیحائے ہردوسرا مل گیا ہے
مجھے اپنا درد آشنا مل گیا ہے

ہوا اس کا دیدار آنکھوں کو جب سے
سمجھتا ہوں ہر مدعا مل گیا ہے

مرا مقصدِ زیست جس کی طلب تھی
وہ سرتاجِ مہر و وفا مل گیا ہے

مرے دیدہ و دل میں ہے جس کا پرتو
وہ خورشید صدق و صفا مل گیا ہے

—✻✻✻—

چوتھی داستان

دیکھ کر بھی اسے نہ پہچانے
ہائے یہ ناشناس فرزانے
فکر یوم الحساب کیا کہیے
سن رہا ہوں ہزار افسانے
محرمِ راز بھی ہیں سکتے میں
مصلحت کیا ہے کوئی کیا جانے
درسِ عبرت ہے ان کی محرومی
حکمِ رب سے رہے جو بیگانے
آدمی زادہ ہو کہ ہو حیواں
سب اسی کے ہیں تابعِ فرماں

*

آدمی کی بساط ہی کیا ہے
جیسے کوئی حباب پھوٹ گیا
یا کسی طائرِ پر افشاں سے
دفعتاً آشیانہ چھوٹ گیا
وائے محرومیٔ دلِ ناکام
سانس کا سلسلہ بھی ٹوٹ گیا

*

بے نیازِ حیات ہوجانا
اک ثبوتِ ثبات ہوجانا
جس کو سن کر ہو بیخودی طاری
وہ انوکھی سی بات ہوجانا
دل کی گہرائیوں میں گم ہو کر
آپ اک کائنات ہوجانا
مدعائے طلب ہے دل سے محو
فرقِ ذات و صفات ہوجانا

*

گر ہے تحقیقِ حسن کا ارمان
دست و پا کا نہ سر پہ لے احسان
یہ ہے اک رہ گزارِ پُر اسرار
کام آتے نہیں یہاں اوسان

یہ ترے چشم و گوش کیا جانیں　　اس سراپا جمال کی پہچان

*

حسبِ معمول دن گزارے جا　　ہو ہی جائے گا اس کا نظارا
غور سے دیکھ سامنے تیرے　　ہو نہ ہو آگیا وہی پیارا

*

جس کے جلووں کے ہم ہیں شیدائی　　خود ہمیں میں وہ جلوہ آرا ہے
کہہ دو وہم و گماں سے اب جائیں　　میرے دل میں مکیں وہ پیارا ہے
جس نے اک حسن بے نیازی سے　　اپنے شہکار کو سنوارا ہے

*

دیکھنا ہے جو حسن جلوۂ یار　　اپنے ہی دل میں بے حجابانہ
پہلے جمعیتِ حواس ہو پھر　　ترک ہوجائے آب اور دانہ

*

ان کے ہی حق میں امن و راحت ہے　　جن میں کچھ باطنی بصیرت ہے
اک مجسم مشاہدہ ہیں وہ　　دور رس جن کی محرمیت ہے
سرِ افعی بھی ان کے آگے خم　　سہمی سہمی سی جن کی فطرت ہے
حق نگر ہیں سب اولیائے کرام　　آن پہ بے شک خدا کی رحمت ہے

*

دل کی آنکھیں جو کھول کر دیکھے　　روبرو اس کو جلوہ گر دیکھے
پھر نہ کہلائے تو کبھی مشرک　　ہر طرف حسنِ معتبر دیکھے

*

جس کو گرداب راس آجائے　　ہر کنارہ اسے کھٹکتا ہے
اپنے ہی دل میں دیکھ لے اس کو　　کس لیے جابجا بھٹکتا ہے

*

اس طرح تو نفی کو اپنائے　　شرکِ اثبات دل سے مٹ جائے
اس کے نزدیک کچھ نہیں من و تو　　راس جس کو یہ بیخودی آئے
خود پرستی کا عارضی پندار　　آپ ہی آپ دور ہوجائے

*

سفرِ زیست میں بسا اوقات
پیش آتے ہیں نت نئے حالات
نور و ظلمت میں دائم آویزش
کفر و ایمان میں کشمکش دن رات
لیکن اک حق نگر موحد کو
درحقیقت ہے ایک ہی سی بات
شرک پروردہ قلب آزر میں
پائے جاتے ہیں ایسے احساسات
جن کی تہ میں دوئی نے رکھے ہیں
وصل جاناں کے چند امکانات

*

کلمہ پڑھنے ہی سے ارے نادان
پختہ ہوتا نہیں کبھی ایمان
تو ہے مانندِ آزرِ مشرک
حق پرستی کی تجھ کو کیا پہچان
پیشِ حق خم سر نیاز ترا
دل میں موجود ہے مگر شیطان

*

صرف ظاہر پرستیاں کب تک
اے منافق رضائے دل پہچان
تو کسی بات پر نہیں قائم
کفر تجھ میں نہ تجھ میں ہے ایمان

*

تیری صورت کلیم جیسی ہے
اور سیرت میں سربسر شیطان
ایک ہوجائیں صورت و سیرت
تابکے یہ حماقت اے نادان

*

چہرہ آئینہ سے بھی روشن تر
اور دل میں بھری کدورت ہو
ایسے ظالم کے دل میں ناممکن
پرتوِ راز محرمیّت ہو

*

جن کے دل آشنائے وحدت ہیں
وہ سمجھتے ہیں اس کا ہر انداز
ہر طرف وادیٔ محبت میں
سن رہے ہیں اسی کی وہ آواز

*

نت نیا حسن تیری قدرت کا
کس کو دعوی ہو محرمیّت کا
وہ بھی سمجھے نہ اس تغیر کو
فخر ہے جن کو تیری قربت کا

*

جو عزازیل کی طرح "سید"
آس خوش اعمال کو نہیں کچھ فکر
خود پسندی ہی میں نہ کھوجائے
اس پہ دوزخ حرام ہوجائے

*

دیدہ و دل سے تو گواہی دے
رخنہ اندازیٔ دوئی کب تک
یہ مسلمان کی عبادت ہے
تو پرستار حسن وحدت ہے

*

سرمہ ہوتا ہے عورتوں کے لیے
اس کی آنکھوں میں ڈال دے آنکھیں
ہر سپیدی میں ہے اسی کا نور
مرد ہو کر تو کیوں لگاتا ہے
جو انہیں ارغوان بناتا ہے
جو نظر میں تری سماتا ہے

*

پیٹ کی فکر جن کو لاحق ہے
فارسی سیکھ لی غلاموں سے
کیسے آن کا خواص میں ہو شمار
ھائے پھر بھی نہ بن سکے سردار

*

جان جاں کے قریب تر جانا
کیسا امروز اور کیا فردا
درد کی راہ سے گزر جانا
نام روشن جہاں میں کر جانا

*

جس نے لاکھوں کو کردیا اندھا
جستجو کس طرح کرے گا تو
اس اندھیرے سے کچھ فراغ نہیں
پاس جب تک کوئی چراغ نہیں

*

تو نے جس کو چراغ سمجھا ہے
کیسے اندھوں کو اس اندھیرے میں
وہ تو ہے صرف جلوۂ خورشید
اس سراپائے راز کی ہو دید

*

کیوں لیے پھر رہا ہے تو اس کو
ڈھونڈھ اس کو نہ جاکے اور کہیں
تیرے حق میں چراغ ہے بیکار
خود ترے دل میں ہے جمال یار

*

روبرو آن کے روئے جاناں ہے
تک رہی ہیں اسی طرف آنکھیں
کون جانے جو عہد و پیماں ہے
جس طرف وہ بہار ساماں ہے

یوں تو بھیگی ہوئی سی ہے ہر آنکھ
پھر آپس میں ہے پس پردہ
غور کیجے تو شعلہ افشاں ہے
پھر بھی آنکھوں کا ایک ارمان ہے

*

شرم رکھ لی مری ندامت نے
جن کو میں نے ثواب سمجھا تھا
مجھ سے روٹھا ہوا تھا وہ پیارا
آگئی کام خود فراموشی
ورنہ بے فیض تھے مرے اعمال
بن گئے ہیں گناہ وہ افعال
زندگی بن گئی تھی اک جنجال
اس کا لطف و کرم ہے شاملِ حال

*

اپنے دل سے جسے چھپایا تھا
میرے بس میں نہیں دلِ بیتاب
تو نے وہ راز آشکار کیا
کیا ستم اے فراقِ یار کیا

*

دشمنِ جاں یہ زرد چہرہ تھا
مفسدوں کو کہاں خبر ہوتی
اب تو آنکھیں بھی بن گئیں غماز
گر ترے غم کا راز رہتا راز

*

وہم کثرت کو غرقِ وحدت کر
راز ہے تیری کامیابی کا
مان لے خود پرستیوں کی ہار
بیخودی ہی میں اے تلاشِ یار

*

جستجو وہ کریں گی اس کی خاک
ڈھونڈھتا کیا اِدھر اُدھر اُس کو
جس طرف بھی نگاہ اُٹھتی ہے
کر سکے جو نہ اس کا نظارا
خود مرے دل ہی میں ہے وہ پیارا
مسکراتا ہے وہ جہاں آرا

*

ساری دنیا پہ "میں" کا جادو ہے
یہ خداناشناس کیا جانے
لا و الا کے درمیاں کیا ہے
حق ہے الحق ہم صفت موصوف
"میں" کے عرفان سے مگر محروم
جو قضا و قدر کا ہے مفہوم
اس کو یہ راز ہی نہیں معلوم
چند روزہ ہے یہ دوئی کی دھوم

*

جاننا ان کا سخت مشکل ھے
جز غمِ عشق کوئی کیا جانے
ماورائے عدم ھیں کیا کیا راز
ان کو جانے تو بس خدا جانے

*

جو بھی اپنی خودی مٹائے گا
دوست اس کے قریب آئے گا
تجھ سے وہ جان جاں جدا تو نہیں
اپنے ھی دل میں اس کو پائے گا

*

میری قسمت کہ اس کو کھو بیٹھی
میری ہر سانس میں تھاجو موجود
میں نے ناحق اِدھر اُدھر دیکھا
خود مرے دل میں ھے مرا مشہود

*

دل نہ پرسوز ھو تو کیسا عشق
دور کی بات ھے وصالِ یار
جیسے ھوتا ھے گوشت کا پکنا
صرف بھوبے کی آگ پر دشوار

*

سوچتا ھی رھے گا ھر عاشق
راز اپنا نہیں بتائے گا
کب تک اشکوں کو اور آھوں کو
اھل دنیا سے وہ چھپائے گا

*

دل میں رکتی نہیں سجن کی بات
خود بہ خود یہ زبان پہ آتی ھے
کچھ سہارا نہیں ھے یہ مشکیزہ
موج طغیانیوں کو لاتی ھے

*

رگ و پے میں ھیں موجزن یا رب
جانے کتنے ھی بحرِ تند و تیز
کاش ھوجائے نذرِ سوزِ دروں
اُن کی طغیانیوں کی جست و خیز

*

وصلِ جاناں کی راہ میں حائل
دیدہ و دل کی خود پرستی ھے
تجھ پہ طاری ھے نشۂ اثبات
تیری ھستی بھی کوئی ھستی ھے

*

مجھ میں جب تک شعور ھستی ھے
شاملِ حال خود پرستی ھے
سوچتا ھوں کہ پھر کہاں جاؤں
جب بلندی کا نام پستی ھے

*

اس کی ہستی ہے سرِ خوشِ وحدت
ذاتِ حق کا جسے ہوا ادراک
شرط یہ ہے سرورِ جاں کے لیے
دل ہو آلائشِ خودی سے پاک

*

اپنی ہستی سے ہوگئے بیزار
آپ ہی بن گئے جمالِ یار
اے غمِ عشق یہ کرم ہے ترا
مٹ گئے ہیں خودی کے سب آثار

*

آئینہ ہے اسی کا ہر انساں
لیکن اس کو عوام کیا جانیں
جو ہیں خاصانِ حق فنا فی اللہ
وہ اناالحق کا مدعا جانیں

*

سر بسر ناقبول ہیں اعمال
گر نہ اس کی رضا ہو شاملِ حال

*

جو چُراتا ہے کب بتاتا ہے
کس کو معلوم کیا چُراتا ہے
راز ہے اس کی زندگی کا یہی
چور خود کو سدا چھپاتا ہے

*

کیا کرے کوئی ڈھونڈھنے والا
لاکھ ڈھونڈھے مگر نہ پائے گا
کہہ رہا ہے کھڑا ہوا اک چور
کون میرا پتا لگائے گا

*

خود پرستوں کا کفر یا اسلام
کچھ نہیں ہے بجز خیالِ خام
اس دلِ دردمند کے قرباں
جس نے سمجھا ہو درد کو آرام

*

قعرِ دریا میں چھوڑ کر مجھ کو
یہ کہے جا رہا ہے وہ پُر فن
کہیں ایسا نہ ہو کہ غفلت میں
بھیگ جائے تیرا سر دامن

*

قعرِ دریا میں پھنس گئی ہوں میں
میرے دامن کی لاج رکھ لینا
کوئی تیرے سوا نہیں جس کا
اس ابھاگن کی لاج رکھ لینا

*

جو شریعت کا راہبر بن جائے　　اس طریقت کی شرط لازم ہے
جلوۂ شیخ۔ معرفت درکار　　نورِ وحدت کی شرط لازم ہے
تو جو چاہے کہ تر نہ ہو دامن　　استقامت کی شرط لازم ہے

*

جھوٹ کا پھل کسے ملا اب تک؟　　کہ یہ سوکھی ہوئی سی ڈالی ہے
دیکھ سنیاسیوں نے اے غافل　　غیرت۔ آرزو بچالی ہے
جس سے گذرے ہیں بے نیازانہ　　راہ ایسی بھی اک نکالی ہے

*

اہل۔ دل کی جہاں رسائی ہے　　اس جگہ عشق کی خدائی ہے
جانے کتنا عمیق ہے گرداب　　جس کی تہ عرشِ کبریائی ہے
اب نہ حمد و ثنا نہ وہ تعظیم　　ہر طرف بے خودی سی چھائی ہے

*

تو ہے محرومِ لذتِ آزار　　تجھ کو حاصل ہو کیا وصال۔ یار
جس میں اس کی رضا نہ ہو شامل　　وہ تمنا وہ آرزو بے کار

*

وصل کی آرزو نہیں زیبا　　جن کا مسلک ہے طاعت۔ رحمان
زیب و زینت انہیں مبارک ہو　　جن کا اس کی رضا پہ ہے ایمان

*

زحمتِ انتظار سے چھوٹے　　دور ہر ایک اضطراب ہوا
جن کی آنکھوں میں بس گیا پیارا　　خواب ان کے لیے ثواب ہوا

*

جسم تسبیح اور دل موتی　　نیند ان کے لیے عبادت ہے
وحدہٗ لا شریک کی خاطر　　جن کی رگ رگ میں سازِ وحدت ہے

*

وہ کہاں ہے رضا و رغبت میں　　بدگمانی میں جو لطافت ہے
عشق کا بھید کھل نہ سکتا تھا　　یہ کسی غیر کی شرارت ہے
اس پہ بھی مطمئن ہے دل میرا　　روح پرور غمِ محبت ہے

*

وائی

وہ مقبول ہیں اس کے در پر ہیچ ہیں جو انسانوں میں
کوئی تو ہوگی بات انوکھی فرسودہ خس‌خانوں میں

وہ اس کے نزدیک ہیں ان سے راضی انکا پیارا ہے
جن لوگوں کو دنیا والے گنتے ہیں بے گانوں میں
فرسودہ خس‌خانوں میں

چھوڑ دے اے غافل من مانی خلق خدا کی خدمت کر
تو بھی ہو جائے گا شامل پھر اس کے پروانوں میں
فرسودہ خس‌خانوں میں

اس کا راج "لطیف" جہاں میں جو کچھ ہے سو اس کا ہے
محلوں میں ایوانوں میں صحراؤں میں ویرانوں میں
فرسودہ خس‌خانوں میں

سر پربھاتی

سر پربھاتی

کہے گا کون پھر تجھ کو مغنی
نہیں 'بھانو' کا یہ طور و طریقہ
نہ جانے آج تجھ کو کیا ہوا ہے
نہ رکھے ساتھ گر تو ساز اپنے
کہ ٹانگے کیل پر تو ساز اپنے
سحر کے وقت چپ بیٹھا ہوا ہے

*

تجھے او نیند کے مانے ہوا کیا
جو گانا ہو تو گا لے آج کی رات
نہ تو ہوگا نہ یہ اعجاز ہوگا
کہ کل ٹوٹا ہوا یہ ساز ہوگا

*

نہیں ہے 'جاجکوں' کا یہ طریقہ
سرہانے رکھ کے اپنا ساز ناداں
تجھے بھی خوں رلائے گی یہ غفلت
ارے غافل یہ تجھ کو کیا ہوا ہے
سحر کے وقت بھی سویا ہوا ہے
کہ غفلت سے بھلا کس کا ہوا ہے

*

سکھاتے 'جاجکوں' کا جو سلیقہ
خطا سے درگذر کر میرے راجہ
گئے منہ موڑ کر وہ یار سارے
میں بھولوں گا نہ تیرا نام پیارے

*

اٹھا کر دوش پر بربط چلا ہے
ہمیشہ سے یہی ہے اس کا عالم
سرابوں میں بھٹکتا پھر رہا ہے
کبھی آرام 'چارن' کو ملا ہے

*

اٹھا کر ساز سورج ڈوبتے ہی
ترے سازوں کے زنگ آلودہ ہیں تار
ترے ہم قوم شرماتے ہیں تجھ سے
ہوئے جانے کدھر 'جاجک' روانہ
لٹکتے رہ گئے چنگ و چغانہ
کہ تیری زندگی ہے سائلانہ

*

کہیں گے کیا ترے ہم قوم تجھ کو
ندامت سے مری جاتی ہے 'لنگھی'
مغنی ہے مگر تو بے ہنر ہے
جو دکھیا تیری منظورِ نظر ہے

*

مسافت دور کی ہے کیسے آؤں
یہیں تم بھیج دو دینا ہے جو کچھ
شکستہ پا مغنی ہوں تمہارا
کہ تم ہو بے سہاروں کا سہارا

*

چھپا کر سب سے مجھ سے بے ہنر کو
اگر اہلِ ہنر وہ جان لیتے
دیے ہیں تونے اکثر جو سہارے
تو فوراً توڑ دیتے ساز سارے

*

جو ان کے در سے وابستہ رہے ہیں
کہ راتیں پاؤں پھیلا کر گزاریں
نہیں ان سائلوں کی ایسی عادت
رہے ان پر مسلط خوابِ غفلت

*

وہ تیرے کاتنے کے دن کہاں ہیں
کہا تھا میں نے چرخے سے لگا دل
گئی بیکار سب تیری جوانی
مگر تونے نہ میری بات مانی

*

نہ جانے کل تو اے سائل کہاں تھا
یہاں اب گھومنے پھرنے سے حاصل
سخی کے سامنے جا اے سوالی
نظر آتا ہے آج اتنا پریشاں
وہیں ہے تیرے دردِ دل کا درماں
اسی در سے ہے کچھ ملنے کا امکاں

*

اسے معلوم ہے سب حال تیرا
وہ بن مانگے عطا کرتا ہے سب کو
وہ تیرے دل کی باتیں جانتا ہے
تو اپنے منہ سے کیوں کچھ مانگتا ہے

*

پھر اس دم بھر میں سارے خشک نالے
سخی ہے وہ 'سپڑ' جن کی عطا سے
''لطیف'' اس کے خزانے میں کمی کیا
اگر اس کو کچھ ان کا دھیان آئے
ہوئے ہیں شاد سب اپنے پرائے
جو پانی کی طرح موتی لٹائے

*

تو اپنے ساز کو تیار کر کے
سہارا عجز کا لیکر مغنی
اسی سردار سے کچھ مانگنے جا
خلوص دل سے اس کے سامنے جا

*

امیدیں بھی ھیں اس سے خوف بھی ھے
میں کیسا بھی ھوں لیکن اپنے در سے
مغنی کو مگر ھے یہ سہارا
نہ لوٹائیگا خالی ھاتھ پیارا

*

تو سائل ھے بھروسا کر سخی پر
لگالے سینہ سے چنگ و چغانہ
اٹھا سر کو نہ اس کے آستاں سے
کہ یہ بہتر ھیں ھر اک ارمغاں سے

*

جو دانستہ کہے انجان ھوں میں
وھی مقبول ھے اس کی نظر میں
در جاناں پہ ھے اس کی رسائی
جسے ھو اعتراف بے نوائی

*

اٹھو آگے بڑھو اے بے نواؤ!
نہیں ھیں تار ان کے زنگ آلود
بجاؤ گاؤ تم سے خوش ھے راجہ
بلاتا ھے وہ انجانوں کو، جاؤ
بجاؤ بربط و دف کو بجاؤ
طریق اس کا ھے جو مانگو سو پاؤ

*

اسے نام و نسب سے واسطہ کیا
سنا ھے میں نے انجانوں پہ اس کی
کہ اس کی دین کا باعث ھنر ھے
محبت ریز اور گہری نظر ھے

*

جو گہری نیند میں سوئے ھوئے تھے
جو نغمہ حاصل مضراب جاں تھا
انہیں اس پیارے مطرب نے جگایا
وھی نغمہ زمانے کو سنایا

*

مغنی نے کہیں نزدیک آ کر
ھوا محظوظ جب بیلے کا راجہ
سخی نے اس کے دل کی بات سن کر
گذشتہ رات اس مطرب نے "سید"
اچانک نغمۂ صحرا سنایا
اسے لینے کو ڈولی لے کے آیا
کرشمہ جوش رحمت کا دکھایا
خدا جانے وھاں کیا کیا نہ پایا

*

سپڑ سائل سے کتنا خوش ہوا ہے
کہ اس انجان کے قلب و نظر پر
سپڑ نے اس کی باتیں مان لیں سب

سمجھ میں اس کی جب یہ بات آئی
مصیبت بن گئی ہے بے نوائی
سحر آسودگی کا دور لائی

*

کمی کیا ہے اسے نغموں کی مطرب
وہ پارس اور ہم سب جیسے لوہا

ترا نغمہ وہ کیا خاطر میں لائے
جسے چاہے اسے سونا بنائے

*

صدا ایسی نہ اے سائل لگانا
سخی بھر دے ترے دامن کو، لیکن

عیاں جس سے تری حرص و ہوا ہو
ہمیشہ کے لیے تجھ سے خفا ہو

*

اسے محبوب ہیں انجان سائل
بہت خوش ان سے ہے بیلے کا مالک
عطا اس نے کیے رہوار ان کو

کہ اپنے آپ کو پہچانتے ہیں
نہ وہ کہتے نہ وہ کچھ جانتے ہیں
تہہ دل سے جو اس کو مانتے ہیں

*

صبحدم آکے نے نوازوں نے
اور پھر اس سخی کے ہاتھوں سے
کون ہم بے کسوں کا داتا ہے

اس کے در پر وہاگ گایا ہے
زندگی کا سہاگ پایا ہے
تیرے پیاروں سے دل لگایا ہے

*

ہاتھ میں جن کے اس کی قسمت ہے
کس قدر خوش نصیب ہے چارن

اس گدا کو انہیں سے ہے سروکار
کہ وہ کہلا رہا ہے موسیقار

*

بے غم یار، بے نوا، بے کار
کس توقع پہ ساتھ دے تیرا
ان کی قسمت میں اس کی ڈولی ہے

اور کہلا رہا ہے موسیقار
وہ وفا آشنا سخی سردار
جن کو محبوب لذت آزار

*

میں فرومایہ اور تو پارس
تیری خاطر یہ ساز اٹھایا ہے
مجھ سے انجان کے لیے پیارے
میں گداپیشہ تو سخی سردار
یہ سمجھ کر کہ تو ہے پالنہار
اشتیاق آفریں ہے تیرا پیار

*

نیند میں بیتی جا رہی ہے رات
ماہ و انجم لٹا رہا ہے کوئی
وہ کھلا ہے خزینۂ فطرت
ساز اٹھا، ساز اٹھا، مغنّی! ساز
اے مغنّی کھلی ہے راہِ نجات
نہ رہا کوئی صاحبِ حاجات
موتیوں سے بھرے ہیں سب کے ہات
دے ہی دیگا سخی تجھے سوغات

*

ٹھیس کھا کر بذاتِ خود اس نے
جب سبھی کچھ ہے میری قدرت میں
بے سلیقہ تری گدائی ہے
سائلوں کو دیا ہے یہ پیغام
غیر کے در سے پھر تمہیں کیا کام
میرے جود و سخا پہ کیا الزام

*

کل اسے کیسے منہ دکھائیگا
مانگ اسی سے جو روز دیتا ہے
آج اگر اس کے در سے پیار نہیں
غیر کے در کا اعتبار نہیں

*

بھول جانا نہ اس کو اے مطرب
عجز سے کورنش بجا لانا
جانِ جاناں ہے وہ سخی سردار
اپنے بربط پہ کَس کے سیمیں تار

*

نہ کسی نے یہ ان کو سمجھایا
گرد آلودہ سائلوں کو بھی
نہ یہ ان کی سمجھ میں آیا ہے
اس نے کس پیار سے بلایا ہے

*

تجھ سے بیچاری کو گلا کیا ہے!
تیری ہر لے فریب سے معمور
کیا ہوئی تیری شانِ استغنا
اے مغنّی، تری خطا کیا ہے!
تیرا ہر ساز روح فرسا ہے
اے مغنّی تجھے ہوا کیا ہے

*

جن سے راضی ہوا سخی سردار	وہ ہوئے راگ رنگ سے بیزار
کوئی آواز ہی نہیں آتی	زمزمے ہیں نہ اب وہ موسیقار
چل دئے لے کے اپنے اپنے ساز	کون جانے کہاں ہیں منگتہار

*

پیٹ بھرنا بھی اس کو دوبھر تھا	وقت ایسا بھی اس پہ آیا ہے
جس کو معتوب جانتے تھے سب	آج اعزاز اس نے پایا ہے
کہ سخی نے اسے بہ لطف و کرم	اپنی ڈولی میں خود بلایا ہے

*

میں ہوں لوہا تری نظر پارس	تو غنی میں ہوں سائل نادار
سونا بن جائے پل میں لوہا بھی	تو اگر چاہے اے سخی سردار

*

میں فرومایہ ہی سہی لیکن	تیرے ہی ہاتھ میں ہے میری لاج
لطف تیرا شریک حال رہے	تو سخی اور ہم سبھی محتاج

*

اٹھ کے محبوب کو وھاگ سنا	ڈوب جائے نہ صبح کا تارا
ہر طرح سے پرکھتا رہتا ہے	مطربوں کے دلوں کو وہ پیارا

وائی

اگر آسرے ہے جام کے، کسی اور در پہ نہ جا کبھی
تجھے مانگنا ہے جو مانگ لے، کہ گدانواز ہے وہ سخی
یہی چارنوں کا سہاگ ہے، کبھی اس کی لے کو نہ توڑنا
کہ سخی سپڑ کی انیس جاں ہے یہی وھاگ کی راگنی
جسے چاہے جان سے مار دے، جسے چاہے پار اتار دے
نہ کسی سے اس کو ہے دشمنی، نہ کسی سے اس کی ہے دوستی
ترا رازداں ہے وہ حق نگر۔ تجھے اس کے راز کی کیا خبر
بجز ایک حسن صفات کے نہیں کوئی بات بھی راز کی
یہ سنو تو بات لطیف کی، کہ اسی کے لطف و کرم سے ہے
ترے حال پر یہ نگاہ بھی، ترے ساز دل میں یہ نغمہ بھی

وائی

یہ اس رت کی ریت نہیں ہے. آجا میرے پاس آجا
ان گھاٹوں میں چھوڑ نہ جا تو پیارے پنہو جام مجھے

تازے تازے پھول کھلے ہیں بھینی بھینی خوشبو ہے
دیتی ہے ساری پھلواڑی تیرا ہی پیغام مجھے

وائی

یا اللہ وہ رستے ہی میں سن لیں مری پکار
جن پیاروں نے آکر جوڑے مجھ سے پریت کے تار

رات جنوں نے کس کر باندھے اونٹوں کے پالان
میرے پیارے کو وہ لے گئے کیا جانیں کس پار

وائی

جدھر گئے ہیں کیچی پیارے، میں بھی اُدھر ہی جاؤں گی
داسی ہوں میں ہوت پیا کی، ہاڑے میں سکھ پاؤں گی
باندی کی بھی باندی بن کر ان کے ناز اٹھاؤں گی
ڈھول ہوں ان کے پانو کی، میں اب کیسے لوٹ کے آؤں گی

وائی

وہی ایک شایان جود و سخا ہے
ہر اک آدمی اس کے در کا گدا ہے

کوئی بے ہنر یا اپاہج ہو کوئی
بہرحال بندوں پہ اس کی عطا ہے

وہ چاہے تو عزت، وہ چاہے تو ذلت
جسے جو ملا ہے اسی سے ملا ہے

عدم سے کیا اس نے تخلیق سب کچھ
وہی خالق بزم ہر دوسرا ہے

وہ قادر ہے، ہر شے پہ قدرت ہے اس کو
اسی کے لیے ساری حمد و ثنا ہے

انہیں پر ہوا ہے عتاب اس کا نازل
جنہیں حرص دولت نے بہکا دیا ہے

لطیف ایسے آقا کی تعریف کیا ہو
مقدم بہر طور اس کی رضا ہے

وائی

اسی گدا کی سخی سے ہوئی شناسائی
کہ جس کی نغمہ سرائی اسے پسند آئی

نہیں کسی کو بھی بے قدریٔ جہاں کا گلہ
دکھا رہا ہے وہ سردار شانِ یکتائی

نہ رہ سکے گا کوئی اس کے فیض سے محروم
کہ سب نے اس کے کرم سے مرادِ دل پائی

—⊱✲⊰—

سر رامکلی

سر رامکلی

پہلی داستان

تیرے یوگی، جہانِ تیرہ و تار   جلوۂ نور ہیں کہ شعلۂ نار
بزمِ ہستی پہ ضوفگن ہیں وہ   اُن سے دنیا ہوئی ہے پُر انوار
وہ نہیں جب تو زندگی کیسی   زندگی سے میں ہوگئی بیزار

*

در بدر مانگنے سے بہتر تھا   ایک ہی در تلاش کر لیتے
یہ گدایانِ کوچہ گرد اے کاش   کوئی جوہر تلاش کر لیتے

*

چھوڑ کر جس نے عیش و عشرت کو   آزمایا غمِ محبت کو
میں نے دیکھا اسی گداگر میں   جلوہ گر نورِ حسنِ فطرت کو

*

اُن کے ناقوس میں ہے یہ آواز   سرنگوں جس کے سامنے ہر ساز
میں تو ان کے بغیر جی نہ سکوں   ان کا غم میری زندگی کا راز
یہ حقیقت شناس لاہوتی   باعثِ درد اور درماں ساز

*

سن کے کوئی صدائے پر اسرار   میں چلی پھاند کر در و دیوار
میرے ہوش و حواس پر طاری   اک خوش آیند لہجۂ گفتار
کون جانے کدھر گئے جوگی   جستجو میں ہیں طالبِ دیدار
گریۂ انتظار نے مجھ کو   زندگانی سے کر دیا بیزار

*

ان کے نقشِ قدم کو پا لینا   عجز سے اپنا سر جھکا لینا
دور افتادہ ھیں وہ بیراگی   رفتہ رفتہ پتا لگا لینا
آن کے قدموں میں عالم لاھوت   ان کے دامن میں بے بہا یاقوت

*

ان کے ناقوس میں جو نغمہ ھے   سامنے ان کے سیم و زر کیا ھے
اب نظر میں کوئی نہیں جچتا   میں نے بیراگیوں کو دیکھا ھے
جانے کس وقت کوچ کر جائیں   پانڈو مشرق کی سمت اٹھا ھے

*

تیرتھوں کو چلے گئے جوگی   ھاتھ مل مل کے رہ گئی میں ھائے
لے گئے اپنے ساتھ دل کا چین   اب مرے دل کو چین کیوں کر آئے

*

مست ھیں اپنے حال میں ھر وقت   اور ھر قیل و قال سے بالا
ان کے ناقوس کی صدائے بلند   طلبِ مال و جاہ سے بالا
جان و دل میں سما گئے وہ لوگ   سو رھی تھی، جگا گئے وہ لوگ

*

ان کے ناقوس میں ھے سوز و گداز   جن سے آتی ھے سرمدی آواز
رسنِ شوق کھینچتی ھے مجھے   جس طرف ھیں وہ زمزمہ پرداز
جانتی ھوں کدھر گئے وہ لوگ   مجھ پہ ظاھر ھیں جوگیوں کے راز
جی سکوں گی نہ اب میں آن کے بغیر   کاش آجائیں پھر وھی دمساز

*

اک صدائے رحیل و بانگ جرس   صبحدم تھی یہاں ترنم ریز
یوں نہ جانے کدھر گئے جوگی   دے کے مجھ کو پیامِ دل آویز
ڈھونڈھتی ھوں مگر نہیں ملتے   جانے ان کے قدم تھے کتنے تیز
یاد آتے ھیں اب وہ بیراگی   ان کی ھر بات ھے خیال انگیز
میں فراموش کر نہیں سکتی   وہ فضا وہ ھوائے عنبر بیز
میری ھستی پہ چھا گئے ھیں وہ   کب ملیں گے وہ مجھ سے کم آمیز

*

وہ جہاں دھونیاں رماتے ہیں — نفس کی ہر خودی جلاتے ہیں
اپنے ناقوس جب بجاتے ہیں — جانے کتنے سرور پاتے ہیں
وہی جینے سے کرتے ہیں بیزار — وہی جینا مجھے سکھاتے ہیں

*

مشغلہ جن کا آہ و زاری ہے — میں نے ان جوگیوں سے پیار کیا
ان کی دلکش قیام گاہوں نے — دیدہ و دل کو بے قرار کیا
ان کے ناقوس کی صداؤں نے — بارہا مجھ کو اشک بار کیا
مجھ کو بیراگیوں کی صحبت نے — مائل عجز و انتظار کیا

*

چل دیے وہ قلات کی جانب — میں تڑپتی رہی جدائی میں
ہائے اب کیسے جی سکوں گی میں — اس جنوں خیز بے نوائی میں

*

ان کے ہمسایوں میں رہی لیکن — نہ میسر ہوا مجھے دیدار
پھر بھی طاری ہے دیدۂ و دل پر — ان کے حسن و جمال کا پندار
ہائے ان شوخ جوگیوں کے بغیر — میرا جینا ہے کس قدر دشوار

*

ہر خودی کو مٹا کے بیراگی — منہ کسی اور سمت موڑ گئے
عشق کی وسعتوں میں گم ہو کر — رشتۂ آب و گل کو توڑ گئے
اپنی پر کیف گوشہ گیری کا — سلسلہ میرے دل سے جوڑ گئے
کون جانے وہ میرے دل آرام — کیوں مجھے بے قرار چھوڑ گئے
اب مجھے زندگی سے کیا حاصل — آرزوے حیات لا حاصل

*

سوے "نانی" چلے گئے سوامی — اب یہاں کون ہے مرا ہمراز
صبحدم آج کل نہیں ہوتے — ان کے ناقوس زمزمہ پرداز
جی سکوں گی نہ اب میں ان کے بغیر — تھے وہی میرے مونس و دمساز

*

چل دیے ہنگلاج سے وہ لوگ — جن کو نانی کی سمت جانا ہے
یہ سنا ہے کہ دوارکا جا کے — انہیں دل کی مراد پانا ہے

*

چھوڑ کر مجھ کو چل دیے جوگی   دیدنی میری بے قراری ہے
جی رہی ہوں اگرچہ ان کے بغیر   ایک لمحہ بھی مجھ پہ بھاری ہے
ان پہ قربان جسم و جاں میرے   ان کی ہر ایک بات پیاری ہے

*

سونی سونی ہر ایک بیٹھک ہے   اب وہ جوگی رہے نہ ان کا جوش
جی سکوں گی نہ اب میں ان کے بغیر   اب نہ دل میں سکوں نہ صبر نہ ہوش

*

پوچھتے کیا ہو مجھ سے ان کا نشاں   راز سربستہ ہیں وہ خوش اطوار
توڑ کر سب سے رشتہ و پیوند   ہو گئے محوِ جستجوے یار
بے خودی میں رواں دواں پیہم   انہیں رختِ سفر نہیں درکار
جی سکوں گی نہ اب میں ان کے بغیر   چشم پرنم ہے طالبِ دیدار

*

جسم پر خاک ہاتھ میں ناقوس   اور ہی کچھ ہیں جوگ کے آداب
سمتِ نانی چلے ہیں سنیاسی   کوئی دیکھے تو ان کی آب و تاب
میرے دل کا قرار ہیں وہ لوگ   رحمتِ کردگار ہیں وہ لوگ

*

تیرتھوں کی لگن لگی من میں   دل کہیں اور کیا لگائیں گے
مجھ سی معذور جوگنوں کو وہ   ساتھ لے کر کبھی نہ جائیں گے

*

کب روانہ ہوئے یہاں سے وہ   مجھ پہ ظاہر نہ ہو سکی یہ بات
کر رہے تھے یہاں وہ بیراگی   راز دارانہ ہی بسر اوقات
سوچتی ہوں میں اب کہ ان کے بغیر   کیا رہے زندگی کے امکانات

*

اس سماعت میں بھی تھا کوئی راز   میرے جوگی تھے گوش بر آواز
ان کے چہرے تھے مضمحل لیکن   ان کی روحیں تھیں زمزمہ پرداز
جی سکوں گی نہ اب میں ان کے بغیر   نغمہ زن دل میں ہے انہیں کا ساز

*

مٹ گئی جز و کل کی ہر تفریق
جوگیوں نے عدم کو اپنایا
اپنے ناقوس کی صداؤں کو
ماورائے غم جہاں پایا
دور ہر ایک رہگزر سے دور
جادۂ حق انھیں نظر آیا
ان سے آباد دل کی بستی ہے
ان سے وابستہ میری ہستی ہے

وائی

کتنی دلکش ہے تار کی آواز
سرنگوں جس کے سامنے ہر ساز
اس کے نغموں کی دلکشی مت پوچھ
منفرد ہے وہ زمزمہ پرداز
ماورائے صفات ہے شاید
اس مغنی کے سحر فن کا راز
'سوھنی' اور 'ڈیاچ' کیا معنی
ہر نفس کے لیے ہے وہ دمساز
جس کو چاہے جلائے یا مارے
اس کی بانگ رحیل کا اعجاز
سننے والوں پہ بے خودی چھائی
نت نئی دھن ہے نت نیا انداز
اس کی ہر لَے میں دل کی بیتابی
اس کی ہر تان روح کی غمّاز
زہر سمجھو کہ انگبین جانو
کبھی ایسی سنی کوئی آواز

سندھ اور ہند ہی پہ کیا موقوف
کون سے دیس میں ہے ایسا ساز

—✻✻✻—

دوسری داستان

ان کے دکھ درد کوئی کیا جانے
وہ ہوا خواہ کنج خلوت ہیں
جانتی ہوں میں جوگیوں کا حال
وہ سراپا غم محبت ہیں

✻

سن لیا پاس بیٹھ کر میں نے
جوگیوں سے تمام دل کا حال
ہائے ان کا لباس گرد آلود
اور سر پہ وہ لمبے لمبے بال
جسم و جاں کی خبر نہیں ان کو
زندگی کو سمجھتے ہیں جنجال

اہل دنیا سے چھپ کے چلتے ہیں
کوئی دیکھے تو جوگیوں کی چال

*

کچھ خس و خار ساتھ لاتے ہیں
اور پھر دھونیاں رماتے ہیں
میں نے دیکھا ہے جا کے اُن کے پاس
کیا بتاؤں وہ کیا جلاتے ہیں
اپنے قلب و نظر کے شعلوں کو
دوسروں سے سدا چھپاتے ہیں

*

کون ہے جس کے درد نے مارا
کس نے گھائل کیا خدا جانے
ان کے جوش و خروش کا عالم
جز غم عشق کوئی کیا جانے
وہ شب و روز کیوں تڑپتے ہیں
جوگ کا درد لا دوا جانے
محو ہیں کس خیال میں جوگی
کس طرح کوئی دوسرا جانے
فکر و اندیشہ کیا اسے "سید"
جو محبت کو رہنما جانے

*

اپنے سوز و گداز کا عالم
جانے کیوں خلق سے چھپاتے ہیں
کوچۂ شوق کی گدائی میں
مدعائے حیات پاتے ہیں
یہ خدا دوست اپنے تن من کو
آتش عشق میں جلاتے ہیں

*

ہاتھ میں کاسۂ گدائی ہے
دل کی ہر آرزو چھپائی ہے
دور افتادہ منزل جاں سے
رازدارانہ لو لگائی ہے
دمبدم اس کا نام جپتے ہیں
روح کو جس سے آشنائی ہے
شاد ہیں یہ نجات کے طالب
اپنے دل کی مراد پائی ہے

*

جابجا پھر رہے ہیں یہ جوگی
ان سے قائم ہے جوگ کا دستور
رام ہی رام ان کے لب پر ہے
دل اسی اک لگن سے ہے معمور
سب میں شامل بھی اور سب سے الگ
اتنے نزدیک اور اتنے دور

*

خلوت شب نے دیدہ و دل کو
حسن باطن کی دلکشی بخشی
ہانئے وہ دل کا مرشد کامل
جس نے پر سوز زندگی بخشی
ان کی جلوت میں حسن خلوت ہے
والہانہ سی محرمیت ہے

*

دشمنِ رہگزار ہیں جوگی
کتنے خلوت شعار ہیں جوگی
مل گئی ان کو منزلِ مقصود
سرخوشِ وصلِ یار ہیں جوگی
یاترا سے سکونِ دل پایا
ان کی تقدیر یک بیک جاگی
دیکھ کر جلوۂ خدا اوصاف
دم بخود ہوگئے ہیں بیراگی

*

خواہشیں ان کی ہوگئیں پوری
آبِ گنگا سے شادکام ہوئے
کوئی سمجھا نہ ان کے دل کا راز
گرچہ لاکھوں سے ہم کلام ہوئے

*

صبحدم یہ غریب بیراگی
روح پرور صدا لگاتے ہیں
اٹھ کے اپنی قیامگاہوں سے
دور کی بستیوں میں جاتے ہیں
عہد و پیماں کا پاس ہے کتنا
دل کی وارفتگی چھپاتے ہیں

*

یہ لنگوٹے یہ خوشنما کشکول
بھید ان کا کسی کو کیا معلوم
سوئے کابل چلے ہیں لاہوتی
کس کے طالب ہیں یہ خدا معلوم

*

اپنے کشکول کر لیے تیار
ہو رہی ہے کدھر کی تیاری
دیکھتی ہوں کہ پھر مرے سوامی
کر رہے ہیں سفر کی تیاری
راز ان کا کسی کو کیا معلوم
جا رہے ہیں کہاں خدا معلوم

*

دل ہے سوز و گداز سے معمور
نغمہ خوانی سے ان کو رغبت ہے
رات رو رو کے کاٹ دیتے ہیں
رنج بھی ان کو عین راحت ہے
ان فقیروں کا مقصدِ ہستی
رات دن دور کی مسافت ہے

*

وہ کہیں جھونپڑی بناتے ہیں
اور نہ اس کو بنا کے ڈھاتے ہیں
جانتے ہیں نوشتۂ تقدیر
حسبِ توفیق سر جھکاتے ہیں

ان کو عرفانِ محرمیت ہے
وہ محبت کے گیت گاتے ہیں
بھید ان جوگیوں کا جانے کون
اپنے دل کی لگی چھپاتے ہیں

*

اپنے دل کے حصار میں محصور
ان سے کیسے ہو باخبر کوئی
بھید زنّار کا نہ کھولیں گے
پوچھنا چاہے بھی اگر کوئی
منزلِ معرفت سے جب لوٹے
دور تک تھا نہ ہم‌سفر کوئی

*

جانے کیوں جوگیوں کو شوقِ سفر
سوئے گنگا ہے جانبِ گرنار
اور لنکا انھیں خدا جانے
لے گیا کس کے عشق کا آزار
کس کو معلوم کیوں یہ لاھوتی
ہوتے جاتے ہیں اتنے پراسرار

*

چل دیے ہنگلاج کی جانب
جانے کس نے انھیں بلایا ہے
کون ناوک فگن ہے پردے میں
زخم کس کا جگر پہ کھایا ہے
سرخرو ہوگئے ہیں بیراگی
من کو کس آگ میں تپایا ہے
آپ اک راز بن گئے ورنہ
پردہ ہر راز سے اٹھایا ہے

*

چشم پرنم ہے اور دل پرسوز
ایسے آتے ہیں جیسے دل میں راز
ان کو جوگی بھی یاد رکھتے ہیں
جو اٹھاتے ہیں جوگیوں کے ناز

*

آج پھر ایک شور و غوغا ہے
کون جانے کہاں کا سودا ہے
دفعتاً اشتیاقِ جاناں میں
ذکر پھر سے سفر کا چھیڑا ہے

*

کردیا ان کی یاد نے بے چین
آہ پھر میری آنکھ بھر آئی
پوربی جوگیوں کی فرقت میں
پھر مری روح تن میں گھبرائی

*

کھول دیتے ہیں سر کے بالوں کو　　اور تن پر بھبوت ملتے ہیں
دور آبادیوں سے جنگل میں　　جانے کیا ڈھونڈھنے نکلتے ہیں
جوگیوں کے وہ پُر محن ناقوس　　غم ہستی کا راز اگلتے ہیں

*

راکھ ملتے ہیں جسم پر جوگی　　اور شب و روز دکھ اٹھاتے ہیں
چند کشکول، گدڑیاں، ناقوس　　یہی سامان لے کے آتے ہیں
کس قدر حق شناس ہیں یہ لوگ　　جوگ کے راز کو چھپاتے ہیں

*

جوگیوں میں سفر کا ذکر چھڑا　　اپنے سازوں کے کس رہے ہیں تار
ہر برائی سے دور رہتے ہیں　　بخدا دوستان خوش اطوار
راز داران حسن وحدت ہیں　　ہر ادا ان کی عالم اسرار

*

یہ شہیدان حسن جلوۂ یار　　طالبان تجلیٔ دیدار
عزم ہیں ان حسینیوں کے بلند　　واصل یار ہوں گے آخر کار
شادماں دشت دشت پھرتے ہیں　　ان کی نظروں میں ہے جمال نگار

*

ابتدا جذب شوق، ذوق طلب　　انتہا وصل شاہد و مشہود
ان پہ طاری ہے عالم لاھوت　　مل گئی ان کو منزل مقصود

*

ان کی آنکھوں میں ایک مدت سے　　نظر آتے ہیں خون کے آنسو
گیسوؤں پر ہے بار گرد و غبار　　دوش پر بار جاوداں گیسو
درد ان جوگیوں کی فطرت ہے　　اور سوز و گداز ان کی خو
اس جہاں سے انھیں تعلق کیا　　ذات واحد میں گم ہیں یہ حق جو

*

عمر اس طرح کیوں گزرتی ہے　　غم فزا کیوں ہیں ان کے ماہ و سال

بے دلی کیوں ہے بیخودی کیسی دوش پر کیوں ہیں الجھے الجھے بال
کوئی ان جوگیوں سے پوچھے تو کون سے غم میں ہو گیا یہ حال

*

جانے ان جوگیوں نے کیوں آخر عمر دکھ درد میں گزاری ہے
میں کہ روتی ہوں یاد کر کے انہیں مجھ سے بھی ان کی پردہ داری ہے
ماں انہیں جا کے اب کہاں ڈھونڈوں ایک وحشت سی مجھ پہ طاری ہے

وائی

اپنے لیے کانٹے بوتا ہے جو غافل وقت کو کھوتا ہے
کیوں اس کو ملے ساجن پیارا جو گہری نیند میں سوتا ہے
دل اس کو بھلا کر شاداں تھا اب خون کے آنسو روتا ہے

اللہ کو جس نے یاد کیا
اللہ اسی کا ہوتا ہے

وائی

آئے ہیں پیارے بیراگی میں ان کے ساتھ ہی جاؤں گی

وہ مایا لوبھ کو چھوڑ چکے
جگ جیون سے منہ موڑ چکے
ہر سکھ سے ناتا توڑ چکے

بیراگ سے آس لگاؤں گی
میں ان کے ساتھ ہی جاؤں گی

گھر بار لٹا کے آئے ہیں
لاہوت سے دھیان لگائے ہیں
گدڑی میں لعل چھپائے ہیں

بن دیکھے چین نہ پاؤں گی
میں ان کے ساتھ ہی جاؤں گی

تیسری داستان

سوے مشرق وہ روشنی کیا ہے
کس کے جلوے نظر میں رہتے ہیں
تیر کس درد آفریں کے نہاں
ان کے قلب و جگر میں رہتے ہیں
آؤ ان جوگیوں کو دیکھ آئیں
جو ہمیشہ سفر میں رہتے ہیں
ان کی باتوں سے کچھ پتہ نہ چلا
کس جہان دگر میں رہتے ہیں
منزل معرفت نظر میں ہے
اجنبی رہگذر میں رہتے ہیں

*

تجھے اپنا نہ کوئی ہوش رہے
زندگی بے خودی بدوش رہے
محرمانہ شعور لاھوتی
ساز وحدت کا پردہ‌پوش رہے
کاپڑی ہو کہ ہو کوئی سوامی
خودفراموش و سرفروش رہے

*

کس کے حلقہ بگوش ہیں جوگی
آؤ معلوم تو کریں یہ بات
بے خودی ہو کہ فاقہ مستی ہو
والہانہ ہیں ان کے احساسات
ان کی دھونی کے شعلوں سے یکسر
خاک خس خانۂ فریب صفات
نہ ہوا و ہوس نہ حرص و آز
اپنی دھن میں مگن ہیں وہ دن رات
نہ طلبگار نان و خواب و لباس
نہ ہراسان گردش حالات
انس ہے ھنگلاج سے ایسا
کہ بسر ہوتے ہیں وہیں اوقات

*

آؤ سکھیو! چلو انہیں دیکھیں
جو چھدائے ہوئے ہیں اپنے کان
میں ہوں ان کے نیازمندوں میں
مجھ پہ ان جوگیوں کا ہے احسان

*

کردیا ان کی یاد نے بے تاب
بند حجروں کو کر گئے جوگی
رام کی جستجو میں نکلے تھے
کون جانے کدھر گئے جوگی

*

دل ہے بیگانۂ گناہ و ثواب   آتش عشق میں جگر ہے کباب
رات رو رو کے کاٹ دیتے ہیں   روح کرتی ہے جب انہیں بے تاب
ان سے پوچھے تو کوئی کیا پوچھے   جن کے لب کو نہیں مجال جواب

*

سوئے کابل کبھی مسافت ہے   بتکدوں میں کبھی عبادت ہے
لے کے چلتے ہیں دوش پر ناقوس   رنج و غم سے انہیں محبت ہے

*

توشۂ رنج و غم ہے ان کے ساتھ   کون جانے کہاں کہاں دیں وہ
عہدو پیماں کا پاس ہے ان کو   محرم حسن جاوداں ہیں وہ
اپنے ناقوس کی صداؤں پر   صبحدم پھر رواں دواں ہیں وہ

*

اب کھٹکتا ہے خار کی مانند   جس سے کل تک بڑی محبت تھی
کوچ کرنا ہی تھا جب اے سوامی   پھر یہ حجرے کی کیا ضرورت تھی

وائی

ہے جس کے من میں مالا
وہ جوگی ہے متوالا
وہ سوامی ہے وہ سوامی
ہے جس کے کان میں بالا
وہ جوگی ہے متوالا
میں ساتھ چلی مندر میں
پگ پگ ہوا آجالا
وہ جوگی ہے متوالا

چوتھی داستان

جس کسی کو ہو جوگ کا سودا
ترکِ دنیا ہے رمزِ لاہوتی
ہر تعلق کو خیرباد کہے
بس الف اور میم یاد رہے

*

یہ صنم خانے اور یہ ناقوس
دیکھ ساجن تجھے بلاتا ہے
گر یہ چاہے کہ تو بنے جوگی
کاش ہٹ جائیں تیری راہوں سے
کن نفاست بھری نگاہوں سے
اپنا دامن بچا گناہوں سے

*

گر یہ چاہے کہ تو بنے جوگی
تجھے نور ازل بلاتا ہے
اے بشر فکر این و آں سے بھاگ
بھاگ ہر اک غمِ جہاں سے بھاگ

*

گر یہ چاہے کہ تو بنے جوگی
جسم مندر ہے اور دل حجرہ
در بدر ڈھونڈھتا ہے تو جس کو
تجھے لازم ہے نفس کا ایثار
جوگ میں ہیں یہی ترے گھربار
جلوہ گر تیرے دل میں ہے وہ نگار

*

چھوڑ دے وہم کے صنم خانے
تیری راہ طلب میں حائل ہیں
در بدر اس کی جستجو تجھ کو
بھول جا آرزو کے افسانے
بستیاں، شہر، دشت ویرانے
اس سے روشن دلوں کے افسانے

*

گر یہ چاہے کہ تو بنے جوگی
عشق کی دھونیاں رما دل میں
یاد رکھ مدعائے ذکرِ خفی
اپنی ہستی کو غرقِ وحدت کر
نفس کو بیخ و بن سے غارت کر
صرف اسی ایک سے محبت کر

*

گر یہ چاہے کہ تو بنے جوگی
نہ رہے فرقِ آستان و جبیں
محرمِ حسنِ جاوداں ہو جا
سر بسر خاکِ آستاں ہو جا

وہ ابلتے ہیں نور کے چشمے ‏ سوئے مشرق رواں دواں ہو جا
بن کے راز آشنائے ذکر خفی ‏ خلوتِ خاص میں نہاں ہو جا
تیری منزل ہے عالمِ لاہوت ‏ بے نیازِ غمِ جہاں ہو جا
تیرا مسلک غمِ محبت ہے ‏ اپنے مسلک کا پاسباں ہو جا
مستقل اپنے دل کی آگ میں جل ‏ آپ ہی اپنا امتحاں ہو جا

*

اجنبی بستیوں سے تو منہ موڑ ‏ آئے دن کا یہ رونا دھونا چھوڑ
جوگ لے اس کے گاؤں میں جا کر ‏ توڑ دنیا سے اپنے ناتے توڑ

*

جوگ لینا ہے تو زمانے سے ‏ ہر تعلق کو توڑ لے پہلے
جسم کو چھوڑ، روح کا رشتہ ‏ ذاتِ واحد سے جوڑ لے پہلے
جس طرف منزلِ محبت ہے ‏ رخ ادھر اپنا موڑ لے پہلے

*

گر یہ چاہے کہ تو بنے جوگی ‏ تہِ دل سے ہو قائلِ توحید
تیرے صوم و صلواۃ ہیں بے کار ‏ دل نہیں ہے جو مائلِ توحید
جوگ لینے کی آرزو ہے اگر ‏ رب کو پہچان سائلِ توحید

*

گر یہ چاہے کہ تو بنے جوگی ‏ تیرِ غم قلب میں اتر جائے
جسم ہو جائے نذر سوزِ دروں ‏ آتشِ شوق کام کر جائے
کیوں نہ بن جائیں اس کے سارے کام ‏ جس کی اللہ پر نظر جائے

*

گر یہ چاہے کہ تو بنے جوگی ‏ اور دل آشنائے وحدت ہو
چھوڑ دے کوچہ گردیٔ شب و روز ‏ گوشہ گیرِ سکونِ خلوت ہو
کیا خبر تجھ کو تیری خاموشی ‏ محرمِ رازِ محرمیت ہو

*

گر یہ چاہے کہ تو بنے جوگی ‏ اپنے مالک سے لو لگائے جا
من کی مالا نہ ہاتھ سے چھوٹے ‏ اور یہ سنکھ بھی بجائے جا

دھول تن پر نہ ڈال اے سوامی　　　صبر کی گدڑیاں سلائے جا

*

گر یہ چاہے کہ تو بنے جوگی　　　جا بڑے پیار سے گرو کی اور
ڈھونڈھ لے ہنگلاج میں جا کر　　　کہ وہیں ہیں کہیں ترے چت چور

*

کل وہ حلقہ بگوش بیراگی　　　کر گئے کوچ کیوں خدا جانے
کیوں گئے ہیں وہ جانبِ مشرق　　　کوئی ان کے رموز کیا جانے
کیسے آئے قرار اس دل کو　　　جو انہیں اپنا آسرا جانے
سرخ و معصوم و مشکبو چہرے　　　چھپ گئے ہیں کہاں خدا جانے
کتنی سنسان ان کی راہیں ہیں　　　کتنی ویران قیامگاہیں ہیں

*

گر یہ چاہے کہ تو بنے جوگی　　　لوحِ لاہوت پر ہو تیرا نام
چھوڑ حرص و ہوا کی دنیا کو　　　اور بن اس کا بندۂ بے دام
پیر و مرشد کے پاس جا کر سن　　　محرمیت کا نت نیا پیغام
سفرِ ہنگلاج ہے درپیش　　　اس سفر میں ہیں سنگِ رہ اوہام
گھر تری پاشکستگی کی دلیل　　　زہرِ قاتل ترے لیے آرام
کوئی گل رنگ منتظر ہے ترا　　　سمت مشرق سے آ رہے ہیں پیام
عیش و عشرت کی آرزو بے سود　　　جوگ کی شرط ہیں غم و آلام

*

رازدارِ رضائے حق ہو کر　　　اپنی ہستی کو تو مٹائے جا
گر یہ چاہے کہ تو بنے جوگی　　　عشق کی دھونیاں رمائے جا

*

تو ازل ہی سے طالبِ حق ہے　　　بھول کر بھی نہ لے خودی کا نام
گر یہ چاہے کہ تو بنے جوگی　　　بادۂ نیستی کا پی لے جام

*

گر یہ چاہے کہ تو بنے جوگی
کرلے اپنی ضرورتیں محدود
دل نہ جب تک ہو مائل ایثار
تیری حلقہ بگوشیاں بے سود

*

میری حالت ہے قابلِ افسوس
مجھ میں پیدا نہ ہوسکا ایثار
جوگ ان جوگیوں کو زیبا ہے
جن کا دستور بن گیا ایثار

*

دیکھ ان سوامیوں کی آنکھوں سے
اشکِ خوں گر رہے ہیں گام بہ گام
جوگ تیرے لیے نہیں موزوں
جوگ کا لے رہا ہے ناحق نام
جب سفر ہی کی ٹھان لی دل میں
سرزمینِ وطن سے پھر کیا کام

*

جن کا مسلک ہی بے نیازی ہو
ان کو اپنے وجود سے کیا کام
جوگ لیتے ہی مر گئے جوگی
لے نہ اب تو بھی زندگی کا نام
نغمۂ غم سے آشنا کردے
تیرے کانوں کو بھی وہی پیغام

*

جس کو سمجھے ہیں زندگی جوگی
وہ سراسر غمِ محبت ہے
سن میری بات عازمِ مشرق
درد ہی تیرے دل کی راحت ہے

*

گدڑیوں اور سنکھ سیلوں سے
ہوسکے گی نہ جوگ کی تعمیل
قصرِ باطن کو ریزہ ریزہ کر
تاکہ ہو جذب و شوق کی تکمیل
دل ہو مانندِ شعلۂ بے دود
ورنہ ہر رسمِ ظاہری بے سود

*

تیری حلقہ بگوشیاں بے سود
کوششِ رائیگاں سے کیا حاصل
سخت مشکل ہے جوگ کی منزل
جوگ کے امتحاں سے کیا حاصل
تو ہے سردی سے لرزہ بر اندام
جوگ کا لے رہا ہے ناحق نام

*

جانے کس جستجو میں رہتے ہیں
سوئے مشرق رواں دواں جوگی
اک سراپا جمال ہے دل میں
جسے کہتے ہیں جانِ جاں جوگی

سرخروئے غم محبت ہیں　　بے نیاز غم جہاں جوگی

*

میری غفلت سے گم ہوئے جوگی　　کس طرف ان کو ڈھونڈنے جاؤں
وہ مکٹ ان کے اور وہ چکرے　　اب میں کس شے سے دل کو بہلاؤں
کہیں ان کا نشاں اگر مل جائے　　کرکے منت انہیں بلا لاؤں
جھونپڑی چھوڑ کر کسی دھن میں　　وہ گئے ہیں جہاں وہیں جاؤں
پہلے اپنا وجود گم ہو جائے　　پھر یہ ممکن ہے کچھ نہ کچھ پاؤں

*

اب کہاں جاؤں اب کسے پوچھوں　　کیا کروں اب یہ دھوپ اور دھانی
جا کے مندر میں دیکھتی کیا ہوں　　تیرتھوں کو چلے گئے گیانی

*

شکم آسودہ جوگ کیا جانیں　　جوگیوں میں وہ ہو گیا بدنام
راہ گم کردہ وہ تہی دامان　　ایسے جوگی کو جوگ سے کیا کام

*

جوگ دل سے قبول کر جوگی　　یوں دکھاوے کو اختیار نہ کر
ترک کر دے دروغ گوئی بھی　　راست بازی بھی اختیار نہ کر
فکر روز جزا رہے دل میں　　اس کی رحمت کو شرمسار نہ کر

*

تو نے چھدوا لیے ہیں اپنے کان　　اب نبھانا ہے جوگیوں کی آن
جان لیوا ہے یہ لگن پیارے　　اور جو تجھ کو کہیں عزیز ہو جان
کیوں نہ گونگوں کی طرح اب چپ چاپ　　بھید پیارے کا پوچھ لے انجان
عجز کو پیشوا بنا اپنا　　عجز ہی سے ملے گا تجھ کو گیان
چھوڑ یہ احتیاط لاشعوری　　عشق کا تیر دل پہ کھا نادان

*

جس سے بن جائے آگ بھی پانی　　کاش مل جائے تجھ کو ایسا گیان
پریم کی دھونیاں رما دل میں　　ڈال دے اس چتا میں اپنی جان

*

کاپڑی ! کان کس لیے چھدوائے
تجھ کو زیبا نہیں زنانہ جوگ
فرق ہے جوگ جوگ میں جوگی
کم ہی پہچانتے ہیں اس کو لوگ
اس کو دھوکے میں ڈالتا ہے رام
جو نہ سمجھے کہ پیڑ ہے یا بھوگ

*

سن سکے یہ نہ گیان کی باتیں
کان تیرے ہیں یا گدھے کے کان
بیچ کر ان کو دوسرے لے آ
جن کو ہو بات بات کی پہچان
دل نہ جب تک ہو گوش بر آواز
کس طرح مل سکے گا تجھ کو گیان

*

سوئے نانی چلا ہے کیوں ناتگا
تیری منزل یہیں کہیں ہوگی
جس حقیقت کو ڈھونڈتا ہے تو
تیرے ہی دل میں وہ مکیں ہوگی
ایک ہو جائیں تیرے دیدہ و دل
پھر کوئی جستجو نہیں ہوگی

وائی

ٹھیرے نا رات کو ساجن
آیا سنسان سویرا
سجنی اب کون ہے تیرا
وہ جوگی ہیں وہ جوگی
کیا ناتا اُن سے تیرا
سجنی اب کون ہے تیرا
لائے تھے چھرا لاھوتی
جو جگ جیون پہ پھیرا
سجنی اب کون ہے تیرا

پانچویں داستان

طور سینا ہے ان کو ہر اک گام
محو نظارہ ہیں وہ صبح و شام
رازدار یقین وحدت ہیں
دور ہے ان سے کثرت اوہام
زیر پا یہ جہان فانی ہے
ان کو پیارا ہے بس خدا کا نام
مثل موسیٰ ہوئے نہ وہ بے ہوش
ان کا ذوق نظر ہے خوش انجام
ان کے سجدوں کی محرمیت نے
سن لیا کوئی دلنشیں پیغام
دل ہے راز نشاط سے آگاہ
دیکھنے میں ہیں سر بسر آلام
یہ ہیں نور ازل کے گرویدہ
اب کسی اور سے انہیں کیا کام

*

جسم مسجد ہے اور دل قبلہ
سازگار ان کو بزم خلوت ہے
آپ محراب آپ ہی منبر
ان پہ روشن ہر اک حقیقت ہے
موجزن ان کے دیدہ و دل میں
نور سرچشمۂ ہدایت ہے
ہر گناہ و ثواب سے بالا
اے ازل تیری محرمیت ہے
حسن والا صفات کی تحقیق
جوگیوں کی یہی عبادت ہے

*

بزم لاہوت سے گزر آئے
اب ہے دل میں الوہیت کی دھوم
دیکھ کر ان کو کچھ پتہ نہ چلا
راز دل کا کسی کو کیا معلوم

*

ان کے ننگے بدن پہ خاکستر
روح میں آتش محبت ہے
عیش و عصیان سے دور رہتے ہیں
پارسائی ہی ان کی فطرت ہے
آپ ہی اپنی آگ میں جلنا
سوز دل ان کو عین راحت ہے

*

چھوڑ یہ جوگیوں کے جاگوئے
اور ان دھونیوں سے ہو بیزار
آتش عشق میں جلا دل کو
اے طلبگار حسن جلوۂ یار
لگ گئی جس کو معرفت کی آنچ
مل گئی اس کو دولت دیدار

*

صرف حلقہ بگوشیوں سے کیا
لطف تو جب ہے سر قلم ہو جائے
نور عرفاں ہو راہبر تیرا
جوگیوں میں ترا بھرم ہو جائے
مہرباں ہو وہ جان جاں تجھ پر
دور سب فکر بیش و کم ہو جائے

*

کر گئے کوچ جانب مشرق
ساری دنیا کو چھوڑ کر جوگی
اُن کے دل نے جدھر اشارہ کیا
گامزن ہو گئے ادھر جوگی
جانے پھر اس طرف سے کب گزریں
ہائے یہ صاحب نظر جوگی

*

کون جانے کہ یہ روش جوگی
کس لیے اختیار کرتے ہیں
کفر و ایماں سے ہو کے بیگانہ
ذات واحد سے پیار کرتے ہیں
ذکر جنت نہ فکر دوزخ ہے
خواہش وصل یار کرتے ہیں

*

زال دنیا قبیح صورت ہے
اس سے ترک تعلقات کرو
درد ہستی نہ درد سر بن جائے
حاصل اس درد سے نجات کرو
نفس کو پہلے سرنگوں کرلو
پھر کوئی معرفت کی بات کرو

*

اپنے ناقوس کی صداؤں سے
مجھ پہ جادو سا کر گئے جوگی
سونے سونے سے ان کے حجرے ہیں
کیا بتاؤں کدھر گئے جوگی

*

جوگ میں پیرو شریعت ہیں
ان کے دل عارف حقیقت ہیں
بزم ملکوت و عالم جبروت
اس تفکر کی قدر و قیمت ہیں
جس کے فیضان سے یہ لاہوتی
سرخوش بزم محرمیت ہیں

*

چھوڑ کر آج عالم ناسوت
جا رہے ہیں وہ جانب ملکوت
ان کے ناقوس کی صداؤں سے
گونج اٹھی ہے محفل جبروت

*

قابلِ داد ہے دروں بینی　　جا کے دیکھے نہ کابل و کشمیر
ڈھونڈھتے تھے وہ جا بجا جس کو　　اپنے ہی دل میں مل گیا وہ پیر
چشم و دل کی یگانگت دیکھو　　کھل گئی اُن کے جسم کی زنجیر
گامزن تھے رہِ صداقت میں　　جانے کب سے یہ کاپڑی رہگیر

*

یاس و حسرت سے آشنا ہیں وہ　　اپنی قسمت سے آشنا ہیں وہ
بحر و بر سے گذر گئے بے باک　　ہر صعوبت سے آشنا ہیں وہ
اُن کے لب پر نہیں کوئی شکوہ　　رازِ وحدت سے آشنا ہیں وہ

*

سرخوشِ وصلِ یار ہیں جوگی　　کیا سراپا بہار ہیں جوگی
بحرِ عرفاں میں غوطہ زن ہو کر　　خود یمِ بےکنار ہیں جوگی
عارفانہ ہیں اُن کے پیچ و تاب　　کیا انہیں فکرِ موج و گرداب

*

نامرادی مراد میں بدلی　　جب عدم آشنا ہوئے جوگی
اب کسی چیز کا سوال نہیں　　تاجدارِ رضا ہوئے جوگی

*

غمِ فردا نہ فکرِ دوش انہیں　　اک ہواخواہ دم کے ساتھ رہا
سخت دشوار تھی رہ عرفاں　　جان جاں ہر قدم کے ساتھ رہا

*

نا سمجھ ہیں "لطیف" وہ رہرو　　جو تکبّر کے ساتھ چلتے ہیں
ان کی تقدیر میں ہے گمراہی　　گھر سے بے راہبر نکلتے ہیں

وائی

دلنشیں اُن کا ہر اشارا ہے
مجھ کو ان جوگیوں نے مارا ہے

موت بھی کوچۂ گدائی میں
ان کی خاطر مجھے گوارا ہے

کیسے بھائے دوئی کی بات انہیں
جن کو وحدت کا نام پیارا ھے
اڑ گئی نیند میری آنکھوں سے
جانے کس نے مجھے پکارا ھے
کس کے راز فرار نے اکثر
دل میں اک تیر سا اتارا ھے
ان خدا آشنا فقیروں نے
میرا ذوقِ طلب نکھارا ھے
تیری رحمت "لطیف" پر یا رب
ایک تو ھی مرا سہارا ھے

چھٹی داستان

درد کی ٹیس دل میں اٹھتی ھے
کس نے ان پر چھری چلائی ھے
رات دن بے قرار رہتے ھیں
جانے کیوں سوگوار رہتے ھیں

*

ان کے لب پر ھیں گرچہ کیا کیا نام
جادہ پیمائے معرفت جوگی
کوئی ان سامیوں سے پوچھے تو
بال کیوں اس قدر بڑھائے ھیں
یاد کرتا ھوں میں انھیں "سید"
ان کے دل میں فقط ھے رام ھی رام
پی چکے ھیں مئے ازل کے جام
ان کی تقدیر میں ھیں کیوں آلام
بن گئے کس کے بندۂ بے دام
دل کی گہرائیوں سے صبح و شام

*

عالمِ بے خودی میں آئے ہوئے
کچھ سفیدی سیاہ بالوں میں
اور ھر وقت پیار کے آنسو
پیچ و تاب خودی مٹائے ہوئے
غم فرقت کے دکھ اٹھائے ہوئے
ان کی آنکھوں میں ڈبڈبائے ہوئے

ایک مدت سے یوں ہی بیٹھے ہیں
گرد آلودہ سر جھکائے ہوئے
من کی دنیا میں ہیں، مگن جوگی
پریت کی دھونیاں رمائے ہوئے
کیا سروکار بزم ہستی سے
وہ خدا سے ہیں لو لگائے ہوئے

*

آن کا دل ہے خزینۂ عرفان
آپ ہی اپنے کارساز ہوئے
بس گیا ان کی روح میں بھگوان
پیر و مرشد سے بے نیاز ہوئے

*

گرم و سرد۔ زمانہ نے ان کو
کیا کہوں کس قدر ستایا ہے
خود بھی بیراگیوں نے تن من کو
آتش عشق میں جلایا ہے
کس نے اس شان دلبری سے انہیں
دربدر مانگنا سکھایا ہے
کس ادب سے کھڑے ہیں اس کے حضور
حرف مطلب زباں پہ آیا ہے
فکر اہل و عیال سے ان کو
مطلقاً بے نیاز پایا ہے

*

دھیان ہر نام سے لگاتے ہیں
اعتبار خودی مٹاتے ہیں
یہ خدادوست اپنے ظاہر کو
نور باطن سے جگمگاتے ہیں
سعیٔ پیہم کے بعد بیراگی
ناتھ کو اپنے دل میں پاتے ہیں

*

اِن خداآشنا فقیروں میں
باہمی ربط و ضبط ہوتے ہیں
رچ گیا رام آن کی روحوں میں
راہ چلتے ہوئے بھی روتے ہیں
جاگتے رہتے ہیں یہ ساری رات
جب کہ اہل زمانہ سوتے ہیں

*

زیر خرقہ ہے یوں بدن ان کا
خار و خس میں چھپا ہو جیسے گلاب
گنج عرفاں ہے بوریا ان کا
اس میں پنہاں ہے گوہر نایاب

*

ہاتھ میں سبحہ دوش پر زنار
یوں ہوئے جلوہ گر سر بازار
ہائے وہ صورتیں خمار آگیں
دیکھنے والے ہوگئے سرشار

*

ان کے نا قوس کی صداؤں نے یاد آکر مجھے ستایا ہے
گرد آلودہ جوگیوں نے مجھے آتشِ ہجر میں جلایا ہے

وائی

آنکھوں نے مجھے الجھایا ہے

سپنوں کا جال بچھایا ہے

اب دوش کسے دوں اے سکھیو

بھول میں نے پریت کا پایا ہے

بیکار دواؤں نے اکثر

برھن کا روگ بڑھایا ہے

من میت سمجھتی ہوں اس کو

جس نے سکھ چین مٹایا ہے

کہتا ہے "لطیف" سنو سکھیو

پلٹی پریتم نے کایا ہے

—⁂—

ساتویں داستان

جانے کس کے اسیر ہیں جوگی آپ اپنی نظیر ہیں جوگی
قاقِم مستی کے رازدار ہیں یہ کتنے روشن ضمیر ہیں جوگی
کوئی ان کا نہ یہ کسی کے یار رنج و غم کی نفیر ہیں جوگی
کنجِ خلوت ہیں آن کو ویرانے دم بخود گوشہ گیر ہیں جوگی
کوئی اس کے سوا نہیں دل میں جس کے در کے فقیر ہیں جوگی
کیا غرض آن کو پیر و مرشد سے آپ ہی اپنے پیر ہیں جوگی

*

شام ہی سے وہ کیوں نہ سوجائیں جاگنا جن کو اک مصیبت ہے
ہاں مگر وہ غریب لاھوتی جاگتے رہنا جن کی عادت ہے

کس طرف اپنے پاؤں پھیلائیں
ہر طرف قبلہٴ حقیقت ہے

*

صبح کے وقت یا کبھی سر ِ شام
یوں ہی کچھ دیر کو وہ سوتے ہیں
اور پھر اٹھ کے اپنے چہروں کو
دھول سے بار بار دھوتے ہیں
قائم مستی میں بھی یہ بیراگی
بھیک سے بے نیاز ہوتے ہیں
کون جانے کہ رات بھر چپ چاپ
وہ کسے یاد کر کے روتے ہیں

*

اپنی دھن میں ہیں مست بیراگی
ان کی روحوں میں رام کا گھر ہے
نہ انھیں بھوک پیاس کا احساس
اور نہ کوئی لباس تن پر ہے
ایسی باندھی ہیں رسیاں کس کر
سخت مجروح جسم ِ لاغر ہے
ان کی خاکِ بدن کا ہر ذرہ
اک عدیم المثال جوہر ہے
گامزن ہیں رہِ طریقت میں
کیا خبر کون ان کا رہبر ہے

*

نوبنو جوگیوں کے جلوے ہیں
اب کسی اور بھیس میں ہوں گے
وہ یہاں سے چلے گئے افسوس
جانے کس دور دیس میں ہوں گے

*

حرص سے بے نیاز رہتے ہیں
با ادب پاکباز رہتے ہیں
خلوتِ روح میں خدا سے یہ
محوِ راز و نیاز رہتے ہیں
بے تعلق جہاں سے ہیں پھر بھی
کتنے در آن پہ باز رہتے ہیں

*

جھیل آن کے لیے سبھی دکھ درد
دل اگر جوگیوں پہ وارا ہے
یہ لنگوٹی بھیں آتارے جا
ان کو ننگا بدن ہی پیارا ہے

*

سجدہٴ شرق میں جھکی ہے جبیں
انھیں پابندیٴ وضو بھی نہیں
سن چکے ہیں وہی اذاں جوگی
قبلِ اسلام جو ہوئی تھی کہیں
اور کوئی رہا نہ آن کے ساتھ
مل گئے جب سے پیارے گورکھناتھ

*

جسم کو رسیوں سے باندھے ہیں
اور اُن کے سروں پہ صافے ہیں
ہائے یہ رازدارِ غم جوگی
ان کے انداز کتنے اچھے ہیں

*

کیوں نہ پیارے ہوں مجھ کو بیراگی
ان کے پیغام دل بڑھاتے ہیں
لائیو اُن کو میرے گھر یا رب!
جن سے دکھ درد بھاگ جاتے ہیں

*

ہائے یہ اُن کا دیدۂ خونبار
اشک آلودہ سرخیٔ رخسار
چھید کانوں میں زخم کی مانند
اور تن پر ردائے گرد و غبار
دم بخود، زندگی سے بے پروا
وہ کسی کے نہ کوئی ان کا یار

*

ان خدا آشنا فقیروں کو
جُز غمِ عشق کچھ نہیں درکار
زندگی ان کی اک ازل کی آگ
جسم و جاں صبح و شام شعلہ بار
کون جا کر کہے کہ اُن کے بغیر
ہوگئی میری زندگی دشوار
کون جانے کہاں گئے جوگی
توڑ کر رشتہ ہائے قرب و جوار

*

بے نیازی پہ حرف آتا ہے
خلق کو اپنا رازداں نہ بنا
تیری ہستی گراں بہا ہے اسے
ہر کہہ و مہ کا آستاں نہ بنا
وصل منظور ہے تو دل کے لیے
حرص کو باعثِ زیاں نہ بنا
کوئی منزل نہیں تمنا کی
جادۂ عمر بے نشاں نہ بنا

*

کیوں گراتا ہے بندگی اپنی
تجھ کو اس برتری سے کیا حاصل
ڈھونڈھ لے روح کی توانائی
ہو کے دکھ درد کی طرف مائل
بے خودی کے بغیر اے جوگی
مل سکے گا نہ مرشدِ کامل

*

وائی

وہ کاپڑی گئے کہاں
کبھی یہاں کبھی وہاں
رواں دواں رواں دواں
وہ تن بدن دھواں دھواں
نفس نفس شرر فشاں
وہ کاپڑی گئے کہاں

وہ قلب و جاں کے رازداں
غم و الم کے پاسباں
کب ان کو پائے گی یہاں
یہ میری چشمِ خونفشاں
وہ کاپڑی گئے کہاں

نہ ان میں کوئی قلبِ راں
نہ ان کو فکرِ جسم و جاں
بہ فیضِ عشق بے اماں
رواں دواں رواں دواں
وہ کاپڑی گئے کہاں

آٹھویں داستان

آج تجھ پر ہیں مہرباں جوگی
کل نہ جانے ہوں پھر کہاں جوگی
ان کی صحبت بڑی غنیمت ہے
روز آتے ہیں کب یہاں جوگی
صبح سے پہلے ہی نہ ہوجائیں
اور جانب کہیں رواں جوگی
ڈھونڈھنے والوں کو بتاتے ہیں
منزلِ شوق کا نشاں جوگی
سوئے ہنگلاج جانے والے ہیں
چھوڑ کر اب یہ بستیاں جوگی
پھر یہ لمحے نصیب ہوں کہ نہ ہوں
تو کہاں اور پھر کہاں جوگی
لوٹ کر پھر نہ آسکیں شاید
ہر طرف ہیں رواں دواں جوگی

*

ان کی صحبت کو تو غنیمت جان
تجھ پہ جب تک ہیں مہرباں جوگی
ان کی منزل ہے عالمِ لاہوت
تو کہاں اور پھر کہاں جوگی
آئے ہیں اس سرابِ ہستی میں
مثلِ آہو رواں دواں جوگی
لذتِ وصل کے تمنائی
دردِ فرقت کے رازداں جوگی
زندگی ان کی جاودانہ سفر
بے وطن اور بے اماں جوگی

*

دیکھ تو ہیں کہاں وہ لاہوتی
اب نہ ہوں گی یہ بیٹھکیں آباد
بیٹھ کر دل ہی دل میں رو لینا
جب بھی آجائیں تجھ کو جوگی یاد

*

اب نہ وہ بیٹھکیں نہ وہ باتیں
سُونی سُونی فضائے قرب و جوار
کتنی ویران ہے رہِ پر پیچ
کتنے سنسان ہیں در و دیوار
یہ چپ و راست ڈھیر یادوں کے
یہ بھٹکتا سا دیدۂ خوں بار
یہ خموشی یہ رات کے سائے
کون جانے کہاں گئے وہ یار

*

سامنے میرے آگئے جوگی
اپنا جلوہ دکھا گئے جوگی
اس طرح مسکرا گئے جوگی
مست و بے خود بنا گئے جوگی

مجھے اپنا بنا گئے جوگی　　دیدہ و دل پہ چھا گئے جوگی
جا کے پھر یاد آگئے جوگی　　کچھ نئے گل کھلا گئے جوگی

*

نہ صدائے جرس نہ نغمۂ ساز　　چار سُو اک سکوتِ بے آواز
دھونیاں ہیں نہ وہ خس و خاشاک　　ہوگئے سرد کاخ و کوئے مجاز
کرگئے کوچ پوربی جوگی　　اب نہ شعلے نہ شمعِ محفلِ راز
نہ چراغِ طلب نہ دودِ چراغ　　نہ وہ خلوت‌نشیں نہ خلوتِ ناز
دفعتاً دل میں ہوک سی اٹھی　　پھر مجھے یاد آگئے دمساز
ہائے وہ خود شناس سنیاسی　　اہلِ عرفان و صاحبِ اعجاز

*

گر یہاں میرے وازداں ہوتے　　کیوں یہ مندر وبال جاں ہوتے
بندگی کی مراد بر آتی　　وہ مرے دل پہ مہرباں ہوتے
آن کے چرنوں میں جان دے دیتی　　کاش وہ آج کل یہاں ہوتے

وائی

وہ کان چھدائے بیراگی
کیوں مجھ سے ناتا توڑ گئے
دکھ، درد دیا سکھ چین لیا
مجبور کیا منہ موڑ گئے
وہ سنکھ بجاتے آئے تھے
اک ٹیس سی دل میں چھوڑ گئے

—⁕⁕⁕—

نویں داستان

فاقہ مستی ھی فاقہ مستی ہے ان کی ھستی عجیب ھستی ہے
زندگی تشنہ کامیٔ پیہم دل ھواخواہِ مے پرستی ہے
دلِ ویراں کی تہ میں پوشیدہ خوبصورت سی کوئی بستی ہے
ھر خودی کی سزا شکستِ خودی ھر بلندی کے بعد پستی ہے

*

نہ بدن کو ہے پیرھن درکار نہ سفر میں عزیز توشہ ہے
گھر کو ویران کرکے نکلے ھیں اور معمور دل کا گوشہ ہے

*

آب و دانہ کی جستجو کیسی دل خدا سے لگالیا ھوتا
خانہ بردوش جوگیوں نے کاش راہِ عرفاں کو پالیا ھوتا

*

کوئی کاسہ نہ کوئی گدڑی ہے جھولیاں ھیں سو وہ بھی خالی ھیں
خانہ بردوش جوگیوں نے اب دشت میں دھونیاں رما لی ھیں

*

راحتِ جاں غمِ محبت ہے احتیاطاً جسے چھپاتے ھیں
بے سروکار لوٹ جائیں گے بے سروکار جیسے آتے ھیں

*

تشنگی میں عجیب راحت ہے فاقہ مستی میں طرفہ لذت ہے
یہ شکم پروری و تن پوشی جوگ سے ان کو خاک نسبت ہے
تیرے ساتھی ھیں واصلِ منزل تو غبارِ رہِ ندامت ہے
تجھ سے اللہ دور ہے اب تک اُن کے حق میں نویدِ رحمت ہے
آج ھی مر کے دیکھ لے ورنہ کل کو مرنا تو سب کی قسمت ہے

*

گانٹھو گنجے پہاڑ کا تج کر پھر روانہ ھوئے کہیں جوگی
جان دی اس گرو کے چرنوں میں ھو گئے جس کے ھم نشین جوگی

مل گئے رام آگیا آرام اتنے مایوس بھی نہیں جوگی

*

رات بھر بے کلی سی رہتی ہے نیند اکثر اڑی سی رہتی ہے
پیارے آدیسیوں کی آنکھوں میں آنسوؤں کی نمی سی رہتی ہے

*

شعلۂ جذب و شوق بھڑکا لے دل میں دھونی فنا کی سلگا لے
ابھی زندہ ہیں صاحبِ ناقوس ان کا سوز و گداز اپنا لے

*

ذاتِ واحد کو یاد رکھتے ہیں اور مرنے کو ہر گھڑی تیار
راحتِ خواب جوگیوں پہ حرام ان کو رہنا ہے تا ابد بیدار

*

خوئے مہر و وفا نہیں جس میں معتبر ہو سکی نہ اس کی بات
بے حجابانہ جو نظر آئے بے نیازِ صفات ہے وہ ذات

*

پھر نظارہ بند کر آنکھیں کاوشِ جستجو سے کیا ہوگا
شعلۂ آرزو میں جلتا رہ طلبِ رنگ و بو سے کیا ہوگا
ڈھونڈ اسے ہنگلاج میں جاکر گردشِ کوبکو سے کیا ہوگا

*

فائدہ کیا تلاشِ پیہم سے جب غمِ زیست سے فراغ نہیں
راہ میں چار سُو اندھیرا ہے پاس تیرے کوئی چراغ نہیں
اپنے حجرے سے تو نکل باہر منزلِ زیست بے سراغ نہیں

*

کھل گیا ہے بھرم بھی آخرکار سفرِ ہنگلاج تھا بے کار
جلوۂ آفتاب کیا جانیں جو اندھیروں ہی سے رہیں دوچار
جوگیو! تم وہاں نہ دیکھ سکے جلوہ گر تھا جہاں جہاں رخِ یار

*

جانتے تھے کہاں ہے اس کا گھر پھر بھی شوقِ سفر نے اُکسایا

کتنے خوش اعتقاد تھے جوگی
ناتھ کو ھنگلاج میں پایا

*

• کون جانے یہ جوگیوں کے سوا
کہ گدائی میں بادشاھت ھے
چھوڑنا مت سلوک کو سوامی
شوق ہجرت نوید رحمت ھے

*

سہل اندیش لوگ کیا جانیں
اس عدیم المثال کی پہچان
در بدر جو صدا لگاتے ھیں
ان کو ملتا ھے عشق سے فیضان
تا ابد ھو گئے سکوت بہ لب
جب ودیعت ھوا انھیں عرفان

*

کیسی دعوٰی کہاں کے جا گونے
دل میں سوز و گداز پیدا کر
بڑھ کے لاھوت سے بھی کچھ آگے
سیر حاصل کوئی نظارا کر
قرب و دوری فریب ھیں جوگی
اپنے سینے کو طورسینا کر
نیستی ھی ثبوت ھستی ھے
مر کے شان ثبات پیدا کر

*

خیمہ زن دل میں ھیں وہ بیراگی
خوب عالم ھے دل کا عالم بھی
آؤ ان کے الاؤ پر چل کر
آگ کچھ دیر تاپ لیں ھم بھی

*

لوگ ھوتے ھیں دیکھ کر حیران
جسم پر اُن کے ھے عجب پوشاک
بھوک ھے بھیک جوگیوں کے لئے
"دھوپ" ھے ان کو دربدر کی خاک

*

یہ صدائے درا و بانگ رحیل
گمرھوں کو فریب منزل ھیں
عار ھے بھیک مانگنے سے انھیں
جوگ میں جو فقیر کامل ھیں
راہ گنگا کی پوچھتا کیوں ھے
دل کے نظارے سیر حاصل ھیں

*

شہر لاھوت کی فضا سے وہ
رشتہ زیست جوڑ دیتے ھیں
حسرت و یاس ھوں کہ وھم و گماں
سب صنم خانے توڑ دیتے ھیں
جانے کیوں پھینک دیتے ھیں ناقوس
اور کشکول چھوڑ دیتے ھیں

*

جائیں یہ گدڑیاں جہنم میں　　کاسے بھی ان کے خاک ہوجائیں
جوگ کی راہ میں قدم ہے تو کیا　　دیدہ و دل بھی راہ پر آئیں
کون جانے کہ جوگ کی خاطر　　سنکھ کیا کیا مصیبتیں لائیں

*

زندگی دے رہی ہے تجھ کو فریب　　زندگی سے فریب کرنا سیکھ
آخرِ شب بسوزِ لاھوتی　　آگ سی جسم وجاں میں بھرنا سیکھ

*

سنکھ کے ساتھ باندھنے کے لئے　　بٹ رہے تھے وہ درد کے دھاگے
پھر وہ بل کھولتے ہوئے اٹھے　　کون جانے کہ کیا ہوا آگے

*

پھینک مت اپنی گدڑیاں جوگی　　اپنے کاسے بھی آگ میں نہ جلا
ایک نعمت ہے سنکھ کی سنگت　　جوگ ہی جوگ جسم وجاں میں رچا

*

زیب تن کی ہے جس نے یہ گدڑی　　مہرباں اس پہ ذاتِ باری ہے
کیا بتاؤں میں خوبیاں اس کی　　کہ یہ ملبوس خاکساری ہے
بے بہا لعل اس کے اندر ہیں　　دیدنی اس کی رازداری ہے

*

گدڑی والے غریب بیراگی　　قابلِ احترام ہوتے ہیں
جن کے تن اجلے اور من میلے　　وہ گدھوں کے غلام ہوتے ہیں

*

دیکھنے میں تو گل ہیں رنگارنگ　　سوچیے تو ہے ایک ہی سی بات
ہم نہ اس کی صفات کو سمجھے　　خالقِ رنگ و بو ہے جس کی ذات

*

کیا کہیں اپنے سنکھ اور کاسے　　کیوں یہ درویش چھوڑ آئے ہیں
ترکِ اسبابِ ظاہری کر کے　　حسنِ باطن سے لو لگائے ہیں
خاکساروں کے دیدۂ تر نے　　کون جانے جو گل کھلائے ہیں

*

گدڑیوں کو کبھی نہیں دھوتے
دل مگر پاک صاف ہوتے ہیں
درد ہی درد ہیں یہ لاہوتی
روز و شب دل ہی دل میں روتے ہیں

*

جوگیوں کی عجیب باتوں کو
راز سر بستہ جہاں کہیے
فہم و ادراک محو حیرت ہیں
وہ زباں ہے کہ چیستاں کہیے

*

معنیٔ زیست تک کبھی اے کاش
کوئی امکان ہو رسائی کا
گردشِ ماہ و سال تا بہ ابد
سلسلہ ہے شبِ جدائی کا

*

اک معما ہے زندگی ان کی
نہ وہ کھاتے ہی اور نہ پیتے ہیں
ہم تو اس بات کو سمجھ نہ سکے
کس طرح سے یہ لوگ جیتے ہیں

*

وہ رہ و رسم چھوڑ دیں اپنی
حق شناسی سے تو نہ پھر جانا
چھپ گئے ہیں یہیں وہ پردیسی
تجھے لازم ہے ڈھونڈ کر لانا

*

رات کو رام سے لگائیں دھیان
بھور ہوتے ہی وہ کریں اشنان
اور پھر موسمی پھلوں کی بانٹ
یہ ہے دیوانے جوگیوں کی آن

*

ابھی بیٹھے تھے سرنگوں سارے
اب زمیں میں گڑے ہیں کیوں جوگی
کچھ تو دیکھا ہے اُن کی آنکھوں نے
محو حیرت کھڑے ہیں کیوں جوگی

*

جھولیوں میں تھا کچھ نہ گدڑی میں
ان کو دیکھا تھا میں نے خالی ہات
پھر بھی قسمت سے مل گئی مجھ کو
آن کے در سے نہ جانے کیا سوغات

*

تجھے زیبا ہے معتکف جوگی!
چھوڑ کر ظاہری لباس آئے
لذت درد پر قناعت کر
بھوک کا غم نہ تیرے پاس آئے
سانس لے تو فضا مہک اٹھے
چار سو دور دور باس آئے

*

اِن ستاروں کے کارواں سے دور
ماہ و خورشید و کہکشاں سے دور

کارفرمائیٔ مکاں سے دور
شعبدہ کاریٔ زماں سے دور

منزلِ عمر بے نشاں سے دور
اعتبارات جسم و جاں سے دور

اِس زمیں اور آسماں سے دور
خلوتِ حسن جاوداں سے دور

حق نگر جوگیوں کا مسکن ہے
جن سے وابستہ میرا دامن ہے

وائی

بھنبھور کو آگ لگاؤں گی
میں ساتھ جتوں کے جاؤں گی

پردیس سے آنے والے سے
ہوتوں کے سندیسہ پاؤں گی

یہ دنیا لاکھ دلاسے دے
گن پھر بھی کیچ کے گاؤں گی

من میرا پریم پجاری ہے
میں پریت کی ریت نبھاؤں گی

ساجن کے سہارے جیتی ہوں
ساجن کے لئے مر جاؤں گی

جب تک نہ گلے مل جائے پیا
آشا سے جی بہلاؤں گی

وائی

میں پربت پربت ڈھونڈھ چکی
پر مل نہ سکا ساجن پیارا

ماں! اب اس ٹوٹے چرخے کو
کب تک مجھ سے کتوائے گی
کیا اس سے بھلا ہوگا میرا
اور تو بھی کیا پھل پائے گی
جگ چھان لیا میں نے سارا
پر مل نہ سکا پریتم پیارا

[سی حرفی]

الف

آن کے لب پر ہے سورۂ اخلاص — جن کو حرفِ الف سے الفت ہے
کاہڑی ہوگئے فنا فی اللہ — زندگی ان کی اب عبادت ہے
مل گیا ان کو مرشد کامل — یہ سعادت بڑی سعادت ہے

ب

بزمِ ہستی کی راحتوں کا ذکر — ان کے نزدیک بے حقیقت ہے
جنکو پیارا ہے مرشد کامل — ترکِ دنیا میں ان کو راحت ہے

پ

پیکر خستہ نذرِ آتشِ عشق — رنج و غم کے الاؤ ہیں دل میں
کیا تعلق کسی سے اب آن کو — کون جانے جو گھاؤ ہیں دل میں

ت

تیزگامِ رہِ توکل ہیں — وہ ازل سے ہیں راسخ الایمان
کوئی توشہ نہیں ہے ان کے پاس — ان کے سر پر ہے سایۂ رحمان
مطمئن ہیں ہر ایک عالم میں — مل گیا ہے گرو سے سچا گیان

ث

ثبت ہے دل پہ نقشِ عہدِ وفا — جان و دل سے کسی پہ مائل ہیں
کیا خبر ان کے دیدہ و دل میں — کس کے سوز و گداز شامل ہیں
وہ کمر بستہ رہروِ لاہوت — صرف حرفِ الف کے قائل ہیں

ج

جاں بحق ہوگئے ہیں آدیسی — کردیا اپنے نفس کو نابود
خود فراموش ہو کے دیکھ لیا — اپنے ہی دل میں جلوۂ معبود

ح

حیرتی ہوں میں دیکھ کر ان کو
کتنے خود آشنا ہیں وہ مجذوب
دوستی اور دشمنی ان کی
صرف اللہ ہی سے ہے منسوب
پیر و مرشد سے جا ملے جوگی
مٹ گیا فرقِ شاہد و مشہود

خ

خوفِ حق سے ہمیشہ مہر بلب
بغض دل میں نہ کوئی کینہ ہے
ہو سکے جس سے مغفرت حاصل
ان کو پیارا وہی قرینہ ہے

د

دل میں سوزِ دروں چھپائے ہیں
دھونیاں درد کی رمائے ہیں
جو غمِ ماسوا سے تھے منسوب
دل سے وہ نقش سب مٹائے ہیں
پیر و مرشد کے والہ و شیدا
پیر و مرشد سے لو لگائے ہیں

ذ

ذکرِ معبود میں ہیں دائم مست
پاک باطن ہیں اور نیک اطوار
قتل ہوتے ہیں ملحد و مرتد
ان کی تسبیح سے کم ہے تلوار
جو سزا و جزا کا مالک ہے
جاوداں اس کے عشق میں سرشار

ر

روحِ محکومِ قادرِ مطلق
قلب اس کی رضا پہ راضی ہیں
اب تو وہ جان سپردگانِ وفا
ہر سزا و جزا پہ راضی ہیں

ز

زندگی میں کوئی نہیں خامی
زہد سے پختہ ہو گیا کردار
مخلصانہ عبادتیں ان کی
ان کے جوش و خروش کا اظہار

س

سوامیوں کے لئے نہیں سونا
ان کی آنکھیں ہیں نیند سے بیزار
جاگ کر رات کاٹ دیتے ہیں
یہ طلبگارِ دولتِ بیدار
مل گئی ان کو منزلِ عرفاں
وصلِ مرشد سے ہو گئے سرشار

ش

شرع کے جان و دل سے ہیں پابند
کاپڑی پیروِ طریقت ہیں

مطمئن ہیں وہ صاحبِ ایمان
جن کے دل عارف حقیقت ہیں
کتنے خوش بخت ہیں وہ خوش اعمال
جو سزاوارِ عیشِ جنت ہیں

ص

صبر کرنا انھوں نے سیکھا ہے
ان کے غم کا یہی مداوا ہے
رہگذارِ حیات میں اکثر
ان کو ثابت قدم ہی پایا ہے

ض

ضامن . قربِ دوست تنہائی
اب انہیں واسطہ ہے خلوت سے
من کی دنیا میں ہیں مگن جوگی
ہو کے آگاہ ہر حقیقت سے
لذتِ دردِ جاوداں پائی
خود فراموشیٔ محبت سے

ط

طالبوں کو کوئی خیال تو ہے
جاودانہ ہے جستجو اُن کی
کیوں نہ ہوجائیں فنا فی اللہ
کہ اسی میں ہے آبرو اُن کی
حسن و حق کی تلاش ہے ان کو
کاش پوری ہو آرزو اُن کی

ظ

ظاہری طور پر بھی ہیں دین دار
ان کا باطن بھی سربسر ایمان
شعر و نغمہ سے ان کو ملتا ہے
اک نیا کیف اک نیا وجدان
وہ خدا جو ہے واحد و قہار
اس کی پہچان آنکو ہے آسان
ان کا سوز و گداز کیا کہیے
جان کو وہ نہیں سمجھتے جان

ع

عارفوں کی عجیب ہے ہر بات
آپ قاتل ہیں آپ درماں ساز
جانتے ہیں وہ صاحبِ اوصاف
فکرِ بیم و رجا میں ہے کیا راز
درمیانہ روی کا آئینہ
ان خدا آشناؤں کی تگ و تاز

غ

غم زدہ کس قدر ہیں سنیاسی
پھر بھی حرص و ہوا سے ہیں آزاد
نورِ مشرق سے آشنا ہوکر
فکرِ صبح و مسا سے ہیں آزاد
کوئی دل میں نہیں خدا کے سوا
کششِ ماسوا سے ہیں آزاد
روح پرور صدا لگاتے ہیں
آتشِ غم سے دل جلاتے ہیں

ف

فکر حق میں فنا ہیں آدیسی
آشنائے خدا ہیں آدیسی
امتحان فراق کیا کہیے
درد میں مبتلا ہیں آدیسی
کیوں نہ ہم ان کے ہمنوا ہوجائیں
روح پرور صدا ہیں آدیسی

ق

قریب منزل ہے اور لاہوتی
حسن ملکوت سے ہے دل معمور
ان کا مسکن ہے عالم ناسوت
قربت غیر اب نہیں منظور
ان کی معجزنما نگاہوں نے
کوئی دیکھا ہے جادۂ پر نور

ک

کرکے اللہ کی رضا جوئی
کاپڑی کورنش بجا لائے
دست بستہ بہ دیدۂ خونبار
حسن جاناں کے روبرو آئے
کون جانے انھوں نے در پردہ
کتنے انعام غیب سے پائے

گ

گرمیٔ شوق آن کی ھجرت ہے
بس یہی جوگ کی علامت ہے
انھیں دیر و حرم سے کام نہیں
لامکاں سے جنھیں عقیدت ہے
صرف اللہ سے وہ ڈرتے ہیں
صرف اللہ سے محبت ہے

ل

لامکاں ہوگئے ہیں لاہوتی
کرکے راز و نیاز کی باتیں
اب ہمیشہ زباں پہ رہتی ہیں
قادر و کارساز کی باتیں
محرمیت ہی محرمیت ہیں
ان کے سوز و گداز کی باتیں

م

محرم وصل جان جاں جوگی
گم ہیں لاہوت کی محبت میں
نیک اعمال دلنشیں کردار
اب تو شامل ہیں آن کی فطرت میں
جاگ کر رات کاٹ دیتے ہیں
ذکر حق کی دوام لذت میں

ن

ناز پروردۂ غم محبوب
خود فراموش و بے اماں جوگی
کیا خبر کس کا پاس فرماں ہے
سوئے نانی ہیں پھر رواں جوگی

و

وہ وفا کیش و حق نگر جوگی — وصل کی آرزو میں جیتے ہیں
بھید ان کا کسی کو کیا معلوم — جانے کس جستجو میں جیتے ہیں

ہ

ہر گناہ و ثواب سے آزاد — آشنائے رموزِ وحدت ہیں
کاپڑی موت سے نہیں ڈرتے — رازدارِ غمِ محبت ہیں
کوئی دیکھے تو کتنے پراسرار — یہ ہوا خواہِ محرمیت ہیں

ی

یاد اللہ میں ہیں وہ مشغول — فکرِ دنیا ہے دردِ سر ان کو
دور ہر راہِ معصیت سے دور — پیش ہے پھر کوئی سفر ان کو
پیر و مرشد کی جستجو میں کہیں — لے گئے پھر دل و نظر ان کو

سر کھاھوڑی

سر کھاھوڑی
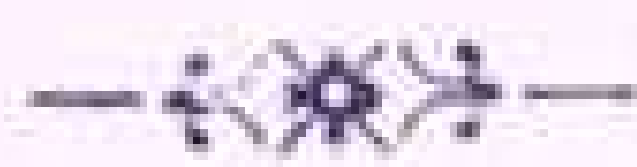
پہلی داستان

حاصلِ مدعا کو ڈھونڈ لیا
بندگی نے خدا کو ڈھونڈ لیا
کر کے کھاھوڑیوں نے ذکرِ خفی
عشق کی انتہا کو ڈھونڈ لیا
وسعتِ لامکاں میں گم ہوکر
جانِ ہردوسرا کو ڈھونڈ لیا

*

عشق جن کا خدارسیدہ ہے
میں نے اُن عاشقوں کو دیکھا ہے
اُن کے اسرار کیا بتائے کوئی
جن کے سرِّ دروں پہ پردہ ہے

*

جن کو دیکھا ہے میں نے محوِ شہود
ان کی صحبت عجیب صحبت ہے
ان کے ساتھ ایک شب بسر ہوجائے
وصلِ جاناں جنہیں ودیعت ہے
موج و طوفاں سے پار کرتے ہیں
قرب ان کا بہت غنیمت ہے

*

سوئے کہسار گامزن پایا
بھید ان 'ڈوتھیوں' کا کیا معلوم
محوِ نظّارہ ہیں سرابوں میں
کس لیے روز و شب خدا معلوم

*

پوچھ لے راز آشناؤں سے
ان خوش‌آواز ڈوتھیوں کا راز
کس طرح ڈُتھ تلاش کرتے ہیں
دشت و کہسار میں بصد اعجاز

*

دورافتادہ ڈُتھ ملے کیسے
دل تن‌آسانیوں پہ مائل ہے
صبح سے رہ‌نورد ہیں ڈوتھی
اور تو شام کو بھی غافل ہے

*

وادیِ کوھسار میں اکثر — تپشِ آفتاب ھوتی ھے
جل رھے ھیں انھیں نہ جانے کیوں — آرزوے عذابِ ھوتی ھے
اے محبت تری لگن شاید — التھاب التھاب ھوتی ھے

*

اک مسلسل نجات کی دھن میں — ماورائے حیات جاتے ھیں
اور چمکتے ھوئے سرابوں میں — راحتِ بے حساب پاتے ھیں
ھم‌سفر کی غنودگی پر وہ — پیچ کھاتے ھیں سٹ‌پٹاتے ھیں
راز کی بات ھے کوئی اس میں — ڈوتھی کیوں اتنے دکھ اٹھاتے ھیں

*

دیکھتے ھیں کسی کو جب غافل — دفعتاً پیچ و تاب کھاتے ھیں
کس کو معلوم اِن سرابوں میں — کس لیے اتنے دکھ اٹھاتے ھیں
جانتے ھیں رموزِ عشق مگر — احتیاطاً انھیں چھپاتے ھیں

*

جسم اُن کے غبار آلودہ — دشتِ غم میں رواں دواں ھیں وہ
راز افشا کیا نہیں کرتے — اھلِ دنیا سے بدگماں ھیں وہ

*

عشق کھاھوڑیوں کی فطرت ھے — درد ان ڈوتھیوں کی راحت ھے
ان کا سرمایۂ حیات ھے کیا — دردِ الفت غمِ محبت ھے

*

آئی آواز کوھساروں سے — کوئی کھاھوڑی ھو تو آجائے
منتظر بزمِ محرمیّت ھے — سرگذشتِ وفا سنا جائے

*

ان کو ڈتھ کی کمی نہیں کوئی — حسبِ توفیق مل ھی جاتے ھیں
رازداران معرفت ھیں جہاں — دور وہ منزلیں بتاتے ھیں

*

مقصدِ زندگی ھے ڈتھ کی تلاش — سہل اُن کا اصول ھوتا ھے
ڈوتھی بن کر پہاڑ پر جانا — صرف ان کو قبول ھوتا ھے

جن خدا آشنا فقیروں پر — رحمتوں کا نزول ہوتا ہے

*

مر مٹے ہیں خدائے واحد پر — ڈتھ کا ملنا ہے اب انہیں آسان
وہ گھروں میں کبھی نہیں رہتے — چھان مارے ہیں سیکڑوں میدان
چشمِ پرنم نگاہ غم آلود — ڈوتھیوں کی ہے بس یہی پہچان

*

بال بکھرائے پیٹھ پر مشکیں — ان کا عالم عجیب عالم ہے
کوئی دیکھے تو ان کی جست و خیز — ڈتھ ہی ڈتھ کی صدائے پیہم ہے
کہہ رہے ہیں کہ جا رہی ہے رات — دور 'ڈونرے' ہیں وقت بھی کم ہے

*

ڈتھ کی دھن میں مگن ہیں صبح و شام — ڈوتھیوں پر حرام ہے آرام
دشت، کہسار، وادیاں، میدان — جادہ پیمائی ہے بس ان کا کام
زندگی ہے رواں دواں ہر وقت — محوِ نظارہ ہیں بہر ہنگام
محرم لامکاں ہیں کھاھوڑی — کہ سمجھتے ہیں عشق کا انجام
محرمِ رازِ زندگی ہیں وہ — سہل ہیں ان پہ زیست کے آلام

*

تشنہ کامِ سرابِ عشق ہیں وہ — ان کی راہیں ہیں ریگزاروں میں
سنگریزوں سے پیر چھلنی ہیں — جادہ پیما ہیں کوہساروں میں
ایک تیرے سوا مرے پیارے — کون ہے ان کے غم گساروں میں

*

جانتے ہیں وہ منتہائے طلب — زحمت انتظار سے واقف
ہر سحر ہے انہیں پیامِ سفر — سختیِ کوہسار سے واقف

*

سر بسر دشمن تن آسانی — کس کو معلوم کب وہ سوتے ہیں
ان کو ڈتھ کی تلاش رہتی ہے — کب وہ بیکار وقت کھوتے ہیں
چھوڑ کر اپنی دھونیاں ڈوتھی — ننگے پاؤں رواں ہوتے ہیں
سعی پیہم سے پیار ہے ان کو — نت نیا انتظار ہے ان کو

*

پانئوں میں ہیں شکستہ چاکھڑیاں اور چہرے نہ جانے کیوں مغموم
اشک آنکھوں میں آرزو دل میں بھید ان کا کسی کو کیا معلوم
ان کو حاصل وہ محرمیّت ہے جس سے ہر آگہی رہی محروم

وائی

میں برکھا رت بن جاؤں
نینوں سے نیر بہاؤں

جب پیا ملن کو جاؤں

کاٹوں دن رات سفر میں
انجانی پریت ڈگر میں
میں لوٹ کے پھر نہ آؤں

جب پیا ملن کو جاؤں

ہر وقت "لطیف" ہے کہتا
مجھ کو ہے دھیان اسی کا
گن اس کے ہی میں گاؤں

جب پیا ملن کو جاؤں

—⁂—

دوسری داستان

جن کو گنجے پہاڑ کی آواز دے گئی ہے پیام پراسرار
ہوگئے ہیں وہ لوگ لاہوتی چھوڑکر اپنے سارے کاروبار

*

اڑگئی نیند ان کی آنکھوں سے بس گیا جن میں انتظار اس کا
ہوگئے بے نیاز سود و زیاں پڑگیا جن پہ بھی غبار اس کا

*

ھو گئے سربسر وہ لاھوتی مل گئی جن کے دل کو بینائی
جانے کس جستجو میں کھوئے گئے چھوڑ کر جسم و جاں کی خود رائی
حرص دنیا پہ آگئی غالب عزم راسخ کی ھمت افزائی
راز سربستہ کر گئی ظاھر ان کے قلب و نظر کی یکتائی
دے رھی ھے پیام جست و خیز عشق پروردہ کوہ پیمائی

*

ھر جھلک سنگلاخ کی ان کو دفعتاً بے قرار کرتی ھے
وسعت کوہ کو نظر ان کی کس تمنا سے پیار کرتی ھے
لیکن اے دوست جستجو ایسی دل کو پُر انتشار کرتی ھے
ھر شکست غرور انساں کو کس قدر کامگار کرتی ھے

*

کھینچتا ھے وہ کوہ پراسرار جس کو بھی اس کا ھو گیا دیدار
اس کی راھوں پہ چلنے والو بڑھو اب یہاں سے ھے لوٹنا دشوار

*

فہم و ادراک سانپ کے مانند پیدا کرتے ھیں دل میں اک ھیجان
ھاں مگر اس نے انگبیں پایا جو بھی اس راہ میں ھوا حیران

*

محرم لامکاں ھیں کھاھوڑی اپنی دھن میں رواں ھیں کھاھوڑی
دم بخود ھیں یہاں پرندے بھی کیا بلندآشیاں ھیں کھاھوڑی
شعلۂ عشق آتش افشاں ھے حُسن کے رازداں ھیں کھاھوڑی

*

وائی

میں برھن جیسی بھی ھوں پر اس کی ھی داسی ھوں
اس آری جام سجن کے چرنوں کی دھول بنی ھوں
انجانی کیچ ڈگر میں میں ساری رات پھری ھوں
کہتا ھے "لطیف" ھمیشہ میں اس کی پریت لڑی ھوں
یہ جیون دین ھے اس کا میں داسی جو اس کی ھوں
جس پردیسی کے کارن پربت پربت بھٹکی ھوں

تیسری داستان

محو آہ و فغاں ہیں کھاھوڑی   کیا ہوا ہے انہیں خدا معلوم
جب سے یہ ہو گئے ہیں لاھوتی   دل میں ہے کوئی دردِ نامعلوم
بند ہیں ان کے چشم و گوش و زباں   راز ان کا کسی کو کیا معلوم

*

رسم و راہِ زمانہ سے بیزار   کوئی منزل نہیں انہیں درکار
پانؤ کی گرد کوہ و صحرا ہیں   سنگ ریزوں سے پانؤ خوں افشار
جن کی منزل ہے عالمِ لاھوت   اُن کو آساں ہے جادۂ دشوار
راہ پیمائے معرفت ہیں وہ   اُن کو معراجِ عشق ہے سرِ دار

*

دل کے سوز و گداز میں جلنا   ہر ثوابِ عظیم سے بہتر
محرمانہ غلط روی اکثر   جادۂ مستقیم سے بہتر

*

رہ رووں کا ہجوم گھبرا کر   لوٹ آیا رہِ حقیقت سے
طے کیے جا رہے ہیں دیوانے   جادۂ دوست کو عقیدت سے
ان کو فکرِ تعینات نہیں   آشنا ہیں رموزِ وحدت سے

*

گامزن جادۂ یقیں پر ہیں   ان کا دل ہے امینِ سوز و گداز
چاہے کس سمت سے پکارے کوئی   وہ ہمیشہ ہیں گوش بر آواز

*

ان کے اونٹوں کی خاکِ پا سے پوچھ   کن کڑی منزلوں سے آئے ہیں
ان حقیقت شناس لوگوں نے   دور دیسوں سے دل لگائے ہیں

*

ساری دنیا کو چھان مارا تھا   تھک کے اب سو گئے ہیں وہ تہِ خاک
روندتے جا رہے ہیں لوگ انہیں   ہائے یہ اختتامِ عبرتناک

*

میں نے پوچھا تو بولے وہ بیباک
ان کڑی منزلوں کی وحشت کا
راہ میں خشمگیں شکاری ھیں
یہ سفر ہے بڑا ھی عبرتناک
چند لوگوں کو ہو سکا ادراک
جو بھی تنہا گیا ھوا وہ ھلاک

*

جانتے ھیں کہ گمرھی کیا ہے
تارکِ دوجہاں ھیں کھاھوڑی
رھبری کیا ہے رھزنی کیا ہے
اب انہیں کوئی خوف ھی کیا ہے

*

لگ گئی آگ اس بیاباں میں
ھوگئے ایک طالب و مطلوب
وہ کمین گہِ رھزناں نہ رھی
کوئی دیوار درمیاں نہ رھی

*

نوحہ خواں ھیں اداس ویرانے
اب نہ وہ جال ھیں نہ کتّے ھیں
جانے پھر کب یہاں سے گذریں گے
وہ شکاری کہاں گئے جانے
صرف باقی ھیں چند افسانے
وہ بیابان نورد دیوانے

*

ایسے لوگوں سے دور رھنا تم
بیٹھ ایسوں میں جن کی صحبت میں
جن کا مسلک دروغ گوئی ہو
حسن و حق کے سوا نہ کوئی ہو

*

کاش باقی رہے نہ کوئی یار
کتنی دلکش ہے وہ اندھیری رات
حسرتِ کوئے یار مٹ جائے
جس میں ھر رہگزار مٹ جائے

*

فطرتِ حسن حسنِ فطرت ہے
ظلمتِ شب سپیدۂ سحری
نہ کوئی رنگ ہے نہ صورت ہے
اس دوئی میں بھی رازِ وحدت ہے

*

طلبِ حسن میں گناہِ عظیم
آہ یہ رھگزارِ پر اسرار
پا نشینانِ کوئے جاناں کو
سہل اندیش لوگ کیا جانیں
روح پر چشم و گوش کا احساں
جس میں ھوجاتے ھیں خطا اوساں
میں نے دیکھا ہے سر بسر حیراں
حسنِ مشکل پسند کی پہچاں

*

جستجوے دوام سے پیدا روح میں ارتعاش کرتے ھیں
کوھساروں پہ خیمہ زن ھوکر ڈوتھی ڈتھ کی تلاش کرتے ھیں

*

کون جانے کب آئیں گے ڈوتھی ڈتھ کی خاطر ادھر بصد ارمان
جن میں کل خیمہ زن تھے کھاھوڑی آج وہ کوھسار ھیں ویراں

وائی

اپنا کے انھیں تونے نادان کب اپنے آپ کو پھچانا
اب ڈھونڈھ رھی ھے کیا اسمیں بیکار ھے تیرا کشانہ
گر آن کے ساتھ چلی جاتی تجھ پر یہ مصیبت کیوں آتی
تو آن کے الاؤ سے لوٹ آئی لازم تھا اسی میں جل جانا
دل ریت کی صورت بیٹھ گیا اب سانسیں آھیں بھرتی ھیں
رگ رگ میں چبھن سی ھوتی ھے اف تیرا تڑپنا تڑپانا
تو سمجھی تھی وہ اپنے ھیں چھوڑے گا نہ ان کا ساتھ کبھی
لیکن تری چاھت سے ان کو پایا ھے میں نے بیگانہ

وائی

جو گھری نیند میں سوتی ھے وہ ناداں سب کچھ کھوتی ھے
دکھ دیکھو تو اس برھن کا جو پی سے بچھڑ کر روتی ھے
جو آنکھیں نیند سے بوجھل ھیں کب ان میں من کا موتی ھے
وہ ساجن کو کیا دیکھیں گی یہ غفلت جن میں ھوتی ھے
ان ھوتوں ھی کے ساتھ گئی جو تیری جیون جوتی ھے
اب یاد انھیں کرکے پیاری تو خون کے آنسو روتی ھے
کھتا ھے "لطیف" کہ مل جائے
جو تیرے من کا موتی ھے

سر پورب

سر پورب

پہلی داستان

عجز سے اس کے پاس جا کاگا
پیارے ساجن کے پانو پڑ جانا

اس کی دیوار ہی پہ دم لینا
راستے میں نہ دل کو بہلانا

میں نے جو راز تجھ کو سونپا ہے
وہ کسی اور کو نہ سمجھانا

بیٹھ کر اس کے پاس اے کاگا
تم اُسے بار بار دُہرانا

اور پھر لے کے وصل کا پیغام
میری جانب خوشی سے لوٹ آنا

جو بظاہر ہے دور افتادہ
اس کو مجھ سے قریب تر لانا

*

میرا پیغام لے کے جا کاگا
زیب دیتا ہے تجھ کو بس یہ کام

بیٹھ کر شاخ پر سنا کاگا
میرے پیارے کا پھر کوئی پیغام

جو گئے تھے قلات کی جانب
آنے والے ہیں پھر وہ دل آرام

جا انھیں اپنے ساتھ ہی لے آ
تجھ کو پہچانتے ہیں وہ گلفام

*

کون جانے چلے گئے کس دیس
سوئے محبوب پرفشاں ہو جا

اے وفادار و دلنشیں قاصد
تو ہی میرا خبر رساں ہو جا

جو برستی نہیں ترستی ہیں
تو ان آنکھوں کا ہم زباں ہو جا

*

میرے پیارے چلے گئے پردیس
کاگا جا لے کے آ کوئی پیغام

اپنے زردوز سے کرادوں گی
میں پروں پر ترے سنہرا کام

*

بیٹھ کر اس درخت پر کاگا
بول کس حال میں ھیں وہ پیارے
ھر گھڑی جن کی راہ تکتی ھوں

اپنی بولی میں کچھ سنائے جا
ان کی باتیں مجھے بتائے جا
ان سندیسوں سے دل بڑھائے جا

*

میرے آنگن میں بیٹھ کر کوا
دل کا آرام ھیں تری باتیں

مجھ کو پہنچا رھا ھے تیرا سلام
روح کی ھے غذا ترا پیغام

*

جھونپڑی پر جو آ کے بیٹھا تھا
تم نے سوچا نہ یہ مری سکھیو !
ھائے تم نے اڑا کے کوے کو

بولو کس نے اسے اڑایا ھے
کس کا پیغام لے کے آیا ھے
مجھ ستم کش پہ ظلم ڈھایا ھے

*

آ تجھے دل نکال کر دے دوں
جب وہ دیکھیں تو یہ کہیں پیارے

جا کے تم اس کے سامنے کہانا
ھوگا ایسا بھی کوئی دیوانہ

*

بائیں جانب کی شاخ پر کوا
کاتنے بیٹھی تھی جو دکھیاری

راز دارانہ کہہ گیا اک بات
پھینک کر پونی مل رھی ھے ھات

*

تمھیں غارت کرے خدا سکھیو
چپ تو ھوجاؤ تا کہ میں سن لوں
بائیں جانب کی شاخ سے کوا

بھاڑ میں جائے کاتنے کا کام
جانے کس حال میں ھیں دل آرام
دینے آیا ھے پھر کوئی پیغام

*

کون ایسے میں کات سکتی ھے
بائیں جانب کی شاخ پر کوا

چھا گئے صحن پر غم و آلام
دے گیا آ کے جانے کیا پیغام

*

آ کے بیٹھا ھے شاخ پر کوا
اب نہ کاتے کوئی سکھی چرخہ

پھر سجن کا سلام لایا ھے
سن تو لوں جو پیام لایا ھے

*

جھوٹ کب بولتے ہیں وہ کوّے
بیٹھ کر اونچی اونچی شاخوں پر
میں سمجھتی ہوں ان کی فریادیں
باوفا ہیں "لطیفؔ" یہ پنچھی

جو سجن کے وطن سے آتے ہیں
اس کی باتیں مجھے بتاتے ہیں
اور وہ پیغام جو سناتے ہیں
جو مرے رنج و غم مٹاتے ہیں

*

تیری آواز سنتے ہی کاگا!
نافۂ مشک ہے زبان تیری
تیری دلدوز و دلنشیں آواز
اپنے پیارے کی بات سن سن کر
دفعتاً عالمِ تصور میں

روح دکھ درد بھول جاتی ہے
تجھ سے بوئے بہار آتی ہے
جانِ جاں کا پیام لاتی ہے
آرزو تازگی سی پاتی ہے
بزمِ محبوب جھلملاتی ہے

*

کیوں پڑا ہے زمین پر کاگا!
جو تجھے ناگوار تھی اب تک
دیکھ کر تیری مردنی پیارے

کچھ بتا یہ تجھے ہوا کیا ہے
اب وہ گرمی تجھے گوارا ہے
سارے کوّوں نے غل مچایا ہے

*

راستے سے نہ لوٹ آنا تھا
میں نے تجھ کو دیا تھا جو پیغام

تجھے ساجن کے پاس جانا تھا
یاد کر کے اسے سنانا تھا

*

میرے کاگا یہ تیری جست و خیز
دیکھ کر تجھ کو اس دو شاخے پر
تو جو پیغام لے کے جاتا رہے

دلنشیں، غم ربا، خیال انگیز
ہو گئی میرے دل کی دھڑکن تیز
آتا جاتا رہے وہ کم آمیز

*

جا کے پیارے سے یہ کہو کاگا!
کونسی ہے وہ ایسی مجبوری
اس دکھی دل کی بھی خبر ہے کچھ

کیوں یہ پردیس تم کو بھائے ہیں
جو یہاں اتنے دن لگائے ہیں
دن مصیبت کے جس پہ آئے ہیں

*

آج پھر مجھ کو دینا ہے کاگا!

ایک خط اپنے جانِ جاں کے نام

چھپ چھپا کر تم اس کو دے دینا
خود پڑھائے کسی سے وہ گلفام
دل یہ کہتا ہے آئیگا وہ ضرور
سن کے درد فراق کا پیغام

*

کیوں نہ اترا زمین پر کوّا
آخر اس میں تھی راز کی کیا بات
اڑتے اڑتے یہ کہہ گیا مجھ سے
آنے والے ہی ہیں وہ خوش اوقات

*

آ مرے پاس بیٹھ جا کاگا!
میں سنوں تیرے میٹھے میٹھے بول
حال ہے کیا وطن میں پیاروں کا
لا یہاں لا کے ان کے خط کو کھول

*

خط جو لایا ہے آج تو کاگا
اس نے کتنی تسلیاں دی ہیں
میں انہیں بار بار پڑھتی ہوں
جتنی باتیں بھی اس نے لکھی ہیں

*

کب وہ قاصد ادھر کو آئیں گے
اور خوشی کی خبر سنائیں گے
راہ پیارے کی تک رہی ہوں میں
کب وہ آکر گلے لگائیں گے
یہ جدائی کا درد یہ پردیس
مجھ کو کب تک یوں ہی رلائیں گے

*

تیرے کتنے کا مجھ پہ احسان ہے
اس مصیبت میں میرے کام آنا
دیس پیارے کا ہے جدھر کاگا!
صبحدم تو ادھر کو اڑ جانا
ادب و عجز و انکسار کے ساتھ
اس کو یہ بات جا کے سمجھانا
اور تجھ سا نہیں کوئی محبوب
جانتا ہے تو سب کے دل کو خوب

*

جانے کیا کیا پیام لایا ہے
آج پھولا نہیں سمایا ہے
میری آنکھوں میں بیٹھ جا آکر
کیوں سر شاخ مسکرایا ہے
جو کسی سے نہ ہو سکا کاگا
تونے وہ کام کر دکھایا ہے

*

میں نے کوّے سے جب کہا آنا
حال پیارے کا کچھ سنا جانا
بولا کوّا کہ وہ نہیں غافل
ہاں جدائی میں تم نہ گھبرانا

*

کوئی کتا ہو یا کوئی کوّا　　حال اس کا مجھے سنا جائے
اس پہ قربان جاؤں میں سو بار　　جو بھی پیارے کے دیس سے آئے

*

پیٹ کی فکر میں ہے وہ کوّا　　مردہ لاشیں تلاش کرتا ہے
کیا وہ پہنچائے گا مرا پیغام　　جو تن آسانیوں پہ مرتا ہے

وائی

توڑوں گی نہ جوگ سے میں ناتا
جوگی کی بات نبھاؤں گی
یہ کہہ گئے پیارے آدیسی
میں ہنگلاج کو جاؤں گی
رہتے ہیں وہیں وہ بیراگی
پورب میں کھوج لگاؤں گی
جس تیرتھ کو کل دیکھا تھا
میں آج بھی دیکھ کے آؤں گی

دوسری داستان

شوق وارفتہ لے چلا مجھ کو　　دل میں اک آرزوے دید لیے
جانے کب وہ نگاہ پڑ جائے　　پھر رہا ہوں یہی امید لیے

*

سوامیوں کو ہے عشق کا آزار　　درد و غم نے انہیں گھلایا ہے
نہ کوئی غم نحیف ہونے کا　　نہ انہیں بھوک نے ستایا ہے
دلنشیں ہیں وہ بولتی آنکھیں　　جنہیں ہنستے ہوئے اٹھایا ہے
ایک ہی بار دیکھ کر مجھ کو　　جو بھی دکھ درد تھا مٹایا ہے

*

جو تن آسانیوں کا عادی ہے
اس کو کیا حق ہے سوامی کہلائے
کیا ملے گا گرو سے اس کو گیان
دو قدم بھی جو چل کے تھک جائے
چند دانوں کی بھیک کی خاطر
اس نے بیکار کان چھدوائے
خوش مقدر وہی ہے آدیسی
موت سے پہلے ہی جو مرجائے

*

صحبدم جن کے ذکر سے اکثر
دل پرشوق ہوگیا مسرور
آخر شب وہ پوربی جوگی
بیٹھکیں چھوڑ جا بسے ہیں دور
کس طرح اب ملے گا ان کا سراغ
وہ ہیں مختار اور میں مجبور

*

صبح ہوتے ہی پوربی جوگی
چلدئے سوئے منزل مقصود
اب نہیں بیٹھکوں میں آدیسی
مشک بُو ہے فضائے لامحدود

*

سوئے مشرق وہ رہروان طلب
کس عقیدت سے بڑھتے جاتے ہیں
تنگ ہے ان کو مستقل آرام
نت نئی بیٹھکیں بناتے ہیں

*

جاکے پورب میں جابجا میں نے
لاکھ ان کا پتا لگایا ہے
لیکن ان جوگیوں کی منزل کا
کس نے اب تک سراغ پایا ہے

*

کیوں مجھے ان سے ہوگیا ہے عشق
میں کہاں اور کہاں وہ لاثانی
عشق سے سب کو منع کرتی تھی
ہائے نکلی میں آپ دیوانی
سوئے مشرق رواں دواں سی ہے
دیدہ و دل کی خانہ ویرانی
جان لیوا ہے دل کی بے تابی
اب کہاں جاؤں اے گراں جانی

وائی

چھوڑ حلال کی روزی کو جو روز حرام کی کھاتے ہیں
سورج ڈوبتے ہی وہ کوّے کاں کاں کرتے آتے ہیں
یہ آنکھوں کے اندھے پنچھی خاک سندرتا کو جانیں
سڑی گلی اور مردہ لاشیں جھپٹ جھپٹ کر لاتے ہیں

ھد اور ھما کو سمجھیں چونچ کٹی چمگادڑیں کیا
دیکھ کے ھنس اور مور کو اکثر یہ بیری جل جاتے ھیں
کوئی انہیں سمجھائے کیسے وہ مورکھ کب سمجھیں گے
کوڑے کرکٹ ھی میں رہ کر جانے کیا سکھ پاتے ھیں
ان کو اپنے حال پہ چھوڑو جاننے والا جانتا ھے
دیکھیں کب تک اس جیون پر وہ یوں ھی اِتراتے ھیں

وائی

اسی کی یہ تخلیق ارض و سما ھے ۔ وھی ان میں شامل وھی ماورا ھے
جدا اس سے بے تاب ھیں دیدہ و دل ۔ وہ پیارا جو رگ رگ میں میری بسا ھے
فریب نظر ھے یہ دو دن کی دنیا ۔ وھی ابتدا ھے وھی انتہا ھے
جو سمجھے اسے جو محمد کو مانے
یہ سمجھو کہ اس کا بھلا ھوگیا ھے

سر بلاول

سر بلاول

پہلی داستان

جن کو صدق و صفا سے نسبت ہے
آن پہ اس جانِ جاں کی رحمت ہے
جمع ہوتی ہیں گرسنہ روحیں
سب کو عزم و یقیں کی دعوت ہے

*

مفسدوں کو نکال کر گھر سے
کرو سلطاں سے امن و صلح کی بات
جاں فروشوں نے پائے ہیں اکثر
اس کے در سے وفا کے انعامات

*

تیری تشنہ لبی پہ حرف نہ آئے
تجھے مل جائے گر شرابِ طہور
سب اسی کے حضور سے لینا
غیر کے سامنے سے بھی رہنا دور

*

اے ”سما!“، تو ہے تاجدار زماں
ورنہ یوں تو بہت سے ہیں سردار
جوق در جوق میں نے دیکھے ہیں
تیرے در پہ ہزاروں خدمتگار
ہر کسی کا ہے اپنا اپنا ظرف
تیرے جود و سخا سے کیا انکار

*

تیرے کس کام آئیں گے پیارے
آپ ہی توڑ دے یہ نقارے
اے غیروں کے در سے کیا سروکار
جس کا حامی ہو ہاشمی سردار

*

اس سے بغض و عناد تھا جن کو
پھر ”سما“ نے انھیں کو دی آواز
کون ہے ہم پناہ گیروں کا
یار و غمخوار و مونس و دمساز
گر وہ امداد پر ہو آمادہ
مجھ پہ کھل جائیں مغفرت کے راز

*

چھا رہا ہے سکوت کا عالم
خوف کیا غم پناہ گیروں کو
متبسّم وہ روئے زیبا ہے
بے وسیلوں کا وہ وسیلہ ہے

*

لاکھ یورش کیا کریں اغیار
لاؤ لشکر سے وہ نہیں ڈرتا
اے "لطیف" اس کا حوصلہ تو دیکھ
مہرباں ہے پناہ گیروں پر
پھر بھی ثابت قدم ہے وہ سردار
قابل داد ہے وہ خوش اطوار
روند ڈالی ہے اس نے ہر یلغار
وہ بہادر وہ سالکِ سالار

*

جابجا خیمہ زن نہ ہو اے دوست
کاش اس ملک میں چلا جائے
جو ہے تیری ہی قوم کا سردار
دیکھ لے وہ جسے محبت سے
کوئی اچھا سا ڈھونڈھ لے تالاب
جلوہ گر ہے جہاں وہ خوش آداب
جس کا پرتو ہے عالمِ اسباب
اس پہ کھل جائیں رحمتوں کے باب

*

جو بھی اس کی پناہ میں آیا
وہ غضب ناک ہو کے آیا ہے
سر کی بازی لگائی 'ابڑو' نے
اور پھر جس طرف نگاہ گئی
نہ رہا اس کو خطرۂ اغیار
بھاگ نکلا ہے لشکرِ جرّار
فوجِ سلطاں سے ہو گیا دوچار
زیرِ لب تھا تبسّمِ پندار

*

کتنا خوف و ہراس تھا ہر سو
چڑھ کے آتھی پہ جب علاءالدین
اس کے حملے کی تاب تھی کس کو
اپنی مہمان عورتوں کے لیے
حشر ساماں تھا جنگ کا میدان
دفعتاً 'بھم' پہ جب ہوئی یلغار
ساتھ لایا تھا لشکرِ جرّار
ہاں مگر وہ مرا جری سردار
کھینچ لی جس نے دفعتاً تلوار
ہو گیا جب سمہ ستیزہ کار

*

سائلو! تم اسی کے در پہ چلو
اس کے جود و سخا کا کیا کہنا
'جکھرے' جیسا نہیں کوئی سردار
صاحبِ حلم، پیکرِ ایثار

*

تابع شاہ ہوگئے فوراً　　سارے قرب و جوار کے سردار
لیکن ابڑو کو کب گوارا تھا　　وہ حریفانہ غلبۂ اغیار

*

جنگلوں میں پناہ دیتا ہے　　جیسے کوئی درخت سایہ‌دار
پیارے ابڑو کا حال بھی ہے یہی　　جو ہے اک نیک دل سخی سردار
فیض اس کا مثالِ باراں ہے　　جس سے سیراب ہیں سبھی نادار
کون لوٹا ہے در سے خالی ہاتھ　　اس نے بخشے ہیں بارہا رہوار
کر سکیں جو برابری اس کی　　اب کہاں ہیں وہ صاحب ایثار

*

جو ہیں تیری پناہ میں ابڑو　　تو ہے ان بے کسوں کا پالن ہار
کچھ کے راجہ! مگر یہ دھیان رہے　　ترک تجھ پر کریں گے اب یلغار

*

اپنے وابستگانِ دامن کو　　موج و طوفاں سے پار اتارے گا
عرصۂ حشر میں رفیقوں کو　　اب وہ خیرالبشر پکارے گا

وائی

میں انجان رہی، غفلت میں ساری عمر گئی بیکار
تجھ کو خبر ہے سب کچھ پیارے خادم ہوں میں اے ستار
غیب کی باتیں تجھ پر ظاہر، رحم سراپا تیری ذات
مجھ میں عیب ہزاروں لیکن تیرے کرم سے کب انکار
دل ہو شگفتہ مثلِ گل تر آنکھوں کی امید بر آئے
"سید" کو ہوجائے میسّر کاش مدینے کا دیدار

—※※※—

دوسری داستان

پھر وہی شہسوار آیا ہے
دور آسودگی کا لایا ہے
شیر کی طرح پیارے جکھرو نے
سب حریفوں کا دل ہلایا ہے
اس کی حمد و ثنا کروں کیا کیا
جس خدا نے اسے بنایا ہے

*

ایک جکھرو ہے قابلِ تعریف
کوئی سردار ہے نہ کوئی جام
بس وہی لائقِ ستائش ہے
یوں تو مشہور ہیں ہزاروں نام
ختم ہے اس پہ حسنِ صناعی
اس کے دلدادہ ہیں خواص و عام

*

وہ بیٹھی ہیں تجھی سے لو لگائے
غنیمت ہیں ترے دامن کے سائے
کوئی ایسی خبر مجھ تک نہ لائے
جو میرا غمزدہ دل توڑ جائے
تجھے میں زندہ و پائندہ پاؤں
تو اے جکھرو ہر ایک غم بھول جاؤں

*

یہ سب کچھ اس کے ہی زیر نگیں ہے
وہ جکھرو لائقِ صد آفریں ہے
نظر آئے بہت سردار مجھ کو
مگر اس کا کوئی ثانی نہیں ہے

*

جسے حاصل ہو جکھرو کی حمایت
اسے پھر اور کس کا آسرا ہو
وہاں چھوٹے کنوؤں کی کیا ضرورت
جہاں سر چشمۂ مہر و وفا ہو

*

ڈھونڈھ لے ایک پُر صفا چشمہ
اب نہ پی گھاٹ گھاٹ کا پانی
دل کو صدق و صفا پہ مائل کر
اے طلبگارِ فضلِ ربّانی

*

رات دن اس کے میکدے میں ہجوم
وہ پلاتا ہے سب کو جام پہ جام
اس کے دروازے سے نہیں لوٹا
آج تک کوئی شخص تشنہ کام

کوئی دیکھے تو یہ رواداری　　مہرباں سب پہ ہے وہ دل آرام
وہ سخاوت میں حاتم ثانی　　فیض جاری ہے صبح ہو یا شام

*

یاد اس کو رہا نہ پھر کوئی　　جس کو بھی اس کا ہوگیا دیدار
راحتِ جاں ہے اس کا ہر پیغام　　پیارا جکھرو ہے قوم کا سردار

*

ھفت اقلیم میں ہے تو مشہور　　مرحبا میری قوم کے سردار
مسجدوں کے مسافروں کو بھی　　تونے بخشے ہیں قیمتی رھوار
تیرے جود و سخا کا کیا کہنا　　کوئی دیکھا نہ تجھ ساخوش اطوار

*

جس نے دیکھا ہے وہ سخی جکھرو　　کیا رہے اس کو اور کوئی یاد
ان کا حامی ہے وہ سما سردار　　جن کی سنتا نہیں کوئی فریاد

*

کوئی ویسا نہیں ہوا اب تک　　سارے نبیوں کا پیشوا ہے وہ
لقب اس کا ہے ھادیٔ برحق　　سربسر رحمتِ خدا ہے وہ

*

سندھ اور ھند میں نہیں کوئی　　کر سکے جو برابری اس کی
اس کے جود و سخا کا کیا کہنا　　سخت مشکل ہے ھمسری اس کی
تو اسی در سے مانگ اے سائل　　کرکے تسلیم برتری اس کی
جادۂ مغفرت دکھاتی ہے　　دوراندیش رھبری اس کی

*

وہ امیدوں کا بحر بے پایاں　　نہیں محدود چند دھاروں تک
جیسے گنگا ندی کی موجیں ہیں　　دور افتادہ کوھساروں تک

*

چھوڑ بھی دے یہ حیلہ و حجت　　پیارے جکھرے کا رازداں ہوجا
گنگا جل کی جہاں روانی ہے　　تو اسی کوٹ میں نہاں ہوجا
یادِ اللہ میں فنا ھوکر　　بے نیازِ غمِ جہاں ھوجا

*

اس کے جود و سخا کا کیا کہنا وہ دلِ خوش خصال رکھتا ہے
اور غضبناک ہو کے بھی اکثر دشمنوں کا خیال رکھتا ہے

وائی

ہمیں ہے اسی کی رضا کا سہارا وہی راہبر اور حامی ہمارا
میں جاؤں میں جاؤں، میں جاؤں میں جاؤں ادھر کاش ناقے کو لائے وہ پیارا
وہ ہادی کہ ہے نام جس کا محمد اسی کی شفاعت اسی کا سہارا
نجات اس کو ہوگی غمِ دو جہاں سے وہ کر دے گا جس کے لیے بھی اشارا
"لطیف" اس کا لطف و کرم جاوداں ہے
دو عالم کو جس نے بنایا سنوارا

تیسری داستان

میرا پرسانِ حال تھا نہ کوئی تو نے ہی مجھ پہ التفات کیا
تیرے جود و سخا نے اے کامل کتنے ہی حاتموں کو مات کیا

*

پیارے جکھرو کے پاس ہی جانا بن کے آیا ہے تو اگر سائل
عشق کی آبرو نہ کھو دینا ہو کے اب غیر کی طرف مائل
اس سخی کے سوا ہر اک در پر تیرا عجز و نیاز لا حاصل

*

چھیڑ جا کر اسی کے در پر ساز جس نے رہوار بھی کیے ہیں عطا
کتنے ننگے سروں کو ڈھانپا ہے سایۂ حق ہے اس سخی کی ردا

*

کیسے کیسے غریب اور نادار اس کے ہی در سے فیضیاب ہوئے
سائلان شکستہ خاطر پر اس کے الطاف بے حساب ہوئے
تھیلیاں موتیوں کی آ پہنچیں جب بھی کچھ لوگ باریاب ہوئے

دور جکھرو کا جب سے آیا ہے　　رنج و حرماں خیال و خواب ہوئے

*

کیوں ہے اس کی عطا سے تو محروم　　نہیں جس کی نوازشوں کا حساب
جن کو عریاں تنی کا شکوہ تھا　　ان کے تن پر ہیں اطلس و کمخواب
تشنہ لب سائلوں کو جکھرو نے　　جامِ شفقت سے کر دیا سیراب

*

وہ سلامت رہیں سدا یا رب　　جن کے سایے میں دن گزارے ہیں
تا ابد خشک ہو نہ وہ چشم　　جس میں لطف و کرم کے دھارے ہیں
ربط ہے جن سے دیدہ و دل کو　　وہ دلآرام کتنے پیارے ہیں

*

ایک ٹھنڈا کنواں ملا مجھ کو　　مٹ گئی ساری تشنگی میری
اس بیاباں میں بھی مرے پیارے　　تونے ہی کی ہے رہبری میری

*

بیکسوں اور عاجزوں کا یار　　کتنے فاقہ کشوں کا پالن ہار
ہر کسی کا خیال رکھتا ہے　　وہ جواں حوصلہ سما سردار

*

یوں تو اکثر سنا ہی کرتی تھی　　سب کا ہے کارساز وہ سردار
ماں! مجھے دیکھ کر یقیں آیا　　واقعی وہ سما ہے پُر ایثار

*

پیارے جکھرو کو دیکھ کر سائل　　کیوں نہ ہوجائے سرخوشِ پندار
ایک ہی گھونٹ میں کیا اس نے　　پینے والوں کو اس قدر سرشار
جیسے اک بیقرار عاشق کو　　عین خلوت میں ہو وصالِ یار

*

وہ اٹھا ہے تو آج پھر ہوگی　　سونے چاندی کی ہر طرف برسات
پیارا جکھرو ہے صاحبِ ایثار　　اس کے جود و سخا کی ہے کیا بات

*

جو ہیں بے یار و بے سروساماں　　ان پہ ہوں گے سما کے احسانات

اس سے دامن کشاں رہیں گے جو — وہ نہ پوچھے گا جاکے ان کی بات

*

عمر اس کی دراز ہو یا رب — مجھ کو جس جام کا سہارا ہے
ہر نظر اس کی بے کسوں کی طرف — اک محبت بھرا اشارا ہے

*

آرزو تھی بہ موج گنگا کو — سامنے آئے وہ سما سردار
اب کھڑی ہے نیاز مندانہ — دیکھ کر اس سخی کو گوہر بار

*

مے کی قیمت ہزار بڑھ جائے — پر چھلکتے رہیں گے اس کے جام
نہیں لوٹا ہے تشنہ لب کوئی — جکھرو کے میکدے میں اذن ہے عام

*

جوش میں ہے وہ چشمۂ رحمت — موجزن کتنے آب گیر ہوئے
ان کو سیراب کردیا فوراً — جکھرو کے در کے جو فقیر ہوئے
شاہ ہو یا گدا کوئی سید — سب ہی آسودہ ضمیر ہوئے

—*—

چوتھی داستان

دیدنی اس کی آشنائی ہے — ایک ہی در سے لو لگائی ہے
کیا کہیں کیوں ،وگند، کے سر میں — کھانے پینے کی دھن سمائی ہے!
اس گدا کے مشام جاں میں آج — اس کی بوے بہار آئی ہے
جس کے گھوڑے کی لید بھی اکثر — اس قدر پیار سے اٹھائی ہے!
کھانے پینے کے شوق میں اس نے — ہر مصیبت گلے لگائی ہے

*

دل کو عطّار سے لگایا ہے — پائے مرشد پہ سر جھکایا ہے
جسم گندا غلیظ بدبودار — حال دانستہ یہ بنایا ہے

پھر بھی دیکھو وگند کی صورت　　کیسے حلیے میں آج آیا ہے!

*

دیکھتا ہوں کہ دوزخی بن کر　　بارہا وہ وگند آیا ہے
لیکن اکثر نگاہ "سید" نے　　اس کو جنت نشاں بنایا ہے

*

کوئی دیکھے وگند کی صورت　　پھر وہ مکروہ بے نماز آیا
ایسا آیا جھپٹ کے خوشبو پر　　جیسے تیتر پہ کوئی باز آیا!

سر سارنگ

سر سارنگ

پهلی داستان

یہ دھقاں کیوں ھیں اپنے جھونپڑوں میں — کہو ان سے کہ میدانوں میں آئیں
یہ بادل برستے جا رہے ھیں — چراگاھوں میں چوپاؤں کو لائیں
"لطیف" اللہ کی رحمت ھو آن پر — مرادیں اپنے اپنے دل کی پائیں

*

یہ بادل فلک پر چھا رہے ھیں — مسلسل رحمتیں برسا رہے ھیں
خس و خاشاک کے پژمردہ چہرے — تر و تازہ سے ھوتے جا رہے ھیں
"لطیف" اس ذات باری کے کرم سے — یہ دھقاں زندگی سی پا رہے ھیں

*

نہیں ان بادلوں سے پیار مجھ کو — نہ ھو جب تک ترا دیدار مجھ کو
دل وارفتہ کو جن کی لگن ھے — نظر آئے نہ وہ آثار مجھ کو
کہیں بہتر برستے بادلوں سے — تمنائے وصال یار مجھ کو

*

جب آیا دیس میں ساجن تو فوراً — قرار آیا مرے قلب و جگر کو
نہ پھر باقی رہا دکھ درد کوئی — سکوں دیدار نے بخشا نظر کو

*

شمالی بادلوں کی آبیاری — مٹا دیتی ھے سب کی بیقراری
وہ بیچارے ھوئے سیراب آخر — مسلسل تشنگی تھی جن پہ طاری

*

آ رہے ھیں شمال سے بادل — ملک بارش سے ھوگئے آباد
میرے اللہ، میرے ساجن کو — آ نہ جائے کوئی سفر پھر یاد

*

کوکتی ہے شمال میں کوئل ہل کسانوں نے کر لیے تیار
گلہ بانوں پہ کیف طاری ہے دیکھ کر یہ فضائے خوش آثار
ابرِ باراں کے پیرھن میں آج کتنا پر کیف ہے جمال یار

*

بدلیاں پھر شمال سے برسیں ہر طرف سرمئی گھٹا چھائی
ھوگئے شادکام چوپائے ڈالی ڈالی نے تازگی پائی

*

اٹھ رہے ھیں شمال سے بادل اور موسم ہے برق و باراں کا
روٹھنا چھوڑ، لوٹ آ پیارے وقت آیا وفائے پیماں کا

*

کالے بادل شمال سے آمڈے برق و باراں کی بات بن آئی
آئے پردیس سے مرے ساجن ہر طرف ہے عجیب رعنائی

*

چھا رہے ھیں شمال کے بادل روح پرور ہے موسمی برسات
پھر خوشی کی ترنگ میں بدلے غمزدہ سانگیوں کے احساسات

*

آج دل پر ہے یورشِ جذبات آگئی یاد تیری ہر اک بات
یہ گھٹائیں یہ جھومتا ساون جاگ اٹھے خوشگوار احساسات
تو اگر پاس ہو تو اے محبوب میرے گھر صبح و شام ہے برسات

*

اٹھ رہے ھیں شمال سے بادل اب مدینہ کی سمت جائیں گے
لے کے فیضانِ روضۂ اطہر تپتے صحرا کو لوٹ آئیں گے
بات بن آئے گی سنگھاروں کی وہ پیامِ بہار لائیں گے
پھیل جائے گی مشک کی خوشبو جب فضا پر وہ آکے چھائیں گے
دشت و در میں چہل پہل ہوگی وہ نئی بستیاں بسائیں گے

*

پھر سے لبریز ہوگیا 'تارا'　　بارشیں کتنی رحمتیں لائیں
بجلیاں بدلیوں کو برساتی　　چوم کر روضۂ رسول آئیں
منظرِ ابر و باد کیا کہیے　　پڑ رہی ہے پیا کی پرچھائیں

*

ہوگیا صاف دل کا آئینہ　　آرزوے وصال بر آئی
ہونگی رازو نیاز کی باتیں　　صورتِ جانِ جاں نظر آئی

*

خلق کی تشنگی بجھانے کو　　بدلیاں پھر سے لوٹ آئی ہیں
بجلیاں سرمئی گھٹاؤں میں　　جوے آبِ حیات لائی ہیں

*

گائیں بھینسیں ہوئیں تر و تازہ　　اور بچھڑے بھی اب توانا ہیں
یہ برستی ہوئی گھٹائیں بھی　　جوش رحمت کا اک بہانا ہیں

*

کچھ خبر بھی ہے تجھ کو اے بادل　　آ بتاؤں میں راز کی اک بات
دیکھ لیتا جو میری آنکھوں کو　　پھر نہ تھمتی کبھی تری برسات

*

سرمئیں بادل سے کچھ امنڈتے ہیں　　اور آنکھوں میں ہے گھٹا چھائی
حسن جاناں سے ملتی جلتی ہے　　ابر و باراں کی شانِ رعنائی
ان نگاہوں کی منتظر ہوں میں　　جن کا اعجاز ہے مسیحائی

*

بادلوں کی اڑان ہو کہ نہ ہو　　چشمِ غم کی گھٹا نہیں جاتی
اے غریب الدیار دوست تری　　یادِ مہر و وفا نہیں جاتی
کیوں نہ روئیں سپردگانِ وفا　　کششِ دیرپا نہیں جاتی

*

میرے پیارے یہ تیرے احسانات　　مٹ گئے رنج و غم کے احساسات
اس برس ہوگئی ہے پھر ہر سمت　　موسلا دھار موسمی برسات
اب غمِ قحط و آب و دانہ نہیں　　ہر طرف ہے اناج کی بہتات

*

بھینسیں اور گھوڑے میرے در پر ہوں
میرے پہلو میں ہو مرا پیارا
عیش پروردہ ہوں مرے دن رات
عیش و آرام سب میسر ہوں
اور مہکتے ہوئے سے بستر ہوں
اور ہوتی رہے سدا برسات

*

ہوگئی باغ و راغ میں برسات
تر و تازہ ہیں آج کل بھینسیں
کوئی دیکھے 'سنگھاریوں' کا حال
ہوگئے صحن و بام و در آباد
جاگ اٹھے ہیں خوشی کے احساسات
اور گھر گھر ہے دودھ کی بہتات
سب نے مکھن میں بھرلیے ہیں ہات
ذات باری کے ہیں یہ احسانات

*

دیکھ پیاسوں کا حال اے بادل
دور ہو یہ اناج کی قلت
پھر 'سنگھاروں' کو تو عطا کردے
آج برسادے جابجا پانی
اور ہر چیز کی ہو ارزانی
فارغ البالی و فراوانی

*

دیکھتی ہے صدف بوقتِ سحر
ایک سا انتظار ہے اس کا
ایک مدت سے ہے امیدِ کرم
کونلیں ہوگئیں ترنم ریز
کاش یہ پھر برس پڑے اک بار
آسمانوں پہ ابرِ باراں کو
آہوے دشت اور انساں کو
تشنہ مرغابیانِ پرّاں کو
دیکھ کر [illegible] کو
سیر کردے زمینِ ویراں کو

*

میرے پیارے نہ بیچ بھینس کوئی
اور یہ بھیڑیں لحیم ہوں کہ نحیف
چھوڑ دے یہ فراز کے میدان
اب ترے صحن میں پیامِ بہار
خوبصورت یہ پورا گلہ ہے
تجھ کو سب کا خیال رکھنا ہے
تیرے حق میں نشیب اچھا ہے
آخر اے دوست آنے والا ہے

*

جوت کر ہل یہ غمزدہ ہاری
اور تو آسماں پہ اے بادل
تیری برسات کے لیے ترسے
یوں ہی منڈلا رہا ہے بن برسے!

*

بجلیاں بادلوں کو لے آئیں	ہر طرف خوب ہوگئی برسات
سارے میدان ہوگئے شاداب	فیض رحمت کے ہیں یہ احسانات

وائی

سجدے میں سر کو جھکائے ہوں
اللہ سے آس لگائے ہوں
جب صور کی آواز آئے گی
سورج کی تپش جھلسائے گی
وہ روح کہاں گھبرائے گی
جو پیارے نبی کو پائے گی
محبوب خدا کے وعدے کو
اپنا ہمراز بنائے ہوں
اللہ سے آس لگائے ہوں

دوسری داستان

لاکھ کی طرح کالی کالی سی	سرمئی بادلوں کی رنگت ہے
جیسے کوئی رنگا دوپٹا ہو	ایسی ان بدلیوں کی صورت ہے
'بھٹ' ہی پر کیا 'کراڑ' پر بھی آج	گہر افشاں سحاب رحمت ہے

*

آج سوئے شمال برق تپاں	مثل شاخ سمن لہکتی ہے
سبزۂ ریگزار ہے لرزاں	یا کوئی گلبدن مہکتی ہے
بھٹ پر آئے رواں دواں بادل	زندگی چار سو چہکتی ہے

*

ہرطرف ہو رہی ہے پھر برسات	پھر 'مکھی' اور 'کراڑ' ہیں لبریز

موسم نو بہار آیا ہے
'پب' کے گرد و نواح ہیں گل بیز
کیا سہانا سماں دکھاتا ہے
ریگزاروں پہ سبزۂ نوخیز
ترھیں 'ھڑکی'، 'گڑنگ' و 'ماکانی'
دور و نزدیک بھر گیا پانی

*

رات بھر خم کے خم لنڈھائے ہیں
ابرِ باراں نے بے دریغ و درنگ
نغمۂ سرمدی برستا ہے
چھڑ گئے ہر طرف رباب و چنگ
ہو رہی ہے 'پڈام' پر برسات
ہائے یہ ابر ہائے رنگارنگ

*

مینہ اور نینہ کیوں معمٰی ہیں
یہ فقط اتفاق ہی تو نہیں!
دیکھ کر جلوۂ گریزاں کو
وقف نالہ ہے آج ابر حزیں
شاید اے دوست دیکھ کر تجھ کو
میں بھی ہو جاؤں مثلِ ابر غمیں

*

پھر برس جائے تو کہیں بادل
یاد آجائے وہ مرا پیارا
تربتر ہوں یہ کھیت یہ میداں
پھر ہو آن مہوشوں کا نظارا

*

دیکھ کر ابر و برق و باراں کو
کتنی مایوس ہو گئی ہیں آج
ہائے یہ بدنصیب بیوائیں
داغِ دل دے گئے جنھیں سرتاج
وہ جہاں سر چھپائے بیٹھی ہیں
ہو نہ جائیں وہ جھونپڑے تاراج
کون ان کا ترے سوا یا رب!
رکھیو ان کے دکھی دلوں کی لاج

وائی

چرنوں پہ سیس جھکاؤں گی
ساجن کے دوارے جاؤں گی
مرے من کی آگ سلگنے دو
تن جلتا ہے تو جلنے دو
یہ اگنی میں نہ بجھاؤں گی
ساجن کے دوارے جاؤں گی

پاٹل ہے پریت کی پانوون میں
پریتم ھیں مری آشاؤں میں
میں ناچوں گی اور گاؤں گی
ساجن کے دوارے جاؤں گی

—✲✲✲—

تیسری داستان

کیسی ساز و سرود کی رُت ہے　　وہ آڑا ابر وہ گھٹا چھائی
موسلا دھار بارشیں لائیں　　مستی کیف و رنگ و رعنائی
کتنے خوش ہو رہے ھیں چوپائے　　دیکھ کر سبزہ زارِ صحرائی
کون دیکھے سنگھاریوں کے ٹھاٹھ　　وہ گلوبند اور وہ زیبائی
ھل اُٹھائے ھیں پھر کسانوں نے　　جسم میں ہے نئی توانائی
عام ہے اب اناج اور مکھن　　وہ مصائب ھیں اور نہ مہنگائی
لے کے آئی ہے جلوۂ صد رنگ　　میرے پیارے کی شانِ یکتائی

✲

'رانک' اور 'پل' پہ ھوگئی بارش　　'لونڑی' کا نشیب بھی سیراب
دور و نزدیک بھر گیا پانی　　سارے دشت و جبل ھوئے شاداب

✲

میرے پیارے ابھی سکوں کیسا　　آ رہا ہے شمال سے طوفان
برق و باراں کی یورشیں ھوں گی　　چھوڑ دے یہ نشیب کے میدان
چل وھاں چل کے جھونپڑی ڈالیں　　برق و باراں سے ھو امان جہاں

✲

آہیں بھرتی ہے روح وارفتہ　　میرے پیارے تجھے خدا لائے

✲

رنگ لائی ہے آخری بارش　　صلۂ رنج و غم وصول ھوا

جوش رحمت کو آگیا کیسا
کس کا عجز دعا قبول ہوا

*

آئے برسات کی طرح پیارے
ان کی آغوش ہوگئی آباد
جن کو آتی رہی ہے ساری عمر
اپنے بچھڑے ہوئے سجن کی یاد

*

دل مرا شام ہی سے گھبرائے
میں ہوں بے چین کون بہلائے
جھونپڑی اور سردیوں کی رت
رات بھر تیری یاد تڑپائے
یہ ہوا یہ خنک خنک بستر
کیسے تیرے بغیر نیند آئے
نیند آجائے تیرے پہلو میں
جنّات جاودانہ مل جائے

*

ابر رحمت برس گیا شب کو
تر بتر ہوگئے ہیں میرے بال
صبحدم آگئے مرے ساجن
ہوگئی میری جھونپڑی خوشحال

وائی

ساری دنیا ہے شیدائی
صلی اللہ تیری زیبائی
سجدے میں ہیں دونوں عالم
شوکت کسریٰ درھم و برھم
تیرا پرتو عرش اعظم
تو ہے نور ازل کا محرم
واہ تیری جلوہ آرائی
ساری دنیا ہے شیدائی
صلی اللہ تیری زیبائی
پانو کی تیرے دھول بھی پیاری
قسمیں کھائے ذات باری
ہر سو تیرا فیض ہے جاری
جاگ اٹھی تقدیر ہماری

بارش رحمت نے برسائی
ساری دنیا ہے شیدائی
صلی اللہ تری زیبائی

چوتھی داستان

پردۂ ابر سے کبھی خورشید   پیاری پیاری جھلک دکھاتا ہے
برق نے دی نویدِ کیف و نشاط   دیکھ ہر ایک مسکراتا ہے
اے دلِ زار آج پھر کوئی   کر کے قصدِ بہار آتا ہے

*

'پارکر' اور 'بران' میں ہوکر   اب 'عمرکوٹ' بھی وہ چھائیں
تر ہیں سامارہ اور کمارہ   بدلیاں ڈھٹ سے پھر نکل آئیں
سبز و شاداب ہوگئے میدان   رنگ کیا کیا نہ بارشیں لائیں
جا بجا سرمئی گھٹاؤں میں   بجلیاں بار بار لہرائیں

*

'ڈھٹ' سے امڈی ہیں بدلیاں کیا کیا   کتنے پُر کیف ہیں یہ نظارے
چوکڑی بھر رہے ہیں چوپائے   تر بتر کھیت ہوگئے سارے
اس کڑک اس گرج سے ڈرنا کیا   بج رہے ہیں خوشی کے نقارے
اپنی ویران جھونپڑی کو سجا   دیکھ آنے کو ہیں ترے پیارے
اس کی نظروں کے سامنے ہیں ہیچ   چاند خورشید اور ستارے

*

ابر باراں کا فیض جاری ہے   ہر طرف ہیں خوشی کے نظارے
یہ سنگھار اور ان کے چوپائے   تیرے رحم و کرم پہ ہیں پیارے

*

لذتِ چشم تر ملے تجھ کو
یہ برسنا بھی کیا برسنا ہے
بارش صبح و شام سے اے ابر

جاوداں تو بھی اشک برسائے
صبح تک تو برس کے تھم جائے
تا ابد تیرا جی نہ اکتائے

*

رخ کسی کا ہے سوے 'استنبول'
اک 'سمرقند' کی طرف مائل
عازمِ 'روم' ہے کوئی بدلی
کوئی بدلی ہوئی 'دکن' کو رواں
الغرض بدلیوں نے کردی ہے
'سندھ' پر بھی ترا کرم ہوجائے

کوئی جاتی ہے 'کابل' و 'قندھار'
اک گریزاں ہے جانبِ 'گرنار'
اور کسی کو عزیز ہے 'ولھار'
کوئی 'دلی' کی سمت ہے تیار
برق و باراں کی ہر طرف یلغار
اے دھنی تو ہے سب کا پالن ہار

*

پھر گھٹائیں امنڈ کے چھائی ہیں
زندگی کے خمار خانے میں
بارش آلود ریگزاروں نے
وہ بہاریں جو مضمحل سی تھیں
ہوگئے ہیں کسان پھر بشاش
اب کہاں قحط، چور بازاری
بادل آئے گراں فروشوں نے
زن و شوہر نے صلح جو ہو کر

برق و باراں کو ساتھ لائی ہیں
کیف و مستی لٹانے آئی ہیں
کیسی رعنائیاں دکھائی ہیں
پھر پیامِ نشاط لائی ہیں
کھیتیاں پھر سے لہلہائی ہیں
ابر نے نعمتیں لٹائی ہیں
شرم سے گردنیں جھکائی ہیں
باھمی تلخیاں بھلائی ہیں

*

روز و شب کھوئے کھوئے رھتے ہیں
یہ لگاتار روح میں رم جھم

ان کی یادوں کے برق و باراں میں
اور جھڑی سی یہ چشم گریاں میں

*

یورشِ بے پناہ سے وہ ابر
آج اس دور دیس والے سے

دیکھ سوے شمال چھایا ہے
مجھ کو برسات نے ملایا ہے

وائی

رُت برکھا کی آئی ہے
دیکھو میں نے اپنی چندریا
کسم میں آج رنگائی ہے
رُت برکھا کی آئی ہے

ساونی سیج دھج میں ساجن نے
سندر چھب دکھلائی ہے
رُت برکھا کی آئی ہے

'لار' بندھے بھیگے بچھڑوں نے
من کی مستی پائی ہے
رُت برکھا کی آئی ہے

آجا میں بے چین ہوں کب سے
ساجن تیری دہائی ہے
رُت برکھا کی آئی ہے

—※※※—

سری راگ

سر سریراگ

پہلی داستان

یادِ محبوب سے گریز نہ کر
ہو کے خوش تیری وضع داری سے
کیا عجب وہ بھی تجھ کو یاد کرے
اپنے لطف و کرم سے شاد کرے

*

کیا عجب وہ بھی تجھ کو یاد کرے
سامنے اس کے جا کے پھیلا دے
یادِ محبوب سے نہ ہو غافل
اپنے دامن کو صورتِ سائل

*

کیا عجب وہ بھی تجھ کو یاد کرے
بادباں جس کا دامنِ دل ہو
یادِ محبوب سے نہ ہو غافل
اس کی کشتی کو مل گیا ساحل

*

وہ طلبگارِ گوہرِ نایاب
اس کو صدق و صفا پسند ہے جب
اور ترے دل میں کانچ کا انبار
کس لئے پھر یہ جھوٹ کا بیوپار

*

تیرے دل پر ہے گردِ مکر و فریب
بادباں جس کے دل کا پاک رہا
اور مکدر ہے آئینہ دل کا
اس کو کیا انتظار ساحل کا

*

کیا عجب تجھ پہ مہرباں ہو کر
تیری آنکھوں سے ہے نہاں اب تک
بحرِ عرفاں میں ڈال دے کشتی
زندگی کا بھی قرینہ رہے
یاد کرائے تجھے ترا پیارا
ساحلِ زندگی کا نظارا
موج و طوفاں سے رہ ستیز آرا
جگمگاتا ترا سفینہ رہے

*

چھوڑ کر میں نے گوھر نایاب
سنگ ریزوں کا کرلیا سودا
پڑگئے میری عقل پر پتھر
سنگ ریزوں سے جی کو بہلایا
جب تک اس کا کرم نہ ھو "سید"
کیسے حاصل ھو مدعا دل کا

*

سنگ ریزوں سے بھرلیا دامن
گوھر بے بہا کو چھوڑدیا
موج طوفانِ معصیت نے آہ!
میری کشتی کے رخ کو موڑ دیا
ھائے وہ عہد جس کو اے مالک
اپنی غفلت سے میں نے توڑ دیا

*

قدر کر گوھرِ صداقت کی
پڑھ مناجات حسنِ وحدت کی
خس وخاشاک ھیں یہ مکر و فریب
آگ دل میں جلا محبت کی

*

جس میں شامل تری عنایت ھو
بس وھی سودمند ھے سودا
میرے ھادی! ترے بغیر کسے
ساحلِ زیست کا سراغ ملا
تند موجوں میں گھر گئی افسوس
میری کشتی کو آکے پار لگا

*

بحر ھیبت فزا کی طغیانی
شورانگیز و فتنہ‌ساماں ھے
آن جزیروں سے بھی بچا ھم کو
جن کے گرد اک مہیب طوفاں ھے
زد میں اب کشتیوں کے تختے ھیں
اے خدا! توھی بس نگہباں ھے

*

بادباں صاف، قیمتی چپّو
رسیاں بھی نئی میسر ھیں
پھر بھی یہ نیک بخت سوداگر
اے خدا! تیرے آسرے پر ھیں

*

بادباں صاف، رسّیاں مضبوط
اور ملاّح کشتیوں کے امیر
میرے ساتھی سفر پہ چل نکلے
بخش دے ان کی اے خدا تقصیر
یہ خلوص و وفا کے پیکر ھیں
ان کی عزت میں ھے تری توقیر

وائی

کس منہ سے میں کروں بیان　　ساجن کے لاکھوں احسان
اس کے گن کیا گاؤں میں　　جگ سے نیاری اس کی شان
ساجن کے لاکھوں احسان
جانے کیا کیا روپ دکھائے　　من میں رہ کر وہ مہمان
ساجن کے لاکھوں احسان
اس پیارے کی بات بڑی　　اس کو جو بھولے وہ انجان
ساجن کے لاکھوں احسان
جس کو سہائے پریت کی ریت　　یاد رہے اس کو گنوان
ساجن کے لاکھوں احسان
اپنے ھی من کی ٹیس بڑھاؤ　　اس سے لگاؤ اپنا دھیان
ساجن کے لاکھوں احسان
وہ جس کو بھی پریم جتائے　　اس کا ھوجائے کلیان
ساجن کے لاکھوں احسان
اس کی داسی وہ بن جائے　　سکھی جو اپنائے نروان
ساجن کے لاکھوں احسان
جو بھی توڑے من کا جال　　اسے ملے گا سچا گیان
ساجن کے لاکھوں احسان
جو مانے پریتم کی بات　　کون کرے اس کا اپمان
ساجن کے لاکھوں احسان
جو آنکھوں میں کاٹے رات　　سب سے الگ ھے اس کی آن
ساجن کے لاکھوں احسان
اس کو من کا میت بنالے　　تجھ کو بتائے یہ قرآن
ساجن کے لاکھوں احسان

چھوڑ کر میں نے گوہرِ نایاب
سنگ ریزوں کا کرلیا سودا
پڑگئے میری عقل پر پتھر
سنگ ریزوں سے جی کو بہلایا
جب تک اس کا کرم نہ ہو "سید"
کیسے حاصل ہو مدعا دل کا

*

سنگ ریزوں سے بھرلیا دامن
گوہرِ بے بہا کو چھوڑدیا
موجِ طوفانِ معصیت نے آہ!
میری کشتی کے رخ کو موڑ دیا
ہائے وہ عہد جس کو اے مالک
اپنی غفلت سے میں نے توڑ دیا

*

قدر کر گوہرِ صداقت کی
پڑھ مناجات حسنِ وحدت کی
خس وخاشاک ہیں یہ مکر و فریب
آگ دل میں جلا محبت کی

*

جس میں شامل تری عنایت ہو
بس وہی سودمند ہے سودا
میرے ہادی! ترے بغیر کسے
ساحلِ زیست کا سراغ ملا
تند موجوں میں گھر گئی افسوس
میری کشتی کو آکے پار لگا

*

بحر ہیبت فزا کی طغیانی
شورانگیز و فتنہ ساماں ہے
اُن جزیروں سے بھی بچا ہم کو
جن کے گرد اک مہیب طوفاں ہے
زد میں اب کشتیوں کے تختے ہیں
اے خدا! توھی بس نگہباں ہے

*

بادباں صاف، قیمتی چپّو
رسّیاں بھی نئی میسر ہیں
پھر بھی یہ نیک بخت سوداگر
اے خدا! تیرے آسرے پر ہیں

*

بادباں صاف، رسّیاں مضبوط
اور ملاّح کشتیوں کے امیر
میرے ساتھی سفر پہ چل نکلے
بخش دے ان کی اے خدا تقصیر
یہ خلوص و وفا کے پیکر ہیں
ان کی عزت میں ہے تری توقیر

وائی

کس منہ سے میں کروں بیان　　ساجن کے لاکھوں احسان

اس کے گن کیا گاؤں میں　　جگ سے نیاری اس کی شان
ساجن کے لاکھوں احسان

جانے کیا کیا روپ دکھائے　　من میں رہ کر وہ مہمان
ساجن کے لاکھوں احسان

اس پیارے کی بات بڑی　　اس کو جو بھولے وہ انجان
ساجن کے لاکھوں احسان

جس کو سہائے پربت کی ریت　　یاد رہے اس کو گنوان
ساجن کے لاکھوں احسان

اپنے ھی من کی ٹیس بڑھاؤ　　اس سے لگاؤ اپنہ دھیان
ساجن کے لاکھوں احسان

وہ جس کو بھی پریم جتائے　　اس کا ھوجائے کلیان
ساجن کے لاکھوں احسان

اس کی داسی وہ بن جائے　　سکھی جو اپنائے نروان
ساجن کے لاکھوں احسان

جو بھی توڑے من کا جال　　اسے ملے گا سچا گیان
ساجن کے لاکھوں احسان

جو مانے پریتم کی بات　　کون کرے اس کا اپمان
ساجن کے لاکھوں احسان

جو آنکھوں میں کاٹے رات　　سب سے الگ ھے اس کی آن
ساجن کے لاکھوں احسان

اس کو من کا میت بنالے　　تجھ کو بتائے یہ قران
ساجن کے لاکھوں احسان

جو بھی تجھے دے پالن ہار اس کا مت کرنا اپمان
ساجن کے لاکھوں احسان
پگ پگ اپنے نین بچھائے یہی ہے پریمی کی پہچان
ساجن کے لاکھوں احسان
جگ جھوٹا ہے آؤ چھڑالو جھوٹے جگ سے اپنی جان
ساجن کے لاکھوں احسان
جی کو کتنا سکھ پہنچائے "سید" پریتم کا بردان
ساجن کے لاکھوں احسان

وائی

ساجن من میں ہیں مہمان رہی میں ان سے کیوں انجان
ان نینوں سے نین ملاؤں
جو ہیں من مندر کی آن رہی میں ان سے کیوں انجان
سدا مجھے جیون کا بھید
ہوئی جب ان کی کچھ پہچان رہی میں ان سے کیوں انجان
ان چرنوں پر سیس نواؤں
جن کی سیوا ہے نروان رہی میں ان سے کیوں انجان
وہی ہے ان کا سچا میت
ملے جو ان سے بن ابھمان رہی میں ان سے کیوں انجان

دوسری داستان

یہ رنگا رنگ موجوداتِ عالم بقیدِ زیست ہیں جن کے سہارے
"لطیف" اس کا اگر لطف و کرم ہو تو پھر جائیں نہ کیوں یہ دن ہمارے

*

کٹی آنکھوں میں جن کی رات ساری رہا سبحان ھی جن کی زباں پر
یہ ان کی خاک در کا مرتبہ ھے جھکے ھیں سیکڑوں سر آستاں پر

*

"لطیف" اس بحر بے پایاں کے قرباں خزانہ جس کا ھیں انمول موتی
چمکتے موتیوں کی جستجو ھے تو اس میں ڈوب کر تو رول موتی

*

نہیں ارض وسما بھی اُن کی قیمت نہاں اس بحر میں ھیں جتنے گوھر
جو روشن بخت ھیں وہ اس کی تہ سے اڑا لائے نہ جانے کتنے گوھر
سوا اس بحرِ عرفاں کے کہیں اور نہ تجھ کو مل سکیں گے اتنے گوھر

*

اُسے طوفان عصیاں کا نہیں ڈر میسر جس کو ایماں کا کنارا
بھنور سے وہ نکل آئے گا بچ کر لیا جس نے توکّل کا سہارا
ملا اکثر میان قعرِ دریا وہ کامل جس نے آخر پار اتارا

*

زھے شب زندہ داران سحر خیز نظر میں جن کی ھے معبود کامل
انھیں کیا بحرِ طوفاں خیز کا ڈر ذرا سی جست اور بس وہ ھے ساحل

*

رواں ھیں اپنی اپنی ناؤ میں سب عبودیت کا لے کر ساز و ساماں
وہ ھیں سوداگرانِ لعل و گوھر کہ یہ بیوپار ھے مقبولِ یزداں
نہیں ھے کوئی ان سا پاک دامن مقدّر سرخرو، فطرت درخشاں
عجب کیا ایسے بندوں کی بدولت میسر ھو مجھے ساحل کا داماں

*

مبارک عزت و شانِ صداقت سلامت ساز و سامانِ صداقت
انھیں کیا خوف طوفانِ بلا کا جو روحِ صدق ھیں، جانِ صداقت

*

جو یہ جو موجہائے قلزم ھیں بے خطر ھو کے کود جاتے ھیں

چیر کر سینۂ صدف غواص
گوھرِ شاھوار لاتے ھیں
عزم و ھمت کی آب و تاب سے وہ
زندگانی کو جگمگاتے ھیں

*

پھر کر سامنے آئی تھیں موجیں
بڑی مشکل سے ھم طوفاں سے نکلے
کیا تقسیم ان دو دوستوں میں
جو گوھر بحرِ بے پایاں سے نکلے

*

جو پہنچے بحرِ بے پایاں کی تہ تک
وہ نکلے گوھرِ شہوار لے کر
ھوئیں نظارۂ حاصل سے آنکھیں
درخشان و فروزان مثلِ گوھر

*

اِدھر دلدل اُدھر موجوں کی یورش
میں اپنی ناؤ کو کیسے بچاؤں
اگر تیرا کرم شامل ھو یا رب!
بخیر و عافیت اُس پار جاؤں

*

یہ بحرِ موج خیز زندگانی!
ھمیشہ ورطۂ غفلت سے ڈرنا
ھزاروں کشتیاں ٹوٹی پڑی ھیں
بڑا صبر آزما ھے پار اترنا

*

یہی اک فکر دل کو رات دن ھے
بہت مجبور ھیں طوفاں کے مارے
تلاطم خیز ھے یہ بحرِ ھستی
لگے گی کس طرح کشتی کنارے

*

بشر کچھ اور دل میں سوچتا ھے
مگر کچھ اور فطرت کا اشارا
پھنسی گرداب میں جب کوئی کشتی
اشارے ھی سے اس نے پار اتارا
سفینوں کو تلاطم خیزیوں میں
ھمیشہ اس کی رحمت کا سہارا
عجب ھے اس کی شانِ کارسازی
بھنور خود بن گیا اکثر کنارا
شناسا گوھرِ عرفاں کے ھیں یہ
بچا تو ان کی کشتی کو خدارا
رواں سوئے درِ شاہِ عرب ھے
جو معبودِ حقیقی کا ھے پیارا

وائی

میں پاپ میں ڈوبی پاپن   اب ڈھونڈوں کہاں کنارا
ساجن ہے مرا سہارا
روٹھے نا مجھ سے پریتم   روٹھا ہی رہے جگ سارا
ساجن ہے مرا سہارا
میں پیا کی ایک ابھاگن   مرا حال ہے جگ سے نیارا
ساجن ہے مرا سہارا
منجدھار میں میری نیّا   اب کون ہے کھیون ھارا
ساجن ہے مرا سہارا
بپھرا ھوا جیون ساگر   میں تنہا دور کنارا
ساجن ہے مرا سہارا
دکھیاروں کی بپتا میں   کام آئے پریتم پیارا
ساجن ہے مرا سہارا
یہ داسی درشن پیاسی   لیتی ہے نام تمھارا
ساجن ہے مرا سہارا
اے نردھن کے رکھوالے   مرا من ہے دکھ کا مارا
ساجن ہے مرا سہارا
یہ آس بھکارن کی ہے   آجائے وہ آنکھ کا تارا
ساجن ہے مرا سہارا
جب انت کال ہو جگ کا   موہے سُہائے پریتم دوارا
ساجن ہے مرا سہارا
آشا ہے "لطیف" کی ہردم   رہے پیا کو دھیان ھمارا
ساجن ہے مرا سہارا

تیسری داستان

سینۂ موج پر رواں کشتی
اور موافق ہے آج بادِ شمال
لاد کر کشتیوں میں چل نکلے
سارے سوداگر اپنا اپنا مال
اے خدا تو ہی اب نگہباں ہے
تو ہی اب آکے چپوؤں کو سنبھال

*

کار آمد ہے بس وہی سودا
اس کی نظروں میں جو قبول ہوا
بس وہی شے خریدنا اچھا
جس کو لے کر نہ تو ملول ہوا

*

ناخداؤں نے ہم کو دکھلائے
جانے کتنے ہی ساحلوں کے خواب
اور وہاں کی خبر نہ دی کوئی
ہے جہاں صبر آزما گرداب

*

تیری رحمت ہے یا مری کشتی
اک ذریعہ مری رسائی کا
مل گیا تیرا آسرا جن کو
غم نہیں اُن کو ناخدائی کا

*

گناہوں سے نہ کر اس کو گراں بار
یہ کشتی ہوچکی ہے اب پرانی
نہ جانے ہوگئے ہیں کتنے سوراخ
کہ تہ میں سے چلا آتا ہے پانی
توکّل کے سہارے جینے والے
ہر اک شے ہے یہاں کی آنی جانی

*

تری کشتی میں ہیں سوراخ کتنے
چلا آتا ہے جن سے تہ میں پانی
بہت کمزور ہے مستول اس کا
ہیں اس کی رسیاں کتنی پرانی
خدا کی ناخدائی کی بدولت
اتر جائے گی دریا کی روانی

*

سمندر میں آنے جس وقت ڈالے
سفینہ رنگ و روغن سے سجالے
کوئی سوراخ رہ جائے نہ باقی
پرانی رسیوں کو آزمالے
کنارا دور اور گہرا سمندر
تری کشتی ہے طوفاں کے حوالے

تجھے در پیش اک لمبا سفر ہے　　سفر کے قابل اس کو تو بنالے

*

سامنے ہے وہ ساحلِ ہستی　　ذکر جس کا وہاں گوش رہا
کیوں خدا کو نہ تونے یاد کیا　　وقتِ یادِ خدا خموش رہا
سب پہ طاری تھی نیند کی غفلت　　اور تجھے بھی نہ اپنا ہوش رہا
وقتِ گرداب تھا سفینہ ترا　　پھر بھی تو محوِ ناؤ نوش رہا

*

اس شکستہ جہاز کی ہو خیر　　جس کو در پیش ہے طویل سفر
ان ضعیفوں کی لاج رکھ لینا　　جو رواں ہیں ترے سہارے پر
دور ہیں میرے ہم سفر "سید"　　وہ پہنچ جائیں کاش "پُربندر"

*

مری کشتی! بڑھے جا سوئے ساحل　　ہزاروں کشتیوں کے ساتھ مل کر
ابھر کر دے رہی ہے موج اک آواز　　بپھر کر کہہ رہا ہے کچھ سمندر
اگر اس پار ہے تم کو اترنا　　تو ہو رختِ سفر بہتر سے بہتر

*

اکھڑ جانے کو ہیں سب اس کے تختے　　بھنور میں آکے کشتی پھنس گئی ہے
ابھرنا ڈوبنا اور پھر ابھرنا　　سنبھلنے کی کوئی تدبیر بھی ہے؟

*

ہمارے ناخداؤں کو ہوا کیا　　بدل کر بھیس آئے ہیں فرنگی
بتاؤ ہے کوئی ملاح ایسا　　کہ روکے یورشِ دزدانہ انکی
وہاں تیرے سہارے پر رواں ہیں　　جہاں ہر ایک کشتی آکے ڈوبی

*

تجھے کچھ فکرِ سامانِ سفر ہے　　کہ تیری ناؤ کے ہر سُو بھنور ہے
تجھے لازم ہے ترکِ خوابِ غفلت　　تمنا پار اترنے کی اگر ہے

*

خبر بھی ہے تمہیں کشتی نشینو!　　کہ ہر سو یورشِ موجِ بلا ہے
بھرا ناحق پرایا مال اس میں　　وہی آخر مصیبت بن گیا ہے

یہ کشتی کا کنارے سے بھٹکنا
تمھارے خواب غفلت کی سزا ھے

*

نھیں کچھ ھوش اے ملاح تجھ کو
یہ نیند، اُس پر کنارے کی تمنا
وھاں پہنچے گا تو پوچھیں گے تجھ سے
کٹی ھے خواب غفلت میں تری رات
نرالی ھے زمانے سے تری بات
کہ اس دنیا سے کیا لایا ھے سوغات

*

یہ طوفاں خیز موجوں کی روانی
بڑی مشکل سے ھیں ساحل سے لگتے
جو ھیں مانوس طوفان بلا سے
سناتے ھیں بڑی پُرھول باتیں
ٹھہرتے ھی نھیں پانی میں لنگر
بڑے بیڑے بھی اس طوفان سے بہ کر
وھی ھیں بحر ھستی کے شناور
وہ اپنے دوستوں سے پار اتر کر

*

بحر پُرھول منتظر ھے ترا
تیری کشتی بڑی پرانی ھے
موج کی زد میں ھے وھی کشتی
کیوں یہ بے چارگی، یہ غفلت کیا
رنگ و روغن لگا تہ و بالا
جس کے کشتی نشیں ھیں بے پروا

*

ناخدا کر رھا ھے یہ تاکید
لطف جن پر "لطیف" اُس کا ھو
کہ مکمل ھو سب کا زاد سفر
وھی پہنچے عدن کے ساحل پر

*

خبردار اے بہادر ناخداؤ!
پھنسا ھے ایسے چکّر میں کنارا
کہ پھر طوفان کی زد میں ھے بندر
کہ جیسے چھاچھ ھو مٹکے کے اندر

*

سو گئے ھیں تمام کشتی میں
کوئی طوفاں نھیں سمندر میں
تم بھی سو جاؤ اب تو ملاحو!
پاکے فوراً اشارۂ رھبر
اور خطرے سے دور ھے بندر
چھوڑ کر اپنی ناؤ 'سید' پر

وائی

سکھیوں نے کی تیاری اب دور دیس ھے جانا
تری نینوں میں ھے نندیا

بیٹھے ھیں سب نر ناری		ساگر میں ڈالے ڈیرا
تری نینوں میں ھے نندیا
اپنی اپنی نیا کی		سکھیوں کو رھی ھے چنتا
تری نینوں میں ھے نندیا
کرلے کچھ یاد سجن کی		جیون ھے رین بسیرا
تری نینوں میں ھے نندیا
سن اس کو کان لگا کر		باجے ھے کوچ کا ڈنکا
تری نینوں میں ھے نندیا
پریمی کی ریت نہیں ھے		یوں لمبی تان کے سونا
تری نینوں میں ھے نندیا
سچ کا پرکاش ھے تجھ میں		پھر جھوٹ کو کیوں اپنایا
تری نینوں میں ھے نندیا
رکھ اپنے مورکھ من میں		آس اونچے گھاٹ کی آشا
تری نینوں میں ھے نندیا
ھے کھیون ھارا پریتم		نہیں کوئی اور بھروسا
تری نینوں میں ھے نندیا
جتنے بھی ھیں جگ باسی		اک دن ھے سب کو جانا
تری نینوں میں ھے نندیا
اس انت کال میں سجنی		نہیں ھوگا کوئی کسی کا
تری نینوں میں ھے نندیا
کیوں نام گھڑے کا لے تو		جب وہ ھے ترا سہارا
تری نینوں میں ھے نندیا
اب کون کرے رکھوالی		ٹوٹا منجدھار میں 'تُرھا'
تری نینوں میں ھے نندیا
مایا ھے آنی جانی		رکھ دھیان سدا ساجن کا
تری نینوں میں ھے نندیا
اے مایا لوبھ کی اندھی		دو دن کا کھیل ھے دنیا
تری نینوں میں ھے نندیا

ساجن کے ڈر سے تونے — کب ساتھ دیا نردھن کا

تری نینوں میں ہے نندیا

جو اپنے پتی کو چھوڑے — کب دیگی ساتھ ہمارا

تری نینوں میں ہے نندیا

جگ جیون کا ہے سپنا — بہتے پانی پہ چھایا

تری نینوں میں ہے نندیا

یہ سستی چھوڑ ابھاگن — اب مان سجن کا کہنا

تری نینوں میں ہے نندیا

—✻—

چوتھی داستان

جادۂ مستقیم راہِ ازل — بےنیازِ بلندی و پستی
نیک و بد کی نہیں کوئی تخصیص — عام ہے فیضِ رہبرِ ہستی

*

تو امینِ غمِ محبت ہے — بے نیازِ غمِ جہاں ہو جا
ہے عناں گیر کوئی سرِ ازل — راکبِ عمرِ بے عناں ہو جا
شیوۂ خودسپردگی سے تو — دوش و فردا پہ کامراں ہو جا
خوئے تسلیم و جذبۂ تحقیق — ساتھ لے اور پھر عیاں ہو جا

*

عام یہ رسم ہے زمانے کی — کہ بھلوں سے بھلائی کرتے ہیں
لیکن ان کا کوئی جواب نہیں — جو بروں سے بھلائی کرتے ہیں

*

ہے بدوں کی بدی سے دلچسپی — اور نیکوں کو نیکیوں کا خیال
اپنی اپنی پسند کی ہے بات — اپنے اپنے خیال کا ہے سوال

*

حسبِ دستور راهگیروں پر نظرِ التفات کرتے ہیں
ساتھ لے کر شکستہ پاؤں کو رہِ دشوار سے گذرتے ہیں

*

نہیں ہے اس سے بڑھکر کام کوئی بڑی نعمت ہے سودائے حقیقت
تجھے جن سے ملے ہیں نایاب گوہر وہ سوداگر ہیں دانائے حقیقت

*

وہی سمجھے گا حسن کا معیار جوہرِ خاص کو جو پہچانے
کس کو کہتے ہیں گوہرِ نایاب اس حقیقت کو جوہری جانے

*

وہ ہے صراف اور تو سونا نظر اُس کی ہے امتحاں تیرا
طبعِ جوہرشناس کے نزدیک ہر زرِ کم عیار کا سودا
روحِ انساں پہ پرتوِ ظلمت جوہرِ دل پہ زنگِ کبر و ریا

*

گرچہ موتی ہیں میری جھولی میں تیرا معیار ہی نرالا ہے
کہ یہ بے قدر ہیں ترے آگے سنگ‌ریزوں کا بول بالا ہے

*

جواہر کی پرکھ تھا کام جن کا نہ جانے اب کہاں وہ جوہری ہیں
یہ اُن کے جانشینوں کا ہے عالم کہ سب منت کشِ آهن گری ہیں

*

خدایا وہ نہ چھوڑیں ساتھ میرا رہے اُن پر ہمیشہ تیری رحمت
سوائے جوہری کے کون جانے درخشاں گوہروں کی قدر و قیمت
درِ یکدانہ کی نیرنگیوں پر لگا رکھتے ہوں جو چشمِ بصیرت

*

کبھی تم اِن کی باتوں میں نہ آنا کہ یہ صراف جھوٹے جوہری ہیں
نہیں ان کو تمیزِ سنگ و جوہر گرفتارِ طلسمِ زرگری ہیں
تو ان کے پاس جا جن کی نگاہیں فریبِ دید سے یکسر بری ہیں

*

توڑ کر اپنا بے بہا موتی وقت کو اس طرح نہ کھونا تھا
ھاتھ میں لے کے پارے پارے کو اپنی غفلت پہ تجھ کو رونا تھا

*

توڑ کر اپنا بے بہا موتی تجھ کو غافل ھی رہ نہ جانا تھا
چُن کے پلکوں سے ذرّے ذرّے کو جا کے صراف کو دکھانا تھا

*

دفعتاً دستِ نازِ جاناں سے گوہرِ شاھوار چھوٹ گیا
اھلِ دل کی نگاہ میں اس کی بڑھ گئی قدر جب یہ ٹوٹ گیا

*

ایسے موتی ھیں تیرے دامن میں تاک میں جن کی اک زمانہ ھے
رھزنوں کا بھی ھے وھی مسکن موتیوں کا جہاں خزانہ ھے

*

کہہ رھا ھے یہ تیرے دل کا چور کون میری دلاوری جانے
گر کسی کی ھزار آنکھیں ھوں پھر بھی کوئی مجھے نہ پہچانے

وائی

ساجن کی یاد دلاؤں سکھیو! میں تمھیں جگاؤں
پھر پھیڑ پتنگوں کی ھو
آشا کے دیپ جلاؤں سکھیو! میں تمھیں جگاؤں
رستے میں کہیں نہ ٹھہروں
جب پیا ملن کو جاؤں سکھیو! میں تمھیں جگاؤں
پریتم کے دوارے جا کر
میں پگ پگ نین بچھاؤں سکھیو! میں تمھیں جگاؤں
جب موت کے بادل گرجیں
مرنے سے نہ میں گھبراؤں سکھیو! میں تمھیں جگاؤں
آتی ھے موت اچانک
بھید اس کا تمھیں بتاؤں سکھیو! میں تمھیں جگاؤں

آگے ہے بڑا اندھیارا
میں خالی ہاتھ نہ جاؤں　　سکھیو! میں تمھیں جگاؤں
گیانی ہے وہ پریتم پیارا
میں کیسے بھید چھپاؤں　　سکھیو! میں تمھیں جگاؤں
کیا ڈر ہو کسی بپتا کا
جب پیا سے آس لگاؤں　　سکھیو! میں تمھیں جگاؤں
سکھ پائے میرا جیون
پریتم کی سرن میں آؤں　　سکھیو! میں تمھیں جگاؤں

پانچویں داستان

شکستہ بادباں پُرھول موجیں　　مگر تم نے نہ میری بات مانی
بہ صد منّت یہ سمجھاتی رہی میں　　نہ بیٹھو اِس میں کشتی ہے پرانی

*

وھاں کیا آس موجوں سے لگائیں　　جہاں ہرسو بھنور آنکھیں دکھائیں
اِدھر طوفاں اُدھر تاریک ساحل　　اگر جائیں بھی اب کس سمت جائیں
تلاطم خیزیٔ موجِ بلا سے　　سفینہ کس طرح اپنا بچائیں
بجز فضلِ خدا کیا آسرا ہے　　کسے اب ناخدا کہہ کر بلائیں

*

ذرا اے ناخدا ھشیار رھنا　　تلاطم خیز ھر موج بلا ہے
وھاں ڈوبے ھیں کتنے ھی سفینے　　جدھر تو ناؤ کو لے کر چلا ہے
جہازوں کو کیا ہے غرق جس نے　　تجھے بھی اس بھنور کا سامنا ہے

*

بڑا خونیں سمندر سامنے ہے　　کہیں ٹھنڈی ھوا میں سو نہ جانا
تلاطم خیز ہے موجوں کی یورش　　سنبھل کر ناؤ کو آگے بڑھانا

*

تلاطم خیز موجوں کے شناور
بھروسہ کر خدا کی رحمتوں پر
شعور قعر دریا رکھنے والے
سفینہ کر حوادث کے حوالے

*

رموز قعر دریا جانتے ہیں
ہمیشہ جھوٹ کے سودے سے نفرت
سجاتے ہیں سفینہ زندگی کا
پھر اس کو ڈال دیتے ہیں بھنور میں
ہلاکت خیز موجوں کے شناور
کہ اُن کو دولت حق ہے میسر
متاع عجز سے راتوں کو اٹھ کر
وہ اپنے ساتھیوں کے بن کے رہبر

*

خدا کے فضل سے اس پار پہنچے
نہ گرداب فنا نے اُن کو تاکا
وہ با ہمت شناور وہ دلاور
نہ موجوں نے اُٹھایا ناگہاں سر

*

کمر باندھے ہوئے بیٹھے ہیں ساتھی
کہاں تک تیری بے فکری کا عالم
رواں ہیں عالم وارفتگی میں
وہی خوش بخت پہنچیں گے سلامت
مگر غفلت ہے طاری تیرے دل پر
یہ موجوں کے تھپیڑے یہ سمندر
سفینے تاجروں کے سونے بندر
نہیں واجب کوئی محصول جن پر

*

"لطیف" اُن تاجروں پر رحمت حق
سمندر میں ہوا کے رخ پہ ڈالا
ترے عاشق ہیں اے شاہ مدینہ
چلے ہیں لے کے جو انمول گوہر
سفینہ قیمتی سامان بھر کر
در رحمت کھُلے ان تاجروں پر

*

مرے حق میں ہو کتنی نیک یہ فال
نہ ہو پھر راہ میں کوئی رکاوٹ
دعا کو ہاتھ اٹھتے ہیں سر شام
خوشی کے شادیانے بج رہے ہوں
سفینہ گھاٹ پر، محبوب گھر میں
رہے محبوب کی منزل نظر میں
مری کشتی ہے بحر پُرخطر میں
وطن میں ہوں جو رہتے ہیں سفر میں

وائی

سپنوں میں جیون بیتا
دن میں نے یوں ہی گنوائے
ساجن میں ایک ابھاگن
دکھ میرا کون مٹائے
دن میں نے یوں ہی گنوائے

آجاؤ ساجن پیارے
بیٹھی ہوں آس لگائے — دن میں نے یوں ہی گنوائے
بیٹھی ہوں یاد میں تیری
کیا اپنی دشا بنائے — دن میں نے یوں ہی گنوائے
جو کھوٹ ہے میرے من میں
ساجن ہی آسے مٹائے — دن میں نے یوں ہی گنوائے

چھٹی داستان

وہیں 'تُرھے' کو باندھ لے کس کے — جس جگہ پرسکوں روانی ہے
کس مپرسی کا ہے وہاں عالم — خوب گہرا جہاں پہ پانی ہے

*

آبگیروں کے جو شناور ہیں — فکر آن کو نہیں کوئی زنہار
ہاں مگر کیسے پار اتریں گے — یہ اناڑی یہ صاحبِ دستار

*

خدا کو یاد کر بہرِ خدا تو — کہیں تجھ کو نہ لے ڈوبے یہ طوفاں
نہیں آرام کا یہ وقت غافل — کہ ہر سو ہے ہجومِ برق وباراں
جو بے پروا رہا اِن آفتوں سے — اُسے ہونا پڑا آخر پشیماں
بچا ہے کون گردابِ اجل سے — سلامت اس کی زد سے کس کی ہے جاں

*

عاقبت سے جو بے نیاز کرے — دشمنِ جاں وہ کیف و مستی ہے
غرق ہوگا بزعمِ خود آخر — جو ہوا خواہِ خودپرستی ہے
اس میں آتے ہیں نت نئے طوفاں — اے مسافر یہ بحرِ ہستی ہے

*

نہ ٹھہرے گا کبھی ندی کا پانی — نہ سوئیں گے یہ بے آرام تارے
تری غفلت کو لیکن کیا کہوں میں — تجھے ہے نیند پیاری میرے پیارے
وہاں جائے گا خالی ہاتھ کیا تو — جہاں خوش بخت پُر دامن سدھارے

وائی

بھٹکی ہوں ڈگر ڈگر میں پگ پگ ہے مجھ کو بھاری
میں گھاٹ گھاٹ کی ماری
پہنچوں اب کیسے میں کیسے میں دور دیس کی ناری
میں گھاٹ گھاٹ کی ماری
بھید اپنا کسے بتاؤں داسی ہوں پیا تمہاری
میں گھاٹ گھاٹ کی ماری
جی بھر کے نیر بہاؤں ساجن پہ میں بلہاری
میں گھاٹ گھاٹ کی ماری

سر ساموںڈی

سر ساموندی

پہلی داستان

یہ بحری تاجروں کا کارواں ہے
نہ جانے کس گھڑی لنگر اٹھائے
نہیں کچھ اعتبار ان تاجروں کا
جہاز ان کا روانہ ہو نہ جائے
انہیں سونے دیارِ موج و طوفاں
ہوائے آبگوں اکثر بلائے
ترے حق میں غنیمت یہ گھڑی ہے
کہ پھر یہ ہاتھ آئے یا نہ آئے

*

جب ان کے ناخدا لنگر اٹھائیں
تجھے بھی ہم‌سفر اپنا بنائیں
ہوئے تیار کشتیبان سارے
بھری ہیں بادبانوں میں ہوائیں
بغیر ان کے نہ ہوگی کوئی رونق
رہیں گی سربسر ویراں فضائیں
نہ کر اب دیر آنا ہے تو آجا
یہ سوداگر روانہ ہو نہ جائیں

*

ہٹوں گی اب یہاں سے میں نہ ہرگز
مجھے چاہے کوئی کتنا ہٹائے
میں ڈرتی ہوں کہیں ساجن کی نیّا
اکیلا ہی نہ مجھ کو چھوڑ جائے

*

اکیلا چھوڑ کر جاتے ہو مجھ کو
سجن تم نے نہ میری بات مانی
جلائے گی مجھے برکھا کی اگنی
سدا روتی رہے گی یہ جوانی

*

نہ وہ صبحیں نہ وہ شامیں سہانی
وبالِ دوش ہے اب زندگانی
نہ ساحل پر کوئی ہنگامہ ہے اب
نہ موجوں میں وہ پہلی سی روانی
لبِ ساحل پہ آجاتی ہے اکثر
کوئی بسری ہوئی رنگیں کہانی

*

زمانہ ہو گیا ہے راہ تکتے — مگر تم لوٹ کر اب تک نہ آئے
گئے ہو تم جہاں اے جانے والو — خبر اس دیس سے کوئی نہ لائے

*

بہت ہی دور جا پہنچے مسافر — نظر میں اب بلندی ہے نہ پستی
نہ جانے کس گھڑی رخصت ہوئے تھے — نہ دیکھی پھر کبھی آ کر یہ بستی
انھیں کیا دامنِ ساحل کی پروا — جنھیں راس آ گئی طوفاں پرستی
نہ آنے دیں گے ان کو پاس تیرے — دیارِ موج و طوفاں کے بسیرے

*

روانہ ہو گئے بحری مسافر — نہ جانے اب وہ آئیں یا نہ آئیں
بسائیں بستیاں اس پار جا کر — کہاں تک ان کے غم میں جی جلائیں

*

موافق ہوں سمندر کی ہوائیں — بھٹک کر راستے میں رہ نہ جائیں
بر آئے ان کی ہر امید یا رب! — یہ تاجر منزلِ مقصود پائیں

*

رہی جانے کی ان کو اتنی جلدی — کہ وہ دو چار دن بھی رہ نہ پائے
بہت دن ہو گئے مجھ کو ترستے — مرے ساجن مگر اب تک نہ آئے
میں ان کی یاد میں بیکل ہوں ایسی — کوئی برچھی سے جیسے چھید جائے
سدا اس پار ہی رہنا ہے جن کو — کوئی ایسوں سے کیسے لو لگائے

*

کسی ملاح کے چرنوں کی داسی — کھڑی ہے دیر سے چپو اٹھائے
چبھن دل میں ہے، آنکھوں میں ہیں آنسو — سنو کیا کہہ رہی ہے سر جھکائے
"تمھاری بات کا کس کو یقیں ہے — یہ قصے اب نہ تم مجھ کو سناؤ
یہ تنہائی، یہ ویرانی، یہ راتیں — ٹھہر جاؤ، خدارا اب نہ جاؤ"

*

بھٹک کر رہ گئی ہوں اس کنارے — ہنسی میری اڑاتا ہے زمانہ
مجھے بھی ساتھ لے جاتے خدارا — یہاں سے جب ہوئے تھے وہ روانہ

*

یہ حالت ہے مرے بے چین دل کی — کوئی بھٹکی ہوئی کشتی ہو جیسے

خبر کیا تھی کہ ان سے پیار کر کے — مجھے سہنے پڑیں گے رنج ایسے
بھلا بیٹھے ہیں مجھ کو میرے مانجھی — سکھی میں اپنا جی بہلاؤں کیسے

*

دلاسے دے رہی ہوں اپنے دل کو — مگر یاد ان کی رہ رہ کر ستائے
کئی منجدھار منہ کھولے ہوئے ہیں — خدا ان کے سفینے کو بچائے
مرے دل میں ہے کیوں طوفان برپا — ہوئی کیا بات جو ابتک نہ آئے

*

سہانی رت 'سرّوں' میں بھول آئے — 'لوھیڑوں' پر جوانی آگئی ہے
فضا بدلی، چلی بادِ شمالی — خنک موسم، ہوائیں دلکشی ہے
گئے ایسے کہ پھر واپس نہ آئے — نہیں کیا کچھ، مگر ان کی کمی ہے

*

گئے ایسے کہ پھر واپس نہ آئے — وہ اب آئیں تو ان سے روٹھ جاؤں
یہ تنہائی، یہ جاڑے، یہ جدائی — کہاں جاؤں میں کیسے چین پاؤں
سناؤں کس کو اپنی آپ بیتی — کسے میں اپنے سینے سے لگاؤں
نہ چھیڑ اے ماں میرا جیون دکھی ہے — میں اپنا بھید کیا تجھ کو بتاؤں

*

تم آئے ہو تو اب جانے نہ دوں گی — کرو مجھ کو نہ تڑپانے کی باتیں
پسینہ بھی ابھی سوکھا نہیں ہے — ابھی سے پھر ہیں کیوں جانے کی باتیں

*

بہت دن ہوگئے ہیں دکھ اٹھاتے — کہیں ایسا نہ ہو دل ٹوٹ جائے
کرو سکھیو! مرے ساجن کی باتیں — کہ باتوں ہی سے شاید چین آئے

*

دیارِ دوست کو جا اے دل! اے دل! — عبیر آمیز ہیں جس کی فضائیں
بشوقِ آستاں بوسی بڑھے چل — خدا جانے تجھے پھر کب بلائیں

*

پڑی ہوں گھاٹ پر جن کے سہارے — اگر وہ چھوڑ کر مجھ کو سدھارے!

*

نہ بھولوں گی وہ پیاری شکل و صورت کہ ستواں ناک اور پتلی کمر ہے
نظر میں دل کشی آنکھوں میں کاجل مسافر کچھ تجھے اس کی خبر ہے

*

کبھی تو لوٹ کر آئے گا پیارا ہوا ہو جائے گا دکھ درد سارا
اسی امید پر اب جی رہی ہوں یہی امید ہے میرا سہارا

*

ہوا میں اڑ رہے ہیں ان کے پرچم وہ دولتمند تاجر لوٹ آئے
خدا جانے اب ان کی زیب و زینت لب ساحل پہ کیا کیا گل کھلائے

وائی

ساجن کی ڈگر پر مجھ کو کوئی نہیں روک سکے گا
وہ مری جیون جوت جگائے
پردیسی پریتم آئے کوئی نہیں روک سکے گا
وہ اپنی چھب دکھلا کر
سکھیوں کے من برمائے کوئی نہیں روک سکے گا
میں جنگل جنگل بھٹکوں
جب تک وہ مجھے بھٹکائے کوئی نہیں روک سکے گا
میں کھوج میں ہوں ساجن کی
کوئی نہ مجھے بہکائے کوئی نہیں روک سکے گا

وائی

اس پار سے جب وہ آئیں
میں پگ پگ نین بچھاؤں ساجن کو بھول نہ جاؤں
آساؤں سے سپنوں سے
اپنے من کو بہلاؤں ساجن کو بھول نہ جاؤں
ترسائیں نہ دن برھا کے
نینوں سے نین ملاؤں ساجن کو بھول نہ جاؤں

بیٹھی ہوں آس لگائے
سکھ پیا ملن کے پاؤں ساجن کو بھول نہ جاؤں

وائی

مجھے چھوڑ گئے ہیں ساجن
اب کیسے جی بہلاؤں کب تک یہ بات چھپاؤں
جب یاد پیا کی آئے
نینوں سے نیر بہاؤں کب تک یہ بات چھپاؤں
دکھ جیون کا دیمک ہے
میں کیسے جان بچاؤں کب تک یہ بات چھپاؤں
ماں! کون ہے میرا ساتھی
میں اپنا کسے بتاؤں کب تک یہ بات چھپاؤں
آجاؤ پریتم پیارے
میں واری واری جاؤں کب تک یہ بات چھپاؤں

—✻—

دوسری داستان

یہ زادِ راہ کی الجھن ہے کیسی یہ سامانِ سفر کیوں ہو رہا ہے
نہ جانا میرے بنجارے نہ جانا ترا عزمِ سفر صبر آزما ہے

*

لگن اس پار کی دل میں ہے پھر کیوں؟ نہ جاؤ میرے بنجارے نہ جاؤ
کہیں غم کھاتے کھاتے مر نہ جاؤں محبت کی قسم ہے لوٹ آؤ

*

وہ میرے روکنے سے کیا رکیں گے لپٹ کر آن سے لاکھ آنسو بہاؤں
یہ آتش زیرپا بحری مسافر مری ماں! میں انہیں کب تک مناؤں

وہ آن کے بادبان لہرا رہے ہیں سفینے رقص کرتے جا رہے ہیں

*

رچی ہے میرے من میں پریت آن کی بغیر آن کے میں کیسے چین پاؤں
کہیں ایسا نہ ہو وہ بھول جائیں میں آن کی یاد میں آنسو بہاؤں

*

لب۔ ساحل پہ چرچے ہو رہے ہیں کہ اب تاجر ہیں واپس آنے والے
وہ میری زندگی کا ہیں سہارا بغیر آن کے پڑے جینے کے لالے

*

وہ کھولے بادباں چپّو اٹھائے گئے ایسے کہ پھر واپس نہ آئے
رکے ہیں کون سی منزل میں تاجر خدا جانے وہاں کیا دکھ اٹھائے

*

پھر آیا موسم۔ باد۔ شمالی اٹھائے مانجھیوں نے اپنے لنگر
پھر آن کے بادباں لہرا رہے ہیں پھر آن کو یاد آیا ہے سمندر
دل۔ افسردہ کی گہرائیوں سے اٹھے گی ایک لمبی ہوک اکثر

*

گھروں میں شادیانے بج رہے ہیں خوشی سے جشن سکھیوں نے منائے
جنہیں باد۔ شمالی لے اڑی تھی سفر سے وہ مسافر لوٹ آئے

*

بلائیں لوں، خوشی کے گیت گاؤں میں آن کی راہ میں آنکھیں بچھاؤں
وہ جب پردیس سے لوٹیں سہیلی تو آن کو اپنے سینے سے لگاؤں

*

پھر آیا موسم۔ باد۔ بہاری بڑھی قلب و نظر کی بے قراری
چلے جائیں گے پھر بحری مسافر کھڑی ہیں کشتیاں تیار ساری

*

آنکھیں میں ہوں مرے ساجن بھی اے کاش سفینے جانب۔ ساحل جب آئیں
میں ان کے بادباں پہچان جاؤں ادھر جب کشتیوں کو وہ بڑھائیں
بڑی مدت سے آن کی منتظر ہیں ترس کر میری آنکھیں وہ نہ جائیں

خداوندا مبارک ہوں یہ آثار
دعا ہے میرے پیارے لوٹ آئیں

*

ہوئے جب بادبان تیار کھل کر
تو سب نے دفعتاً مستول اٹھائے
بڑھے لے کر وہ اپنی کشتیوں کو
پھریرے سے ہوا میں لہلہائے
"لطیف" ان تاجروں پر رحمت حق
سفر جن تاجروں کو راس آئے

*

وہ اپنے بادبان کو سی رہے تھے
اچانک کوچ کا پیغام آیا
بڑھے دریا کے جانب والہانہ
کسی گرداب کا دھوکا نہ کھایا
بالا آخر اس طرف اترے سلامت
سکون جاوداں کا راز پایا

*

اگر حائل نہ ہو گرداب باطل
تہ دریا ہیں گوہر کے خزانے
پہن کر جو لباس فقر نکلا
وہی غواص ان کی قدر جانے

*

بھی چرچا ہے اکثر اس کنارے
مسافر لوٹ کر اب تک نہ آئے
رہے مہجور دل کی دھڑکنوں میں
سلگتے آنسوؤں میں جگمگائے

*

یہ ان بیوپاریوں کی عورتیں ہیں
روانہ ہو چکے ہیں جو سفر پر
اب ان کا کام ہے ساگر کی پوجا
کھڑی رہتی ہیں لے کر مشک و عنبر

*

ہوئے پورے مرے ارمان سارے
ملے پھر مجھ سے آ کر میرے پیارے
میں اب ان مانجھیوں کی ہوں پجارن
مرے کام آ گئے جن کے سہارے

*

ہوا میں جن کے پرچم اڑ رہے ہیں
نظر آجائیں ان کے بادبان بھی
سفر سے جن کے ساجن لوٹ آئے
خوشی ہے آج ان سکھیوں کو کتنی!

*

لب ساحل پہ ہنگامے ہیں برپا
جہاں گرد و جہاں بیں آ رہے ہیں
وہ دیکھو ان کے مستولوں کے پرچم
ہوا میں کس طرح لہرا رہے ہیں!

*

لگائیں جھنڈیاں ، دیپک جلائے
جہاں تک ھو سکا رستے سجائے
میں ھوں اپنے خدا سے لو لگائے
وھی ساجن سے اب مجھ کو ملائے

*

جو اس ساگر کی سیوا کو نہ جانے
آسے کیوں کر محبت راس آئے
جلائے جو بھی آشاؤں کے دیپک
وھی ساجن کو سینے سے لگائے

وائی

روکو نہ مجھے تم سکھیو!
جاؤں گی سجن کے دوارے
ساگر میں ڈال کے ڈیرا
ساجن پردیس سدھارے
جاؤں گی سجن کے دوارے
گھٹ گھٹ کے یاد میں آن کی
مرجاؤں نہ دکھ کے مارے
جاؤں گی سجن کے دوارے
درد آن کا مجھے تڑپائے
تڑپوں میں سانجھ سکارے
جاؤں گی سجن کے دوارے

وائی

کیوں چھوڑا ساتھ سجن کا
تیری ھی بھول نے سجنی
سکھ چھین لیا تن من کا
کیوں چھوڑا ساتھ سجن کا
جا آس کی کھوج میں ناداں
جو ساتھی ھے جیون کا
کیوں چھوڑا ساتھ سجن کا
پردیس گیا ھے ساجن
اب سپنا دیکھ ملن کا
کیوں چھوڑا ساتھ سجن کا
کل جیسا آج نہیں ھے
یہ چولا تیرے تن کا
کیوں چھوڑا ساتھ سجن کا
دکھڑوں کو سننے والا
اب کون ھے تجھ برھن کا
کیوں چھوڑا ساتھ سجن کا

وائی

آن کے ساتھ ہی جاؤں گی　　بنجاروں سے پیار مجھے
اپنی ناؤ کو ٹھیرالے
کھیون ہار ! میں آؤں گی　　بنجاروں سے پیار مجھے
بھول چکیں جن کو سکھیاں
آن کی یاد دلاؤں گی　　بنجاروں سے پیار مجھے
پریت کی ساری بپتائیں
سہہ سہہ کر مسکاؤں گی　　بنجاروں سے پیار مجھے
آن کو یاد کروں گی میں
آن سے پریت نبھاؤں گی　　بنجاروں سے پیار مجھے
ساجن ایک مہا ساگر
آن کے بھید میں پاؤں گی　　بنجاروں سے پیار مجھے

تیسری داستان

تھکی ہاری ہوں، میں بپتا کی ماری　　بھلا اس پار کے کیا بھید پاؤں
مجھے بھی ساتھ لے چل میرے مانجھی　　بھٹک کر اس کنارے رہ نہ جاؤں
یہ جانے والے میری زندگی ہیں　　انہیں میں کس طرح روکوں سناؤں

*

دیا اس کو نہ سورج ڈوبنے تک　　کسی مانجھی کی نیّا نے سہارا
مگر جب چاہنے والے نے چاہا　　تو فوراً مل گیا اس کو کنارا

*

مری سکھیوں کے ساجن آگئے ہیں　　نہ جانے میرے ساجن کیوں نہ آئے
مجھے چھیڑو نہ میری پیاری سکھیو !　　اٹھے اک ہوک سی دل کانپ جائے
یہ دن جاڑوں کے اور مانگے کے برتن　　بنا ساجن کے کیا کیا دکھ اٹھائے

*

یوں ہی تکتی رہوں گی راہ اُن کی
نہ چھوڑوں گی میں آشا کے سہارے
رہا اُن کا کرم مجھ پر ہمیشہ
خوشی کے ساتھ میں نے دن گذارے
نہ جانے میرے تن میں کھوٹ تھی کیا
گئے کیوں روٹھ کروہ میرے پیارے
اٹھا کر چل دیے وہ اپنے لنگر
تڑپتی رہ گئی میں غم کے مارے
وہ کھیون ہار اُن کی لاج رکھ لے
لگا دیتا ہے جو کشتی کنارے

*

لبوں پر بحر کا ذکر مسلسل
دلوں میں موج و طوفاں کی صدا ہے
دیار دوست سے پیغام آیا
کوئی سوئے تلاطم کھینچتا ہے

*

نہ بھولے اس کنارے کی نشانی
وہیں آئے جہاں میٹھا ہے پانی
دل اُن کے پاک ہیں زر کی ہوس سے
جواہر سے لدی ہے زندگانی
سکھی وہ لوٹ کر 'لنکا' سے آئے
بڑے انمول موتی ساتھ لائے

*

اُٹھے لنگر سویرے ہی سویرے
یہ دریاآشنا تیرے نہ میرے
تلاش سیم و زر میں سوئے 'لنکا'
روانہ ہو گئے ہیں منہ اندھیرے
ہمیشہ کام ہے موجوں سے لڑنا
سدا ساگر میں ہیں اُن کے بسیرے

*

سحر ہوتے ہی پھر تیار ہیں یہ
بڑے ظالم ہیں یہ بحری مسافر
کہاں تک میں کروں گی یاد اُن کو
مجھے تو مار ڈالیں گے یہ تاجر

*

ہوئے تیار پھر جانے کو "سیٹھ"
یہ بنجارے سویرے ہی سویرے
اُنھیں کب راس آتا ہے کنارا
سدا ساگر میں ہوں جن کے بسیرے

*

وہ پھر جانے کو ہیں تیار اے کاش
کہیں جانے سے اُن کو روک سکتی
یہ ایسے ہیں کہ ماں کی مامتا بھی
نہیں جانے سے اُن کو روک سکتی

*

رہے تم تو سدا پردیس ہی میں
سہاگن ہو کے میں نے سکھ نہ پایا

مجھے پھر چھوڑ کر جاتے ہو ساجن　　تمہارے بعد کیا کیا دکھ اٹھایا

*

پھر ان کے بادباں لہرا رہے ہیں　　کہیں پردیس کو پھر جا رہے ہیں
غم و رنج و الم کے گہرے سائے　　دل بے تاب پر منڈلا رہے ہیں

*

دیوالی آئی اور بیوپاریوں نے　　سکھی پھر گھاٹ سے لنگر اٹھائے
پکڑ کر ان کے چپو پیاریوں نے　　نہ جانے کس قدر آنسو بہائے
اٹھائے ہیں وہ دکھ دکھیاریوں نے　　جنھیں سُن کر زمانہ کانپ جائے

*

دیوالی آئی بنجاروں نے پھر سے　　لیا بادِ شمالی کا سہارا
بلاتا ہے پھر ان کی کشتیوں کو　　کوئی بھولا ہوا شاید کنارا

وائی

اے سکھیو! موری دھیر بندھاؤ　　مرا من ہے پریت کا مارا

کیا بھول ہوئی تھی مجھ سے
کیوں روٹھا مجھ سے پیارا　　مرا من ہے پریت کا مارا

ڈھونڈے ہے یہ دکھیا داسی
اب کس کا اور سہارا　　مرا من ہے پریت کا مارا

میں کتنے بھی دکھ جھیلوں
بھولوں نہ سجن کا دوارا　　مرا من ہے پریت کا مارا

کیا ہنسنے والے جانیں
سکھیو! دکھ درد ہمارا　　مرا من ہے پریت کا مارا

ساجن کے پاس نہ پہنچا
جو راہی ہمت ہارا　　مرا من ہے پریت کا مارا

نینوں میں نیر ہوں ایسے
جیسے برکھا کی دھارا　　مرا من ہے پریت کا مارا

وائی

میں پربت پربت ساری میں جنم جنم دکھیاری

مرا من ہے پریم پجاری

سمجھوں میں سجن کی بھیدی پاس آئے جو کوئی ناری

مرا من ہے پریم پجاری

مرے جیون کی ہر آشا اک بجھی بجھی چنگاری

مرا من ہے پریم پجاری

پھرتی ہوں جنگل جنگل دن رات لگن کی ماری

مرا من ہے پریم پجاری

بن باسی بن کر سجنی! بن جاؤں آن کی پیاری

مرا من ہے پریم پجاری

سر کاموڈ

سر کاموڈ

پہلی داستان

ھزاروں عیب وابستہ ھیں مجھ سے
مجھے احساس ھے بے مایگی کا
کہیں ایسی نہ ھو پھر بے رخی ھو
کہاں میں اور کہاں محلوں کی رانی
کہاں ذرہ کہاں خورشیدِ تاباں

میں اک ملاح کی بیٹی ھوں پیارے
کہ مانندِ تنِ ماھی ھوں پیارے
خبر ھے تجھ کو جیسی بھی ھوں پیارے
میں اس زمرے میں کب آتی ھوں پیارے
'سم' تو اور میں 'گندری' ھوں پیارے

*

تماچی! گھاٹ کے مالک، خدارا!
نہ لینا تم کوئی محصول ھم سے
کہیں آنکھیں نہ مجھ سے پھیر لینا

نہ کرنا اپنی گندری سے کنارا
کہ ھر ملاح ھے غربت کا مارا
دیا ھے گر محبت کا سہارا

*

فقط یہ مچھلیاں ھیں ان کی دولت
مگر یہ فخر بھی کیا کم ھے ان کو

غریب و ناتواں ھیں یہ مچھیرے
کہ اب ھیں حاشیہ بردار تیرے

*

یہ ان کے جال اور یہ کشتیاں ھیں
سحر کو تیرے در کی پیشیاں ھیں
خدا جانے 'تماچی جام' پیارے

یہ ان کے ٹوکرے اور مچھلیاں ھیں
پھر اس کے بعد ماھی گیریاں ھیں
تجھے اب ھم سے کیوں دلچسپیاں ھیں

*

یہ ان کی 'کہاریاں' اور 'چھاج' تو یہ کہ بدبو مچھلیوں کی جن سے آئے
پڑے رہتے ہیں اس پانی میں وہ بھی سگِ آبی جہاں غوطے لگائے
جو رہتے ہوں ہمیشہ 'باندھیوں' پر تعجب ہے انہیں دل میں بسائے
نہ صورت ان کی اچھی ہے نہ سیرت نہ جانے کیوں وہ ان کے ناز اٹھائے

*

کہاں تہمد ہیں اب کیچڑ میں لت پت کہاں اب تن پہ برگِ نیلوفر ہیں
سروں پر جن کے کل تک سوڑیاں تھیں وہ اب راجہ کی منظور نظر ہیں
چلی جائیں وہاں جس وقت چاہیں کھلے ان کے لیے محلوں کے در ہیں
سمہ نے بخش دی ہے جھیل ان کو ستارے آج ان کے اوج پر ہیں
تماشا ہے کہ اب سارے مچھیرے تماچی جام سے شیر و شکر ہیں

*

بھلا بیٹھی ہے وہ اپنی حقیقت سمہ نے جب سے بخشی ہے حضوری
محل میں رانیوں کے ساتھ اکثر رسوماتِ حرم کرتی ہے پوری
نہ اب وہ مچھلیاں ہیں اور نہ کہارے کہاں ہے اپنے آپ میں یہ 'نوری'
نہ جانے کس خیال و خواب میں ہے کوئی دیکھے تو اس کی لاشعوری

*

ہوا گرویدہ اس گندری کا ایسا کہ رتھ میں لے کے اپنے ساتھ آیا
بطور خاص جب نوری کے ہاتھوں سمہ نے پھول 'نیلوفر' کا پایا

*

ہجومِ مہ و شاں میں جلوہ آرا وہی حسنِ نگاہ شرمگیں تھا
تماچی جام کی آغوش میں بھی غرور و ناز نوری کو نہیں تھا

*

کہاں بغض و حسد اب رانیوں میں نیاز آگیں ہے نوری کی جوانی
سمہ سردار اس پر شیفتہ ہے وہ راجہ ہے یہ اس کے من کی رانی

*

ستے تھے مچھلیوں میں ہاتھ لیکن اداؤں میں نرالی شوخیاں تھیں
تماچی جام کی ہمسایگی سے دلِ نوری میں کیا رعنائیاں تھیں

*

وہ ملاحوں میں پیدا تو ہوئی تھی　　مگر قسمت میں تھے اوصافِ حوری
سمہ سردار نے پہچان کر ہی　　اسے بخشا تھا اعزاز حضوری
'سرندے' میں نیا تاگا ہو جیسے　　یوں ہی تھی رانیوں کے بیچ نوری

*

بہت ہی خوبصورت ہے وہ نوری　　نہیں 'کنجھر' میں اس کا کوئی ثانی
سمہ خود مورچھل جھلتا ہے اس پر　　بنی ہے جب سے اس کے من کی رانی
تعلق کیا اسے ان مشغلوں سے　　کہاں کی کشتیاں 'منڈ' اور 'میانی'

*

وہی مالک ہے ان گھاٹوں کا نوری　　اسی کی ہے یہاں فرماں روائی
بہر صورت تجھے لازم ہے پیاری　　تماچی جام کی مدحت سرائی

*

سمہ اور سومرہ شہزادیوں کو　　عبث ہے اب یہ زعمِ سرفرازی
خوشا کنجھر کی وہ نادار گندری　　کہ جس نے جیت لی الفت کی بازی

وائی

راج محل سے ملاحوں میں　　جام تماچی آیا
دیکھ کے اک البیلی سج دھج　　نوری کو اپنایا
جام تماچی آیا

دھن دولت جنتا میں بانٹے　　مایا جال کو توڑا
کنجھر کی گندری کے کارن　　راج پاٹ کو چھوڑا
جانے کیا کیا کھو کر اس نے
من کا موتی پایا
جام تماچی آیا

کیسے کیسے ہیرے اس نے　　اس گندری پر وارے
اپنے من کی جیت کے کارن　　جیتے داؤں بھی ہارے
دھن دولت کی چنتا کیسی
سب کچھ بھینٹ چڑھایا
جام تماچی آیا

دوسری داستان

نہ جانا توڑ کر میرے سہارے
ترے قرباں مری آنکھوں کے تارے
ملی ہے گندریوں کی سرخروئی
تری وابستگی سے مجھ کو پیارے
خوشی سے کاش ہم دونوں ہمیشہ
رہیں آباد کنجھر کے کنارے

*

بہار آتے ہی پھر باد شمالی
سراپا مشکبو ہونے لگی ہے
درختوں کے گھنے سایوں میں پیارے
یہ کنجھر ایک گہوارہ بنی ہے
میں تیرے ساتھ ہوں آب رواں پر
میسر اب مجھے ہر اک خوشی ہے
کنول کے تیرتے پھولوں کی سی دھج
نگاہوں میں سمائی جا رہی ہے
مجھے محسوس ہوتا ہے کہ شاید
محبت مدعائے زندگی ہے

*

سمہ کی رانیاں بن ٹھن کے آئیں
تماچی نے نہ دیکھا آنکھ اٹھا کر
نہ چھوڑا ساتھ ملاحوں کا اس نے
اگرچہ لاکھ تکلیفیں اٹھائیں
پھرا وہ مچھلیوں کا جال لے کر
ہوائیں سارا دن کنجھر کی کھائیں

*

ہوئی اک دوسرے کے حق میں راحت
تماچی جام اور نوری کی الفت
سمجھتے ہیں سبکسارانِ کنجھر
وہ افسانہ تھا یا کوئی حقیقت

*

کنارہ کش رہی ہر انجمن سے
جدا سب سے تھی اس نوری کی فطرت
اسے کیا اہلِ کنجھر سے تعلق
تماچی سے ہوئی جس کو محبت

*

تماچی گندریوں پر مہرباں ہے
تماچی کارساز بے کساں ہے
تماچی بے نیاز جسم و جاں ہے
تماچی حاصلِ صد آستاں ہے
تماچی ہی تماچی جاوداں ہے
تماچی محرمِ کون و مکاں ہے

*

وہ ملاحوں کا دل آرام آیا
بصد آسائش و اکرام آیا

صدا یہ جھونپڑوں سے آ رہی ہے	کہ پھر پیارا تماچی جام آیا
خدا رکھے سروں پر اس کا سایہ	وہ بن کر سربسر انعام آیا

*

تماچی جام اور تیری حضوری	یہ کیا اعجاز ہے اے چشم نوری
رہی باقی نہ کوئی حد فاصل	منادی عشق نے ہر ایک دوری

وائی

گندری اس کو کون کہے گا
جام تماچی میت ہو جس کا
پاس بھی اس کو جو نہ بٹھائیں
وہ ہی اب درشن کو آئیں
پلٹی کیسی پریت نے کایا
گندری اس کو کون کہے گا
جام تماچی میت ہو جس کا
وہ راجا یہ اس کی رانی
پریم لگن کی ریت سہانی
جے جے بولے ساری جنتا
گندری اس کو کون کہے گا
جام تماچی میت ہو جس کا

سر سسئی

سر سسئی آبری

پہلی داستان

وہاں پہنچا مجھے امرِ مشبت!
جہاں وہ آرزوئے جسم و جاں ہے
وہی ہے منتہائے سعیٔ پیہم
کہاں ہے وہ مرا پنھوں کہاں ہے
وہ میری زندگی کا آسرا ہے
مرے قلب و نظر کا مدعا ہے

*

نگاہوں سے عیاں کربِ مسلسل
لبوں پر نالہائے جانستاں ہیں
رُخِ محبوب کے رنگیں نظارے
نہ جانے کیوں تصوّر پر گراں ہیں
سرِ منزل کوئی دم توڑتا ہے
محبت کے انوکھے امتحاں ہیں

*

بجھایا اس نے جتنا تشنگی کو
تمناؤں نے اتنا ہی بڑھایا
سسئی کو اشتیاقِ دلربا نے
مٹا کر بھی نہ جانے کیا بنایا

*

جھلک ہی دیکھ کر اس دلربا کی
سوا پہلے سے بھی وارفتگی ہے
بجھائے گا اسے کیا بحرِ ہستی
محبت کی انوکھی تشنگی ہے

*

مرے محبوب اک جامِ محبت
مجھے خود اپنے ہاتھوں سے پلادے
قسم ہے مجھ کو اس تشنہ لبی کی
سراپا تشنۂ الفت بنادے
نہ ہو سیری کبھی وارفتگی سے
بجھاؤں تشنگی کو تشنگی سے

*

سسئی کو چاہیے پنھوں کی خاطر
سہے آفتادہائے ناگہانی

بھرم قائم ہے جن کی تشنگی کا
انہیں خود ڈھونڈھنے آئیگا پانی

*

بسیرے جن کے ہیں آبِ رواں پر
انہیں کیوں زحمتِ تشنہ لبی ہے
وہ پنھوں ہے رگِ جاں سے قریں تر
سسئی جنگل میں جس کو ڈھونڈھتی ہے
سُن اے محرومِ رازِ خود شناسی
عبث یہ شکوۂ بیچارگی ہے

*

سسئی ملتی رہی پنھوں سے لیکن
محبت آشنا ہونے نہ پائی
رہی در پردہ کچھ بیگانگی سی
بالآخر خود پرستی رنگ لائی

*

چلی بادِ سموم ایسی کہ جس نے
جلا ڈالا زمین و آسمان کو
کیا تعبیر پیغام اجل سے
سبھی نے اس بلائے ناگہاں کو
سہارا اپنی بے تابی کا سمجھا
ہر اک ذی روح نے آہ و فغاں کو
فضا میں ہر طرف چھایا ہوا غم
بیاباں سوزِ غم سے خود جہنم

*

اگر ہے کیچ کی حسرت سسئی کو
بنائے اپنا رہبر عاجزی کو
میسر ہے جسے بے لوث الفت
وہ کیا جانے فریب گمرہی کو
محبت برتر از بیم و رجا ہے
محبت آپ اپنا مدعا ہے

*

بنا کر عاجزی کو اپنا رہبر
سسئی! کوہ و بیاباں سے گزرنا
رہِ الفت میں جو کچھ پیش آئے
اسے بھولے سے بھی ظاہر نہ کرنا
شعورِ آبلہ پائی مبارک
شعارِ کوہ پیمائی مبارک

*

نہ اب بھنبھور میں آنسو بہانا
نہ ہاڑھے (۱) کی طرف دامن بڑھانا
بڑی مشکل سے ملتی ہے یہ دولت
رموزِ عاشقی سب سے چھپانا
غمِ محبوب کے سوزِ دروں سے
جہاں تک ہوسکے دل کو بچانا

*

(۱) ایک پہاڑ

تجھے کیوں درد کی شدت کا شکوہ | تیرا مسلک نہیں راحت شعاری
تجھے کیا فکر سامانِ جہاں سے | ترا ساماں متاعِ خاکساری
کہاں کا بُعد کیسا قربِ ظاہر | نہیں کچھ بھی سوائے بیقراری

وائی

تن من میں اب گونج رہا ہے کوئی سہانا گیت
آشاؤں میں رچی بسی ہے ساجن تیری پریت

آجا لوٹ کے پریتم پیارے ترس رہے ہیں نین
اب بھنبھور میں تجھ بن بالم کیسے آئے چین
کوئی نہیں سنسار میں 'آری'! مجھ برہن کا میت
آشاؤں میں رچی بسی ہے ساجن تیری پریت

تیرے بنا اے میرے گیانی! کون مرا دکھ درد مٹائے
کس کو بتاؤں اپنا بھیدی کون مری اب ڈھیر بندھائے
میرے لیے ہے پت جھڑ جیسی برکھا رت کی رت
آشاؤں میں رچی بسی ہے ساجن تیری پریت

—※※※—

دوسری داستان

اے مسئی! کیچ دور ہے لیکن | بدگماں ہو نہ رہ گزاروں سے
دور پگڈنڈیوں پہ چلتی جا | تجھ کو ملنا ہے شہ سواروں سے
آرزو کو چراغِ راہ سمجھ | کیوں ہراساں ہے کوہساروں سے
اس قدر بھی تو وہ بعید نہیں | دیدۂ شوق نا امید نہیں

*

عقلِ کل بھی ہے حسن کامل بھی | خود وہ شاہد ہے اور خود مشہود
جراتِ شوق گر میسر ہو | ہر قدم پر ہے منزلِ مقصود

*

کیچ کی سمت لے چلی مجھ کو
دور افتادہ اک بیاباں میں
میری افسردہ حال تنہائی
میرے پنھوں کو میری یاد آئی

*

میں کہاں آشنائے صحرا ہوں
مرحلے ختم ہی نہیں ہوتے
اف یہ بادِ سموم کی حدت
جان لیوا ہے تشنگی میری
دشت و کہسار گونج اٹھے ہیں
کاش میری امید بر آئے
میرے پیارے ترا سہارا ہے
دردِ درماندگی نے مارا ہے
بھٹک رہا جس سے جسم سارا ہے
تیری خاطر مگر گوارا ہے
میں نے جب بھی تجھے پکارا ہے
ہر طرف تو ہی تو نظر آئے

*

ڈھونڈتی ہوں مگر نہیں ملتا
آتشیں رہگزر گھنے جنگل
میرے پیارے کا نقشِ پا کوئی
ہم سفر ہے نہ رہنما کوئی

*

دے سہارا مجھے مرے محبوب
دشت گنجان اور گھنے جنگل
تجھ سے ہوں اب میں لو لگائے ہوئے
ناگ بیٹھے ہیں پھن اٹھائے ہوئے

*

ہائے اس اجنبی بیاباں میں
کیا خبر تھی کہ رنگ لائے گا
کیں مصائب سے وہ ہوئی دوچار
آخر کار دو دلوں کا پیار

وائی

سکھیو! میں کہاں ڈھونڈھوں

موہے چھوڑ گئے پردیسی

میرے پنھوں کے سنگاتی
وہ البیلے 'آریانی'
اونٹوں کو سجا بنا کر
موہے گہری نیند سلا کر

منہ موڑ گئے پردیسی
موہے چھوڑ گئے پردیسی

کیا اچھا ہو پھر آئیں
اور ساتھ مجھے لے جائیں
پنھوں کی یاد ستائے
بھید اس کا کون بتائے

دل توڑ گئے پردیسی
موہے چھوڑ گئے پردیسی

—※※※—

تیسری داستان

نہیں منت پذیرِ کوہ و صحرا　　　جمالِ یار ہرجا ضوفشاں ہے
خوشا غمّازیٔ ذوقِ فراواں　　　بساطِ گوشۂ دل میں نہاں ہے
یہ سچ ہے مشکلاتِ زندگی میں　　　تلاشِ دوست سب سے جانستاں ہے

*

اگر ہے اے سسئی! درکار پنھوں　　　بنا اپنا کسی خلوت‌نشیں کو
وگرنہ عمر بھر ڈھونڈھا کرے گی　　　بیاباں در بیاباں اس حسیں کو

*

اسے اپنے ہی گھر میں ڈھونڈھ ناداں　　　کہ پنھوں ہے چراغِ زیرِ داماں
وہ تیری خلوتِ دل میں مکیں ہے　　　نہیں سرگشتۂ کوہ و بیاباں
نشانِ جلوہ‌گاہِ یار کیا ہے　　　فقط اک اعتبارِ چشمِ حیراں

*

نہ لے بیکار غیروں کا سہارا　　　مکیں ہے تیرے ہی دل میں وہ پیارا
اسے تو در بہ در کیا ڈھونڈھتی ہے　　　سمجھتی ہے جسے آنکھوں کا تارا

*

دلیلِ معرفت کب ہیں یہ راہیں　　　سسئی تو کیوں پریشاں کو بہ کو ہے
وہ دُرّۂ بے بہا ہے تیرے دل میں　　　زباں پر تیری جس کی گفتگو ہے

شعور خود شناسی چاهیے بس
جوخود تجھ میں ہے اس کی جستجو ہے ؟

*

ترا پنھوں ہے تیرے دل میں پنہاں
بیاباں کی طرف کیوں جا رہی ہے
ملے گا اس طرح کب 'ھوت' تجھ کو
فریب نو بہ نو کیوں کھا رہی ہے
"لطیف" اس کو وفا کیا راس آئے
جو فکر ماسوا میں ڈوب جائے

*

لگن پنھوں کی ہے جن کے دلوں میں
کہاں زیبا انہیں آوارگی ہے
سسئی کی خودفریبی ہے سراسر
کہ اس کو 'کیچ' ہی میں ڈھونڈھتی ہے

*

نہیں اب شکوۂ بے اعتنائی
گوارا ہے مجھے بے دست و پائی
یہ صحرا اور یہ کوہ و بیاباں
سراسر ہیں دلیل نارسائی
دماغ اس کا بھلا کیا ساتھ دے گا
جسے حاصل ہے دل کی پیشوائی
اسے درماندہ ہی رہنا پڑے گا
خودی جس شخص کے دل میں سمائی
جو 'آری' میں نظر آتی تھی مجھ کو
جھلک وہ روح کے نزدیک پائی
مری رگ رگ میں نغمہ زن ہے "پنھوں"
خوشا قسمت مری خود آشنائی

*

خدا ناخواستہ گمراہ ہو کر
خودی کی منزلوں میں کھو نہ جانا
خدا را کیچیوں کی نام لیوا
سراپا دردِ حسرت ہو نہ جانا

*

نہ ہو آمادۂ ترکِ محبت
مثالِ مشک تن من میں بسا لے
تجھے لازم ہے اے درماندہ راہی
محبت ہی کو تو رہبر بنا لے

وائی

کت گئے ہیں میرے ساجن، کیا کروں کہاں میں جاؤں
سکھیو! یہ بھول تھی میری، اب کیسے آن کو پاؤں
کت گئے ہیں میرے ساجن . . . .
میں سوتے سوتے جاگی اک ہوک اٹھی من رویا

موھے چھوڑ گئے پردیسی، میں کبتک نیر بہاؤں
کت گئے ہیں میرے ساجن . . . .

پریتم کا سندیسہ دے کر سکھیو! مرا من بہلاؤ
بیکل ہیں مری آشائیں بھید اپنا کسے بتاؤں
کت گئے ہیں میرے ساجن . . . .

—⁂—

چوتھی داستان

دیدنی ہے ہوس کا یہ انجام
سیکڑوں راہرو ہوئے ناکام
ہاں مگر جن کا رہنما ہے عشق
ان کی منزل ہے ان کا پہلا گام

*

عیب ہر ایک آدمی میں ہے
آدمیت کسی کسی میں ہے
جو بلا نوش ہیں وہ کیا جانیں
کیا مزہ دردِ تشنگی میں ہے
کون جانے کہ زیست کی معراج
جاں سپاری و تن دہی میں ہے

*

بس وہی دے سکے گی میرا ساتھ
جان کو جو نہ سمجھے اپنی جان
جاؤ اب لوٹ جاؤ اے سکھیو!
کیچ کا راستہ نہیں آسان

*

میری ہمجولیو! مری سکھیو!
وسعتِ کائنات ہے آگے
سہل اندیش کا یہاں کیا کام
امتحانِ حیات ہے آگے
جرأتِ عزمِ کوہ پیمائی
حدِ ناممکنات ہے آگے
نہ خودی ہے نہ بے خودی کوئی
آستانِ نجات ہے آگے

*

کوہساروں سے بھاگنے والی!
یہ سکوں کس کو راس آیا ہے
سخت مشکل ہے راہ منزلِ دوست
کس نے گھر بیٹھے اس کو پایا ہے

*

جاؤ پیاری سہاگنو! جاؤ — میری تقدیر میں ہے تنہائی
دے رہی ہے پیام رست و خیز — آتشیں دشت کی یہ پہنائی
پیارے پنھوں کے پیار نے مجھ کو — کر دیا وقف کوہ پیمائی
تم کو بھی پھونک لے نہ ساتھ مرے — آتش غم کی شعلہ آرائی
آرزوے وصال اے سکھیو! — ہائے مجھ کو کہاں کہاں لائی

*

ماں! مجھے اب سکون خاطر ہے — اس کی حلقہ بگوش ہوں اب میں
میری سج دھج رہے فقیرانہ — اس کی جوگن نہ کیوں بنوں اب میں

*

بزم خلد بریں سے بڑھ کر ہے — ساقیا! مجھ کو تیرا میخانہ
ہوگئی اس کی زندگی سرشار — جس نے چکھ لی، ہوا وہ دیوانہ
کون جانے کہ کیوں ہے مے آلود — یہ مرا خرقۂ فقیرانہ

*

بدگماں ہوگئے مرے دیور — خیر، اے ماں قصور وار ہوں میں
گیت گائے نہ پھول برسائے — میں نے جانا گناہگار ہوں میں
ہاں مگر اس بلوچ کا وعدہ! — ہمہ تن محوِ انتظار ہوں میں

*

ہائے تیرے سوا مرے پنھوں — دل مرا اور کس کو اپنائے
میرے پیارے کیا تھا جو وعدہ — کاش وہ تجھ کو یاد آجائے

*

یاد کر پہلے اپنا عہد وفا — اے تمنائے وعدۂ محبوب
سخت کوشی ہے عشق کا شیوہ — ہو رہی ہے سفر سے کیوں مرعوب
صرف قول و قرار کیا معنی؟ — سرنگوں انتظار کیا معنی؟

*

اے سسئی سن کے وعدۂ محبوب — بھول کر بھی کہیں نہ سو جانا
تو نے دیکھا نہیں ابھی شاید — حسن کا بے نیاز ہو جانا

*

چشم پرنم زباں پہ تیرا نام — دل پریشان اور ڈھلتی شام

اے تمنائے مسکنِ محبوب　　الجھنیں بڑھ رہی ہیں گام بہ گام
میں نہ لوٹوں گی، اب نہ لوٹوں گی　　لاکھ بھڑکائے شدتِ آلام

*

روک سکتی نہیں سفر سے مجھے　　میری مجبور آبلہ پائی
کہہ سکے کیا مجال کوئی مجھے　　ناشناسِ غمِ شناسائی
میری منزل ہے مسکنِ محبوب　　ہمت افزا ہے جادہ پیمائی

*

اشک آنکھوں میں پاؤں میں چھالے　　دل ہی دل میں گھٹے گھٹے نالے
میرے پیارے نہیں کوئی شکوہ　　جتنا بھی چاہے مجھ کو تڑپا لے
میں ترا آسرا نہ چھوڑوں گی　　اے مری زندگی کے رکھوالے

*

اے سسئی تجھ کو کون سمجھائے　　اب پتا ہے نہ کچھ نشاں ان کا
تو رہی محوِ خواب اے ناداں　　کر گیا کوچ کارواں ان کا

*

اہلِ بھنبھور لاکھ سمجھائیں　　وہ نہ سمجھے گی کچھ بجز محبوب
نہ ملے کارواں، گم گشتہ　　رہِ الفت میں موت بھی مرغوب
یہ خلوص و وفا، یہ صدقِ طلب　　ہوگئے ایک طالب و مطلوب

*

میری ہمجولیو! مری سکھیو!　　مشورہ دو نہ لوٹ جانے کا
اب یہ ہی ہے تلافیٔ مافات　　غم نہیں مجھ کو دکھ اٹھانے کا
شکر ہے مجھ کو عشق نے بخشا　　حوصلہ خود کو آزمانے کا

وائی

تجھ بن ٹیس ہی ٹیس ہے جیون اے مرے من کے میت
ہائے انوکھا دکھ ہے پریتم، تیری میری پریت
روگ میرا تن ہے سارا
مجھ برہن کا کون سہارا

بالم تیرے سوگ نے مارا
آجا تیرا نام ہے پیارا

من لے اے مرے سندر ساجن سانسوں کا سنگیت
ہائے انوکھا دکھ ہے پریتم تیری میری پریت

ہوک اٹھے دکھ بڑھتا جائے
مورکھ تانے دن یہ دکھائے
بیٹھی ہوں اب آس لگائے
تو میرا دکھ درد مٹائے

مان لے بات "لطیف" کی ساجن ہے یہ ہی پریم کی ریت
ہائے انوکھا دکھ ہے پریتم تیری میری پریت
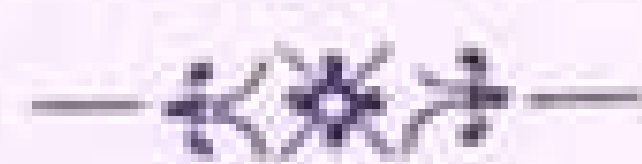
پانچویں داستان

منزلِ عمر بے نشاں معلوم — حاصلِ سعیٔ رائیگاں معلوم
اک طرف کیچ اک طرف بھنبھور — عشق کا عزم بے کراں معلوم
کوہ و صحرا میں جستجو کیسی — اور پنہوں کا آستاں معلوم
اب مجھے ماسوا سے کیا حاصل — اور جزا و سزا سے کیا حاصل

*

اپنی ہستی پہ چھا گیا جب خود — عشق پابندِ جسم و جاں نہ رہا
کوہ و صحرا بھی ہوگئے ناپید — فاصلہ کوئی درمیاں نہ رہا
مرحبا وصلِ شاہد و مشہود — کوئی تفریق کا گماں نہ رہا
خودشناسی خداشناسی ہے — ورنہ ہستی صنم تراشی ہے

*

جب میں 'بھنبھور' سے فرار ہوئی — مطمئن روح بے قرار ہوئی
میرا 'پنھوں' مجھی میں تھا پنہاں — بے سبب اتنی سوگوار ہوئی

اب نہ وہ درد ہے نہ وہ آزار وہ اسیری نہ وہ در و دیوار

*

آپ ھی بن گئی ھوں میں 'پھنوں' آگئی راس مجھ کو تنہائی
اب وہ شرم و حجاب کیا معنی؟ لوگ کہتے ھیں مجھ کو سودائی
میری رگ رگ میں نغمہ زن محبوب مرحبا میری خودشناسائی
کچھ نہیں فرق خالق و مخلوق جز تماشائے شانِ یکتائی
بس وھی ایک منزلِ آخر اک بہانہ ہے جادہ پیمائی

*

ظاھری علم و آگہی کب تک وقفِ اوھام زندگی کب تک
خود سسئی اور خود ھی پنھوں ھوں اے غمِ عشق یہ دوئی کب تک

*

سامنے اس کے موت بھی کیا ہے ھائے یہ مرحلہ جدائی کا
توڑ ڈالے نہ کوھسار کہیں سلسلہ جرأت آزمائی کا
اے مرے پنھوں! اے بلوچ مرے سامنا ھو نہ جگ ھنسائی کا
اس سے پہلے کہ جان سے جاؤں میں تجھے اپنے سامنے پاؤں

*

دیکھ کر اپنی خانہ ویرانی رو رھی ھوں میں ان سہاروں کو
جن کے دھوکے میں آ کے مجبوراً کھودیا تھا شتر سواروں کو

*

اے وصالِ دوام کی طالب کچھ نہیں تیرے درد کا درماں
اپنی ھستی مٹا کے دیکھ ذرا کیا دکھاتا ہے دیدۂ حیراں
کونسی شے ہے وہ نہیں جس میں ذرہ ذرہ ہے مظہرِ جاناں

*

غور سے دیکھ آئینہ دل کا عکس ہے اس میں حسنِ کامل کا
راہ کیا پوچھتی ہے غیروں سے ان کو کیا علم تیری منزل کا
پیار کی شرط ہے فقط ایثار پیار بکتا نہیں سرِ بازار

*

تیری جھولی میں ہے وہ پہلے سے
مانگتی پھر رہی ہے جس کی بھیک
دیکھ اٹھا کر نقابِ ہستی کو
کہ رگِ جاں سے بھی ہے وہ نزدیک

*

آخر کار یہ ہوا معلوم
مجھ کو تیرا پتا لگانے میں
نور تیرا محیطِ عالم ہے
کوئی تجھ سا نہیں زمانے میں

*

جاوداں میری سعیٔ پیہم ہے
میرا عزمِ حیات محکم ہے
اے تمنائے جلوۂ جاناں
ہر طرف ایک ہی سا عالم ہے
میری ہستی ہے شعلہ زارِ طلب
گل فشاں جس میں آتشِ غم ہے

*

کیا بتاؤں رہِ محبت میں
میں نے پایا بھی کچھ تو کیا پایا
جب کسی اہلِ کیچ کو دیکھا
میں نے پنھوں سمجھ کے اپنایا
اے مرے دلنواز 'آریانی'
ہر طرف تو ہی تو نظر آیا

*

رات دن تیری جستجو مجھ کو
راہبر جذبۂ محبت ہے
تیرا پرتو ہے روح وارفتہ
ہر تمنا تری امانت ہے
درمیاں ہے حجابِ عشق ابھی
یہ اُنھالوں تو عینِ راحت ہے

*

یوں بھٹکتی نہ کوہساروں میں
دور ہوتا نہ مجھ سے 'آریانی'
کیا خبر تھی کہ پیار کے بدلے
ہاتھ آئے گی یہ پریشانی
میں جھلک دیکھتے ہی پنھوں کی
جانے کیوں ہو گئی تھی دیوانی
کچھ نہ سوچا تھا میں نے اے سکھیو!
ہائے میں اور میری نادانی
دے گئے جُل مجھے مرے دیور
آہ نادانی، اُف پشیمانی

*

وائی

میں آن پھنسی بپتا میں
پریتم موھے دھیر بندھانا
سجنا موھے چھوڑ نہ جانا

سنسان یہ پربت ڈگر ھے
کیا جانوں کیچ کدھر ھے
میرے پنھوں راہ سُجھانا
سجنا موھے چھوڑ نہ جانا

ھر گھاٹی ھے انجانی
ھو کہاں مرے آریانی
میری جیون جوت جگانا
سجنا موھے چھوڑ نہ جانا

چھٹی داستان

بے قراری بڑھا گیا کوئی
جسم و جاں میں سما گیا کوئی
میرا تن من جلا گیا کوئی
آگ ایسی لگا گیا کوئی
سایۂ زلفِ یار کیا کہیے
کتنے فتنے جگا گیا کوئی

*

سایۂ زلفِ یار نے مارا
عارضِ تابدار نے مارا
کر کے بیخود براھتمامِ وفا
اک سلیقہ‌شعار نے مارا
ھائے یہ رات تیرہ و تنہا
یادِ گیسوئے یار نے مارا
سر بہ سر درد لا دوا بن کر
خود مرے حالِ زار نے مارا
مرگِ عاشق نہیں شہادت ھے
مطمئن ھوں کہ پیار نے مارا

*

تجھ سے وابستہ ھر تمنا ھے
رحم کر اپنے جاں نثاروں پر
رحمتِ بے حساب کے قرباں
یوں خفا ھو نہ خاکساروں پر

کون ہے مجھ غریب کا والی
جان لیوا ہے کوہ پیمائی
جی رہی ہوں ترے سہاروں پر
ہو نہ جاؤں ہلاک تنہائی

*

میں تری جستجو میں سرگرداں
نظر التفات کے قرباں
قہر زیبا نہیں غریبوں پر
رات دن صبح و شام ہوں پیارے
رہرو تشنہ کام ہوں پیارے
مجھ سے نادار کم نصیبوں پر

*

سنگدل کوہسار سے کہہ دو
کیوں دکھاتا ہے تو مجھے آنکھیں
میرا محبوب آریانی ہے
جاں بلب میری ناتوانی ہے

*

زخم ہی زخم پائے نازک میں
راحت وصل کی نوید ملے
کیوں بھٹکتی ہوں کون ہے محبوب
ہائے گم گشتہ کیچیوں کی یاد
دید کا شوق چشم حیراں کو
کاش میرے دل پر ارماں کو
کیا خبر وسعت بیاباں کو
مضطرب کیوں نہ ہو دل ناشاد

وائی

انجانی راہ دکھا کر
دکھ میرا اور بڑھا کر
موہے اپنی اور بلا کر

ترسائیں گے ساجن پیارے
لوٹ آئیں گے ساجن پیارے

مجھ برہن کو اپنا کر
پاس آ کر گلے لگا کر
نینوں سے پریم جتا کر

لے جائیں گے ساجن پیارے
لوٹ آئیں گے ساجن پیارے

—⁂—

ساتویں داستان

تیرا ہر نقشِ پا مرے پیارے — کیچ کا راستہ دکھاتا ہے
اب سرِ راہ بیٹھنا کیسا — سعیٔ پیہم یہ حرف آتا ہے
وصل اُس کا نصیب ہو یا رب — جو مرے حوصلے بڑھاتا ہے

*

اُن سے کہہ دو کہ ہوں کمر بستہ — جن کو وندر کی سمت جانا ہے
راہِ دشوار، جستجو سے گریز — آپ اپنا مذاق اُڑانا ہے

*

مضطرب ہے مری نگاہ ابھی — نامکمل ہے رسم و راہ ابھی
اے تمنائے جلوۂ جاناں — دور ہے دور جلوہ گاہ ابھی
جارہی ہوں جہاں ہے وہ غمخوار — موت آساں ہے زندگی دشوار

*

وہ شبِ وصل تیرا گم ہونا — اب کہاں سے میں ڈھونڈھ کر لاؤں
اے اجل مجھ کو اتنی مہلت دے — سرخوشِ جامِ شوق ہو جاؤں
مرکزِ انتشارِ غم ہے دل — ایک شیرازۂ الم ہے دل

*

دیکھ اے لذتِ فراقِ یار — پا بہ زنجیر ہوگئی ہوں میں
وہی مختارِ جسم و جان ہے میرا — جس کی اُلفت میں کھو گئی ہوں میں

*

رتبۂ مرگِ رہروانِ عشق — سہل اندیش لوگ کیا جانیں
میں نے اس راہ میں جو دیکھا ہے — وہ محبت کے آشنا جانیں

*

اب سرِ راہ بیٹھنا نہ کہیں — دیکھتا ہے وہ رہنما تجھ کو
دیدۂ تر سے خیرمقدم کر — گر ملے اس کا نقشِ پا تجھ کو
تیری خوش قسمتی کہ پنہوں نے — کر دیا منزل آشنا تجھ کو

*

پائے درماندہ چشمِ خوابیدہ
راہِ الفت کو سازگار نہیں
عشق کا سوز و ساز کیا جانے
جو سرِ راہ اشکبار نہیں
زندگی ایک جاوداں تگ و دو
اس سے کوئی رہِ فرار نہیں
حاصلِ عشق پیچ و تابِ دوام
فرصتِ راحت و قرار نہیں

*

آرزو، جستجو، خلش، تگ و دو
بے بسی، درد، کرب، غم، آزار
کوھساروں کے سلسلے، توبہ
سانس لینا بھی ھوگیا دشوار
دیدنی ھے سسئی کی بیتابی
جیسے بیم و رجا میں ھو تکرار
کون جانے "لطیف" کب ھو سسئی
واصلِ خاکِ آستانۂ یار

*

بڑھتا ھی جارھا ھے گام بہ گام
سلسلہ میری نارسائی کا
وہ خلش دے گئے مرے دیور
جس سے امکاں نہیں رھائی کا

*

اے نگہدارِ نقشِ پائے دوست
دل کی بےتابیاں بڑھائے جا
اِن خطرناک کوھساروں میں
جرأتِ شوق آزمائے جا

*

کردیا شوق نے کمربستہ
شدتِ درد سے نہ گھبرائی
کون جانے سسئی کا عجز و نیاز
محوِ حیرت ھے ھر تماشائی
جذبِ دل کی کوئی مثال نہیں
'عوت' کو 'حب' سے کھینچ لے آئی
آخر کار مل گیا محبوب
آگئی کام کوہپیمائی

*

تشنگی، پیچ و تاب کا عالم
اک مسلسل سراب کا عالم
وسعتِ کوھسار صبرشکن
لمحہ لمحہ عتاب کا عالم
وصلِ جاناں کا پیش خیمہ ھے
نو بہ نو اضطراب کا عالم

*

ڈوب اپنے ضمیر کے اندر
صحبتِ دیگراں سے کیا حاصل
اے تمنائے جلوۂ جاناں
صرف آہ و فغاں سے کیا حاصل

مسلک عشق شانِ درویشی　　کرؐ و فرؐ جہاں سے کیا حاصل

*

ایک ہیجانِ بے کراں دل میں　　اتنی بے چین اس قدر خاموش
جستجوے نشانِ منزل میں　　آتنی بے چین جس قدر خاموش

*

اے سسئی اپنے دل کی آگ کو تو　　ہر طرف شعلہ ریز ہونے دے
آتش غم ہے زندگی کی دلیل　　آتشِ غم کو تیز ہونے دے

*

راز رسواے اشک و آہ نہیں　　رازداں جُز دلِ تباہ نہیں
کھودیا جس نے تیرے پنھوں کو　　وہ خودی طالبِ گواہ نہیں
خیر اتنا تو ہوگیا ثابت　　خود فریبی دلیلِ راہ نہیں

وائی

یہ جیون ایک سفر ہے　—　پربت پہ بربت ڈگر ہے

'آری' ! مری آنکھ کا تارا
مرا پنھوں پیارا پیارا
مجھے جس کے سوگ نے مارا
نہیں کوئی اور سہارا
سنسان جگت ہے سارا

مرے من کا میت کدھر ہے　—　پربت پہ پربت ڈگر ہے

پھرتی ہوں آس لگائے
برھا کی ہوک چھپائے
بھنبھور میں چین نہ آئے
دن رین جیا گھبرائے
کب ساجن مجھے بلائے

سپنوں میں پریم نگر ہے　—　پربت پہ پربت ڈگر ہے

داسی میں بلوچوں کی ہوں
چرنوں کی دھول بنی ہوں
برہن ہوں اور دکھی ہوں
بھنبھور سے کیچ چلی ہوں
بیکل اب جیتے جی ہوں
بن باس ہی میرا گھر ہے — پربت پہ پربت ڈگر ہے

آٹھویں داستان

میں بے ہمدرد، بے کس، بے سہارے — کھڑی ہوں منتظر 'حب' کے کنارے
رواں ہیں دم بدم آنکھوں سے آنسو — خدارا آبھی جا اے میرے پیارے
کہاں تک میں رہوں گی دور تجھ سے — مرے پنھوں! مری آنکھوں کے تارے

*

وہی تو آرزوئے جسم و جاں ہے — وہی تو آبروئے امتحاں ہے
کہاں ہے میرا پردیسی کہاں ہے — بڑی مشکل میں جانِ ناتواں ہے
وہی اس تنگنائے زندگی میں — دلِ وسعت طلب کا رازداں ہے
یہاں زادِ سفر کا ذکر کیسا — نظر میں کائناتِ بے کراں ہے

*

ہوئی ہے گامزن تیرے سہارے — تری نا آشنائے راہ پیارے
نہایت پُرخطر ہے وسعتِ دشت — برا ہے حال میرا ڈر کے مارے
عجب کیا راہ سے لوٹ آئے پیارا — کہ دل میں ہیں ابھی ارمان سارے

*

نہیں کوئی سسئی کا اب سہارا — گیا ہے چھوڑ کر جب سے وہ پیارا
کیا ہے ریگزاروں نے پریشاں — محبت نے اسے بے موت مارا
"لطیف" اس میں بھی کوئی مصلحت ہے — وگرنہ کس کو یہ زحمت گوارا
ملادے پھر اسے پنھوں سے اپنے — مدد اے جذبۂ الفت! خدارا

*

سسئی کو آ کے عزرائیل نے جب
گراں خوابی کے عالم میں جگایا
بظاہر اور ھی منظر تھا لیکن
وہ یہ سمجھی پیامِ دوست آیا

*

سسئی نے دفعتاً آن سے یہ پوچھا
نکیریں اس کی پرسش کو جب آئے
کہو اے میرے دل کے رازدارو
تم اپنے ساتھ پنھوں کو بھی لائے

*

ٹپک اے قطرۂ خونِ تمنا
برنگِ بادہ میری چشمِ نم سے
ملی ھے کس کو دنیا میں رھائی
غم سود و زیان و کیف و کم سے
دیارِ دوست کی جانب بڑھے جا
نہ گھبرا رھگذر کے پیچ و خم سے

*

اے بھنبھور سے اب کیا تعلق
سسئی آوارۂ راہِ وفا ھے
وصالِ دوست کی اک یادِ رفتہ
دلِ درد آشنا کا مدعا ھے
بجز رنگینیٔ خونِ تمنا
مآلِ جستجوئے شوق کیا ھے
"لطیف" اس کو کہیں سے ڈھونڈ لائیں
وہ پیارا جو اچانک کھو گیا ھے

*

مبارک عزمِ کہسار و بیاباں
نہیں وہ ھوت اب' ھارنے میں ناداں
نہ ھونا سختیٔ رہ سے پریشاں
اگر ھے آرزوئے وصلِ جاناں

*

بڑھے جا رہ نوردِ کوہ و صحرا
گلہ کیسا غمِ درماندگی کا
اگر پنھوں کی ھے دل میں تمنا
مٹا دے خوف دل سے بے کسی کا
مٹا کر ریت کو رستہ بنانا
کہیں تو اس کے نیچے دب نہ جانا

*

یہ سنگ و خشت میں یہ پیچ و خم ھیں
انھوں نے تھا جہاں ڈیرا جمایا
خدا جانے کہاں گم ھو گئے وہ
نشان آن جانے والوں کا نہ پایا
مگر صد آفریں اے سعیٔ پیہم
سسئی کو تو نے کیا سے کیا بنایا
"لطیف" ان کوھساروں کو دعا دو
سسئی کو کیچ کا رستہ دکھایا

وائی

تم بن میرے پریتم پیارے تڑپوں گی دن رین
جاؤ نہ چھوڑ کے مجھ کو اکیلی جیارا ہے بے چین

سکھیو! آؤ منائیں
ساجن روٹھ نہ جائیں

بھاڑ میں جائے یہ جگ جیون چھوڑو پیا نہ ساتھ
مجھ اندھی کا کون سہارا رکھیو ہاتھ، میں ہاتھ

نینا نیر بہائیں
ساجن روٹھ نہ جائیں

ھائے وہ اونٹ جو میرے من کو مار گئے بن موت
سندر سپنوں کی ہر آشا بن گئی میری سوت

اپنا میت بنائیں
ساجن روٹھ نہ جائیں

—⁂—

نویں داستان

تجھے جس کی تمنا ہے وہ محبوب ملے گا باوجودِ نارسائی
یہ عزمِ رہروی اے سعیٔ پیہم مٹادے گا حدودِ نارسائی

*

وہ بیگانہ سہی جس کی طلب ہے کوئی کجرو آسے کب پاسکا ہے
بغیر اک رہروِ راہِ طلب کے سرِ منزل بھلا کون آسکا ہے

*

کہیں دھوکا نہ دے مجھ غمزدہ کو خرامِ دشت پیمائے ہوا بھی
کہیں یہ ریگ صحرا گم نہ کردے مرے پنھوں کے پیارے نقش پا بھی

*

ابھی اے آرزوے وصل جاناں　　مری قسمت میں ھیں کوہ و بیاباں
مرے پنھوں کا نقش پا مٹا کر　　صبا نے کردیا مجھ کو پریشاں

*

گذرنا ھے تجھے بھی اب ادھر سے　　گئے ھیں کیچ کو ناقے جدھر سے
خدارا مبتلاے بار ھستی　　سبق لے اس غبار رھگذر سے

*

تلاش دوست میں ھر ایک منزل　　فریب راہ ھے منزل نہیں ھے
تیری رھبر ھے پیہم بے قراری　　تمناے سکون دل نہیں ھے
کوئی کہدے سسئی سے جا کے "سید"　　محبت سعی لا حاصل نہیں ھے

*

گھسٹتی جارھی ھوں میرے پیارے　　میں لے کر اپنی کہنی کا سہارا
نہیں اب پیر اٹھانے کی سکت بھی　　نہ کر اب دیر آنے میں خدارا

*

سسئی کی سعی پیہم رنگ لائی　　اسے راس آگیا درد جدائی
بخیر و عافیت 'حب' سے گذر کر　　نوید آسائش منزل کی پائی

*

قسم ھے تجھ کو درماندہ نہ ھونا　　کسی مشکل سے مشکل مرحلے میں
سفر ھر ایک راھی کے لیے ھے　　نہ آئے فرق تیرے حوصلے میں

*

کہاں ھے اے مری آنکھوں کے تارے　　بڑی بے چینیوں میں دن گذارے
بنے گرد سفر کتنے بیاباں　　تجھے اب تک نہ پایا میرے پیارے
میں کیا خاطر میں لاؤں مشکلوں کو　　سمجھتی ھوں ترے پیہم اشارے
بتا اے آرزوے دید جاناں　　کہیں دیکھے ھیں ایسے غم کے مارے
"لطیف" اس راھرو پر آفریں ھے　　جو اس عالم میں بھی ھمت نہ ھارے

*

کہاں تک دشت پیمائی کا شکوہ　　یقیں ھے تیرے پاس آؤں گی پیارے

بھٹکتی ھی رھوں گی تیری خاطر
مصائب سے نہ گھبراؤں گی پیارے
یہ نازک پیر اور خار مغیلاں
مگر جیسے بھی ھو، جاؤں گی پیارے
ندامت سے جھکا کر اپنے سر کو
تجھے پھر سے منالاؤں گی پیارے

*

اسے کیوں شکوۂ درماندگی ھو
جسے اس کی محبت کھینچتی ھو
گذر جائے گا کوہ و دشت و درے
وہ جس کی آس پنھوں سے لگی ھو
مقدر میں ھے اس کے سرفرازی
میسر جس کو ایسی زندگی ھو

وائی

پھروں میں ڈگر ڈگر دن رین

ترس ترس گئے میرے نین
پربت پربت گھاٹی گھاٹی تیری کھوج لگاؤں
پھر بھی اے ابھمانی پریتم! تیرا بھید نہ پاؤں

آجا لوٹ کے من بیکل ھے
آئے نہ تجھ بن چین
پھروں میں ڈگر ڈگر دن رین

کہنے کو ھوں اور کسی کی پر ھے تجھ سے پیار
مورکھ ھے وہ سکھی جو بالم! جائے نہ تیرے دوار

ڈھونڈ رھے ھیں امرت رس کو
میرے پیارے نین
پھروں میں ڈگر ڈگر دن رین

—⋇⋇⋇—

دسویں داستان

سن مری روح کی پکار نہ جا　　جا نہ اے جانِ انتظار نہ جا
دلِ مضطر ہے سوگوار نہ جا　　ہوک اٹھتی ہے بار بار، نہ جا
یہ بیاباں، یہ صعوبتِ راہ　　یہ درندے یہ ریگ زار نہ جا
میں نہ جاؤں گی لوٹ کر پیارے　　کر بھی لے میرا اعتبار نہ جا
کیسی بے چین ہوں تری خاطر　　دیکھ تجھ سے ہے کتنا پیار نہ جا

*

تجھ سے اب تک نباہ کرتی ہوں　　اعترافِ گناہ کرتی ہوں
دشت و کہسار تک بھی چیخ اٹھے　　کس قیامت کی آہ کرتی ہوں

*

غم سے مانوس ہو گئی ہوں میں　　وہ خوشی ہے نہ وہ زمانہ ہے
اب تو وہ ذوق و شوق کا عالم　　ایک بھولا ہوا فسانہ ہے

*

جس سے وابستہ ہے مری تقدیر　　اس کی آمد ہے زیست کا پیغام
سر بہ سر اضطرابِ شوق ہوں میں　　اب مجھے صبر و شکر سے کیا کام

*

زندگی صبر و شکر کے با وصف　　ناوکِ غم سے دلفگار رہی
کون جانے کہ میں تری خاطر　　تا ابد وقفِ انتظار رہی

*

روئے زیبا ذرا دکھا جاؤ　　دل پریشاں ہے اب تو آ جاؤ
پھر مرا شوق کم نہ ہو جائے　　آو آ کر اسے بڑھا جاؤ
دیکھ کر تم کو کچھ نہ دیکھ سکوں　　چشمِ حیراں میں یوں سما جاؤ

وائی

نینا درشن کی ابھلاشی ہیں اب تو آ جاؤ
پل بھر کو بھی چین نہیں ہے ساجن دھیر بندھاؤ

داسی بنکر اونٹ تمہارے پربت پر لیجاؤں گی
اپنے من کا سکھ سمجھوں گی جتنے دکھ بھی پاؤنگی

پریم پجارن ہوں میں اپنا تن من بھینٹ چڑھاؤنگی
کیچ کے ہر اک کاگا کو میں چن چن ماس کھلاؤنگی
مان لو بات "لطیف" کی پیارے' آربانی' آ جاؤ
پل بھر کو بھی چین نہیں ہے ساجن دھیر بندھاؤ

—⁂—

گیارھویں داستان

دلِ پر سوز کی ہمراز ہو جا
رواداری نگاہ ناز ہوجا
سمجھ اس نغمۂ ایما کی لے کو
بذاتِ خود سکوتِ ساز ہوجا
صدائے محرمانہ آ رہی ہے
سراپا گوش بر آواز ہوجا

*

بنائے غیریت تیری خودی ہے
عبث یہ وقفۂ بیگانگی ہے
یہ قید و بندِ حرف و نغمۂ و صوت
حریف اعتمادِ عاشقی ہے
نہیں جنبش بھی اب اس کے لبوں کو
جسے حاصل سکوتِ آگہی ہے
سراپا گوش بر آواز ہو جا
بڑی پر سوز لے اس نغم کی ہے
دلوں میں ایک ہیجانِ مسلسل
فضا میں ارتعاشِ سرمدی ہے

*

کبھی تو نالۂ پرجوش ہو جا
کبھی خود ہی سراپا گوش ہوجا
بہر صورت مٹادے اپنی ہستی
بہر عنوان حریفِ ہوش ہوجا
نگاہ دوست تیرا خوں بہا ہے
یہی مفہومِ تسلیم و رضا ہے

*

کہاں یہ شاخہائے نو دمیدہ
ملیں گی پھر تمہیں اے سارہانو!
تمہارے کام آئیں گی سفر میں
لیے جاؤ انہیں جو میری مانو

*

جدھر دیکھو غبارِ رہگذر ہے
کدھر ہے نقش پا تیرا کدھر ہے

کہاں ہے روشنی، دل کہ در پیش　　جہاں کا تیرہ و تنہا سفر ہے

*

مجھے محسوس ہوتا ہے یقیناً　　کہ برگ و بار ہیں تیرے نظارے
مداوا چشمِ حیران کا ترا نور　　انیسِ زندگی تیرے اشارے

*

تفاوت ظاہر و باطن میں رکھنا　　بہر عنوان حریفِ مدعا ہے
ترے ہر فعل سے ثابت ہو پیاری　　کہ تیرا دل حقیقت آشنا ہے

وائی

یہ برھن تمھیں پکارے　　لوٹ آؤ پریتم پیارے
بھنبھور کو چھوڑ چلی ہوں
سب ناتے توڑ چلی ہوں
سکھ سے منہ موڑ چلی ہوں

نینا ہیں پریت کے مارے
لوٹ آؤ پریتم پیارے

جس نے یہ چوٹ نہ کھائی
کیا جانے پیڑ پرائی
ہو لاکھ مری رسوائی

آؤں گی پاس تمھارے
لوٹ آؤ پریتم پیارے

—***—

ابیات متفرقہ

نیند آنکھوں میں کروٹیں لے کر　　آج تیری تلاش کرتی ہے
روحِ ماضی میں ٹیس سی اٹھ کر　　حال کو پاش پاش کرتی ہے
اور ٹھہرے ہوئے دکھوں کو جب　　مائلِ ارتعاش کرتی ہے
میری ہستی مچلنے لگتی ہے　　تیری یادوں میں ڈھلنے لگتی ہے

*

میں دلدادہ ہوں تیری میرے 'آری'
کروں یہ التجا میں اور کس سے
عطا کر مجھ کو ایسا عزمِ راسخ
وقارِ کوہ شرمندہ ہو جس سے

*

سسئی تجھ کو اگر پیارا ہے 'آری'
بھکارن بن کے اس کو ڈھونڈ پیاری
بسر کرنی ہے اب پنھوں کی خاطر
بیاباں در بیاباں عمر ساری

*

بجا آسائش و آرام اپنا
مگر بہتر ہے تیری بے قراری
نہیں اے رہرو راہِ تمنا
صلائے عام یہ الفت شعاری

*

کسی کی اجنبی نظروں کی خاطر
نہ جانے کیوں ہے اس کو بے قراری
کوئی جانے گا کیا دکھ درد اس کا
عجب عالم میں ہے یہ غم کی ماری

*

سپیروں کی طرح بیباک ہو کر
بیاباں در بیاباں گھومتی ہے
"لطیف" اِن روح فرسا وادیوں میں
خدا جانے سسئی کیا ڈھونڈتی ہے

*

یہ تیرا رشتہ و پیوند آن سے!
وطن جن کا ہے کوسوں دور پیاری
ملے شاید پتا ان کا کسی سے
کبھی ہمت نہ ہارا اے غم کی ماری
کہاں کی دھوپ کیسی چھانو آجا
ترا مسلک ہے پیہم بے قراری

*

وہ دیور تو ہیں پہلے ہی سے بدظن
مجھے اب آن سے امیدِ وفا کیا
رہے بھنبھور میں اب کس کی خاطر
اسے درکار پنھوں کے سوا کیا
"لطیف" اس رہ گذارِ پُرخطر میں
سسئی کو اور کوئی آسرا کیا
فقط اک اعتبارِ وصلِ جاناں
مداوائے دلِ درد آشنا کیا

*

کہیں ایسا نہ ہو اے غم رسیدہ
کہ تو پنھوں کو اپنے بھول جائے
سوا اس کے نہیں کوئی بھی تیرا
جو اس بے چارگی میں کام آئے
محبت میں وہی جیتے گا آخر
جو ہنستے کھیلتے ہر دکھ اٹھائے

وائی

کوئی عالم ہو تیری آرزو ہے
جہاں جاتی ہوں تیری جستجو ہے

فراز کوہسار و وسعت دشت
بڑی پرکیف سعئ جستجو ہے

کہاں ڈھونڈوں تجھے اے میرے پنھوں
کہاں وہ ناقۂ آوارہ خو ہے

جبین شعلہ آسا کو ابھی تک
سکون سنگ در کی جستجو ہے

خدارا اب وہیں مجھ کو بلالے
جہاں اے پیارے 'آری جام' تو ہے

وائی

صدائے آرزو بن کر وہ پیارا
مرے ہر ریشۂ جاں سے پکارا

وہیں اب بھیج دو مجھ کو خدارا
جہاں ہے وہ مری آنکھوں کا تارا

مجھے بھنبھور میں روکو نہ سکھیو!
نہ مانوں گی میں اب کہنا تمہارا

یہ کیسی آگ ہے اے وحشت دل
سلگ اٹھا ہے میرا جسم سارا

سہارا دے مجھے اے سعئ پیہم
نہیں درماندگی مجھ کو گوارا

"لطیف" اب کیا کریں ذوق طلب کو
ہوا ہے سامنے وہ جلوہ آرا

وائی

خدارا روٹھ کر مجھ سے نہ جاؤ
مرے پنھوں کہاں ہو لوٹ آؤ

نہ ھانکو کیچیو! اونٹوں کو اپنے
مرے نزدیک انھیں لاکر بٹھاؤ
جہیز اپنا لیے بیٹھی ہوں کب سے
کہاں ھیں میرے باراتی بلاؤ
وھی رونق وھی جشن طرب ہو
اب آجاؤ مری شادی رچاؤ
کوئی دکھ بانٹنے والا نہیں ھے
نہ اب اس سے زیادہ دل دکھاؤ
نہیں بھنبھور میں اب کوئی میرا
تمھیں آکر مجھے اپنا بناؤ

وھی ھے بے وسیلوں کا وسیلہ
"لطیف" آؤ اسی کے گیت گاؤ

وائی

تھکی ھاری اکیلی بے سہارے
نہ جانے کیچ کب پہنچوں گی پیارے
ھوئی ھے شام سورج ڈوبتا ھے
کہاں ھے اے مری آنکھوں کے تارے

*

نشاں ان سے میں تیرا پوچھتی ہوں
مگر یہ اجنبی دھقان بچارے
بتائیں گے بھلا کیا تو کہاں ھے
مجھے اے کاش تو خود ھی پکارے

*

نہیں رکتے مری آنکھوں کے آنسو
پھٹا جاتا ہے سینہ غم کے مارے
میں تیری خاکِ پا بن کر رہوں گی
بجا لاؤں گی تیرے حکم سارے

وائی

کوئی ہمدم نہ کوئی راہبر ہے
میں تنہا اور یہ لمبا سفر ہے
پیادہ پا ہوئی ہوں کوہ پیما
دیارِ غیر راہ پُرخطر ہے
نشاں تیرا بتائے گا کوئی تو
مرا غم آشنا ہر اک شجر ہے
جلا کر اپنے گھر کو پوچھتی ہوں
بتا اے بیکسی جانا کدھر ہے
تیرے ہونٹوں سے مے پینے چلی ہوں
ترا ہر نقشِ پا مجھ کو خضر ہے

وائی

کوئی دیکھے تو میری چشمِ گریاں
کوئی سمجھے مرا حالِ پریشاں
سحر ہوتے ہی میں جاؤں گی سکھیو!
بلاتے ہیں مجھے کوہ و بیاباں
خداوندا! کوئی رہگیر آکر
بتادے مجھ کو راہِ شہر جاناں

وائی

مری سکھیو! مجھے ایسی دعا دو
نثارِ جلوۂ جاناں بنا دو

سفر در پیش ہے اب آخرت کا
مجھے کچھ کام کی باتیں بتادو
لحد میں جن سے دل کو چین آئے
وہ آداب حکیمانہ سکھادو

خدا اور اس کے پیغمبر کی خاطر
کوئی پیغام جاں پرور سنادو
میں اب جاکر نہ واپس آسکوں گی
بھلادو اب مجھے دل سے بھلادو

وائی

سکھی دل کی لگی دل میں چھپائے
پھروں گی اب سجن سے لو لگائے
چلو اے پیاریو! چل کر منائیں
خدا جانے وہ آئے نہ آئے
کسی کی کیا مجال اے همنشینو!
کہ بات اس دلربا کی ٹال جائے
بھکاری بن کے اکثر عاشقوں نے
درِ محبوب پر ڈیرے جمائے
کوئی خالی نہ آیا جس کے در سے
مجھے بھی کاش وہ داتا بلائے

وائی

کہی ہے بات جو اس آشنا نے
میں جانوں اور یہ دنیا نہ جانے
خبر بھی ہے تمہیں اے کوہ و صحرا
مجھے جانا ہے پنھوں کو منانے
محبت میں اسی کی جیت ہوگی
جو ہارے اور ہار اپنی نہ مانے

اجل کی گود یا آغوشِ جاناں
حقیقت ایک، باقی سب فسانے
اشاروں پر کسی پردہ‌نشیں کے
یوں‌ھی بنتے بگڑتے ھیں زمانے

وائی

مرے پنھوں! میں جب وندر میں آئی
گماں یہ تھا کہ تیری راہ پائی
بیاباں ھی بیاباں اور وہ بھی
فقط پیمانۂ صبر آزمائی
نہ آتے کیچ سے پنھوں کے بھائی
یقیناً اُن کے دل میں تھی بُرائی
فریب ایسا دیا مجھ کو کہ آخر
ھوئی مجبورِ دردِ نارسائی
تری خاطر بیاباں میں بھی خوش ھوں
گوارا ھے مجھے تیری جدائی
مرے پنھوں! کوئی شکوہ نہیں ھے
اسی میں ھے اگر میری بھلائی
سنا ھے اپنے اونٹوں کو سجائے
جتوں کی ایک ٹولی آج آئی
کیا آرام اس وادی میں لیکن
کسی کو بھی خبر ھونے نہ پائی
"لطیف" اُن کو کوئی ڈھونڈے کہاں تک
جو خود کرتے ھیں اپنی رھنمائی
رہِ منزل بھی ھیں منزل بھی ھیں وہ
نہ گمراھی نہ خوفِ نارسائی

—✲—

سر معذوری

سر معذوری

پہلی داستان

کاہش جانِ خلوص، قلب کے ساتھ
'ہوت'! تیری طرف رواں ہوں میں

منتظر ہیں سگانِ کوچۂ یار
اُن کی خادم بہ جسم وجاں ہوں میں

سنگریزے ہی سنگریزے ہیں
اور دیبا و پرنیاں ہوں میں

دم بخود ہوں تری تمنا میں
والہانہ رواں دواں ہوں میں

*

سامنے ہے شکار چُپ ہوجا
اے سگِ کوئے یار چپ ہوجا

پیارے پنہوں کے پیار کی ماری
میں ہوں اک خاکسار چپ ہوجا

کیوں سمجھتا ہے اجنبی مجھ کو
اے مرے رازدار چپ ہوجا

میں ہواخواہِ وصلِ جاناں ہوں
اے سگِ کوئے یار چپ ہوجا

*

اس کی صورت سے جو نہیں ڈرتے
اُن سے مانوس ہو کے رہتا ہے

اے دلِ بے قرار سُنتا جا
کیا سگِ کوئے یار کہتا ہے

*

تو کسی اور کو نہ زحمت دے
کام میرا تمام کرتا جا

اک ذرا اپنے دستِ نازک کو
سائلِ انتقام کرتا جا

*

جہاں مردار ہے اہل جہاں سگ
یہ جگ والوں کی حالت ہے یہ ہے جگ

*

مثلِ مردار ہے جہاں کہ یہاں
ہم نے دیکھی بشر میں خوئے سگاں

قدر کیا جانیں ان کی اہل ہوس
خون دل پی کے جو ہوئے ہوں جواں

*

جان کر مجھ کو طالب دیدار
چونک اٹھے سگان کوچۂ یار
اپنے مالک کے حکم سے مجبور
یہ وفا کیش اور خلوص شعار
چاہتیں ہیں جو اُن کے مالک کو
یہ ستاتے نہیں انہیں زنہار

*

اُن کے آقا نے اُن کو اکسا کر
دم بہ دم بھونکنا سکھایا ہے
ورنہ کیا ہیں سگان کوچۂ یار
کس نے ایسوں کو منہ لگایا ہے
اُن کی آواز کو بسا اوقات
دل کی گہرائیوں میں پایا ہے

*

مجھ کو پہچان تو گئے ہوں گے
رازداں ہیں یہ میرے پیاروں کے
خوف مجھ کو نہیں کوئی زنہار
اِن درندوں سے کوہساروں کے
وہ بظاہر مجھے ڈراتے ہیں
اصل میں مجھ کو آزماتے ہیں

وائی

تجھ پہ ظاہر ہے عاجزی میری
دیکھ اے دوست زندگی میری

اے خوشا شدت غم و آلام
بس مجھے مل گئی خوشی میری

پڑھ رہی ہوں سبق محبت کا
بڑھتی جاتی ہے بے خودی میری

میں ہوں مانوس حزن اے پیارے
عین راحت ہے بیکسی میری

فاقہ مستی نہیں تو کیا ہے "لطیف"
آرزوئے وصال بھی میری

—⁂—

دوسری داستان

ہم نے اپنالیا ترے غم کو — کام حرص و ہوا سے کیا ہم کو
چاہتے ہیں کہ مسکرائیں ہم — کیا غرض بھوک پیاس سے غم کو
اب کوئی کس طرح چھپائے گا — اپنی دیوانگی کے عالم کو
اپنی غفلت سے کھو نہ بیٹھے کہیں — چشم خوابیدہ حسن محرم کو
محو عشرت شعار اپنا بنا — طلب انبساط پیہم کو

*

وحشت دل کو سازگار نہیں — وہ گریباں جو تار تار نہیں
یہ گل اندامی و سمن پوشی — محرم شوق وصل یار نہیں
اے شناسائے راہ و رسم عدم — عیش و عشرت ترا شعار نہیں

*

حاجت در شاہوار نہیں — اتنا ارزاں وصال یار نہیں
یاد رکھ سرگذشت 'لیلا' کو — زیب و زینت کا اعتبار نہیں

*

خنجر "لا" کو آبدار تو کر — اپنی حیوانیت پہ وار تو کر
ہر تمنائے زیست بے معنی — دوش ہستی سے کم یہ بار تو کر
راس آئے گا قول "سید" بھی — جرأت شوق استوار تو کر

*

دیکھ 'ماڑھے' سے وہ گذر آئی — کیچ کی راہ جس نے اپنائی
اب تو ہمجولیوں کے جھرمٹ میں — اس کو محسوس ہوگی تنہائی
ساز و سامان زیست کیا معنی — اور کس کام کی خودآرائی
کیسی حرص و ہوس محبت میں — شرط ہے اس میں جادہ پیمائی
بوالہوس کے لیے نہیں آساں — دیدہ و دل کی بے تمنائی
سیم و زر سے ہوئی ہے کب حاصل — شوق جاوید کی توانائی

*

اپنی بے مایگی بجا لیکن — وہ غم دل جو اب پرایا ہے
اور جس کی عزیزداری نے — کوہ و صحرا میں آزمایا ہے
کیچ میں کیوں نہ مہرباں ہوگا — جو مرے ساتھ ساتھ آیا ہے

فخر ہے مجھ کو پیارے پنھوں پر یہ سفر مجھ کو راس آیا ہے

*

ایک گمنام گوشہ گیر تھی میں لیکن اے جان، جاں ترا دستور!
سندھ تو سندھ ساری دنیا میں کردیا مجھ کو عشق نے مشہور

وائی

توہے داسی ہوت پیا کی بات تری بن آئے

سکھی ری پریت ڈگر مل جائے

اونچے نیچے پربت سجنی رنگے لہو سے پاؤں
بیکل من میں کیچ کی آشا ڈھونڈے پب کی چھاؤں

جن اونٹوں کی کھوج میں ہے تو آن اونٹوں کو پائے

سکھی ری پریت ڈگر مل جائے

پگ پگ پر انجانی بادھا دور 'جتوں' کا دیس
بدلے ہیں ہر اک بپتا نے کیسے کیسے بھیس

بن آریانی اس درگت میں کون تجھے اپنائے

سکھی ری پریت ڈگر مل جائے

جس کے ٹوٹے من میں باجے برھا کا سنگیت
وہ برھن ساجن کی داسی ساجن آس کا میت

چھا جائے جب گھور نراشا پریتم دھیر بندھائے

سکھی ری پریت ڈگر مل جائے

—⋇—

تیسری داستان

لاکھ رنج و غمِ فراق سہے　　حوصلے پھر بھی تازہ دم ہی رہے
رہِ الفت کی مشکلات نہ پوچھ　　کوئی یہ مشکلات کس سے کہے
پیروِ نقشِ پائے یار ہوں میں　　مجرمِ جبر و اختیار ہوں میں

*

ہائے گذروں گی پیادہ پا کیونکر　　پیش افتادہ رہگذاروں سے
ایک ہیبت سی مجھ پہ طاری ہے　　ان فلک بوس کوہساروں سے
کون جانے کہاں ملوں جاکر　　اپنے گم گشتہ شہسواروں سے

*

قہر آلود شدتِ سرما　　راہ دشوار اور میں انجان
اب سرِ راہ بیٹھنا کیسا　　کتنے بیچین ہیں مرے ارمان
یوں بظاہر تو میں بھی انسان ہوں　　اک مجسمِ تلاشِ جاناں ہوں

*

لاکھ مجبوریاں سہی لیکن　　اب میں ہاڑھے سے منہ نہ موڑوں گی
پر خطر وادیوں سے گھبرا کر　　کیچ کا راستہ نہ چھوڑوں گی
میں ہوں پنھوں کی طالبِ دیدار　　عہد اپنا کبھی نہ توڑوں گی

*

کوہ و صحرا میں کام آئے کون　　میرے دکھ درد کو مٹائے کون
اپنے گم گشتہ رازداروں سے　　میں بہت دور ہوں ملائے کون
ہائے کس راہگیر سے پوچھوں　　مجھ کو ان کا نشاں بتائے کون

*

ہو نہ نشو و نما درختوں کی　　اور اونچے یہ کوہسار نہ ہوں
دیکھ لوں میں نقوشِ پائے حبیب　　میری آنکھیں جو اشکبار نہ ہوں

*

اے بیاباں تجھے خبر ہوگی　　کس طرف میرا ماہِ طلعت ہے

میرے پیاروں کا رازدار ہے تو
کیوں یہ طاری سکوتِ حیرت ہے
پیچ در پیچ رہگذاروں میں
روز افزوں غمِ محبت ہے
دیکھ تو ہائے کتنی درماندہ
ایک غمگیں اسیرِ فرقت ہے
کوئی آ کر مجھے سہارا دے
ہر قدم پر نئی مصیبت ہے
خارزاروں کے مرحلے توبہ
قابلِ رحم میری حالت ہے

*

غم نہیں پیر لاکھ زخمی ہوں
میں وہاں ننگے پاؤں جاؤں گی
شکوۂ سنگ و خار ہے کس کو
کون کہتا ہے لوٹ آؤں گی

*

آریانی سے ہے سسئی کو لگاؤ
نہیں رسمِ جہاں کی زندانی
وہ سدا ننگے پاؤں چلتے ہیں
جن کا شیوہ نہیں تن آسانی

وائی

سکھی ری! پریت کی ریت سہائے
جیون کی پھلواری سجنی! نیارے پھول کھلائے
میرا من للچائے
سکھی ری! پریت کی ریت سہائے

ھاتھ میں تھی کل سانجھ کو سکھیو! جن اونٹوں کی ڈور
بھور بھئی تو آن کو لے کر چلے گئے چت چور
گہری نیند میں ایسی سوئی جیسے جگ سوجائے
سکھی ری! پریت کی ریت سہائے

پربت پربت گھوم گھوم کے ھوئی تھکن سے چور
میں ھوں داسی ھوت پیا کی پاس رھوں یا دور
مدھر ملن کی آشا مجھ کو کیچ کی راہ سجھائے
سکھی ری! پریت کی ریت سہائے

برھا کے دن کاٹ رھی ھوں بپتاؤں کے ساتھ
کب ھوگا اے پیارے پنھوں! ھاتھ میں تیرا ھاتھ
اس انجانے دیس میں سجنی کون مرے کام آئے
سکھی ری! پریت کی ریت سہائے

—✻✻✻—

چوتھی داستان

جستجوے جمال ہستی میں   موت بھی تو حیات ہوتی ہے
اے سسئی اس جہان فانی کی   ہر خوشی بے ثبات ہوتی ہے
جستجوے نجات میں حائل   آرزوے نجات ہوتی ہے
وصل جاناں کی ایک ساعت بھی   انتخاب حیات ہوتی ہے
اک ثبوت ثبات اپنے پاس   آرزوے ثبات ہوتی ہے
ذکر پنھوں کی جستجو کا ہے   کس کی همت کی بات ہوتی ہے
اس طرف وہ نظر نہیں ہوتی   جس طرف کائنات ہوتی ہے
جاں نثاران حسن جاناں پر   نگہ التفات ہوتی ہے
دیدہ و دل کی منزل آخر   حد ناممکنات ہوتی ہے

*

اے سسئی! اُن کی پیروی کرنا   جاں گئی جن کی راہ جاناں میں
کیا ہے دو روزہ زندگی کا بھرم   دیدۂ شوق و چشم حیراں میں

*

موت سے پہلے جس کو موت آئی   زندگی اس نے جاوداں پائی
مدعاے حیات کیا کہیے   جز تماشاے حسن یکتائی
جاں‌نثاران جلوۂ جاناں   خود تماشا ہیں خود تماشائی

*

زندگی اک فریب کثرت ہے   مجھ کو اس زندگی سے نفرت ہے
تابہ کے عزم کوہ‌پیمائی   اب کہاں مجھ میں اتنی طاقت ہے
اے اجل تو پناہ دے مجھ کو   تیری آغوش عین راحت ہے

*

اے سسئی پست همتی تیری   حائل شوق وصل یار ہوئی
پیارے پنھوں کو کردیا بدنام   اور خود بھی ذلیل و خوار ہوئی
ڈرگئی سوز عشق سے ناداں   موت سے کیوں نہ همکنار ہوئی

اب پشیمانیوں سے کیا حاصل اب گراں جانیوں سے کیا حاصل

وائی

پیارے پنھوں لوٹ آ، جیارا ہے بیچین
پریتم تیرے سوگ میں روتی ہوں دن رین

*

جس دن آری جام کے اونٹوں کو میں پاؤں
مہندی ہری 'ملیر' کی بھر بھر پیٹ کھلاؤں

*

ساجن مجھ کو سونپ دے کوئی ایسا کام
جس کے کارن ہو سکے جگ میں میرا نام

—⁂—

پانچویں داستان

آ رہی ہے صدائے یار آجا تیز تر اے وفاشعار آجا
عشق جینے کا اک بہانہ ہے اے شناسائے ہجرِ یار آجا
تیری یادوں میں کھوئی کھوئی سی ہے ازل کی کوئی پکار آجا
حسنِ یکتا کشاں کشاں آئے اے تمنائے بے قرار آجا
ماورائے حیات ہے کوئی تیزتر اے نفس‌شمار آجا
جلوۂ دوست خود تری خاطر کب سے ہے محوِ انتظار آجا

*

گرم و سردِ زمانہ کیا جانے جو محبت کا مدعا جانے
پتہ پتہ سکوتِ معنی خیز ہر شجر یار کا پتہ جانے
پوچھتی ہے سسئی پرندوں سے کس کا نام و نشان خدا جانے

کاش پھر مہرباں ہو آریانی　　دور ہو جائے خانہ ویرانی

*

کون سمجھائے تجھ کو اے رھگیر　　کچھ نہیں فرق عجلت و تاخیر
عرصۂ زیست میں بہر صورت　　وقت ناوک ہے اور تو نخچیر
گل کھلاتی ہے تو یہ تو قسمت　　ورنہ کیا جذب و شوق کی تاثیر
کون سمجھے سکوت راز ازل　　کون جانے نوشتۂ تقدیر

*

راہ دشوار اور تو معذور　　جان کر کیوں یہ دکھ اٹھایا ہے
جانے کیوں تجھ کو کوھساروں میں　　جذبۂ عشق کھینچ لایا ہے
جانے کیوں تونے اپنے تن من کو　　کیچیوں کے لیے جلایا ہے

*

کلبلاتی ہوئی تمنائیں　　یہ اذیت، یہ آرزو، یہ تلاش
جا رھی ہوں رواں دواں یوں ھی　　میری منزل کہیں ملے اے کاش

*

اس تگ و دو کا جو بھی ہو انجام　　ہو سکوں گی نہ خائف آلام
گلۂ دوست شکوۂ ھجراں　　میری دیوانگی پہ ھیں الزام
بڑھ رھی ہوں رہ محبت میں　　اپنی منزل کی سمت گام بگام
طعنہ زن مجھ پہ کوئی کیا ہوگا　　ننگ کی آرزو نہ خواھش نام

وائی

اس پریت ڈگر میں اے سجنی!　　جیون جیون میں بڑھتی جاؤں گی
ساجن کا سندیسہ پاؤں گی

کہتی ہے جو دنیا کہنے دو　　پریتم کی آس نہ توڑوں گی
ان بپتاؤں سے گھبرا کر　　'ونذر' کا ساتھ نہ چھوڑوں گی
اس 'کیچی آری جام' کو میں　　آشا کا میت بناؤں گی
ساجن کا سندیسہ پاؤں گی

ریشم سے پاؤں کو رنگتے نے
پگ پگ پہ لہو سے لال کیا
آ دیکھ تو آری جام ذرا
مجھ برھن کا کیا حال کیا
سکھیو میں 'جتوں' کی باتوں کو
من ھی من میں دھراؤں گی
ساجن کا سندیسہ پاؤں گی

چھٹی داستان

مبتلائے خیالِ یار ہوں میں
کون جانے کہ بے قرار ہوں میں
آزمودہ ھے وعدۂ فردا
دشمنِ رسمِ انتظار ہوں میں
تو نہ آئے تو موت آجائے
میرے پیارے بہ حالِ زار ہوں میں

*

دیکھ لیں گردشیں زمانے کی
اب تمنا ھے تجھ کو پانے کی
اس طرح تیرے در پہ سجدہ کروں
نوبت آئے نہ سر اٹھانے کی

*

پیارے پنھوں تری دھائی ھے
کیا مصیبت سسئی پہ آئی ھے
اب بجھائے گا کون تیرے سوا
آگ جو عشق نے لگائی ھے

*

دکھ شعورِ ثبات ھے پیاری
سکھ قرارِ حیات ھے پیاری
تا ابد نقشِ پائے جاناں ھیں
زیرِ پا کائنات ھے پیاری

*

اے سسئی رنج و غم کا پشتارہ
ایک دن تیرے کام آئے گا
اور یہ عزمِ کوہ پیمائی
پیارے پنھوں سے پھر ملائے گا

*

کیا خبر تھی کہ جذبۂ ناکام
زندگی کا مذاق اڑائے گا

میں سمجھتی تھی شعلۂ الفت　　اپنے محبوب سے ملانے گا

*

تیری خلوت کا ایک لمحہ بھی　　جلوتِ ماہ و سال سے بہتر
پیارے پنہوں مجھے ترا دیدار　　لاکھ حسن و جمال سے بہتر
مجھ ستم کش کو خلوتِ غم بھی　　بزمِ آسودہ حال سے بہتر

*

ایک لمحہ تری محبت کا　　زندگیٔ دوام سے بہتر
زلف و رخ کا تصورِ پیہم　　گردشِ صبح و شام سے بہتر

*

جادۂ عشق سے بلاتاخیر　　مسکراتے ہوئے گذر جانا
زندگی کا پیام ہوتا ہے　　دوست کی جستجو میں مر جانا

*

دیکھ تو اے شبِ ستم ایجاد　　کس کے لب پر ہے شکوہ بیداد
جانداروں پہ ہی نہیں موقوف　　سنگ ریزے بھی آج ہیں ناشاد
وسعتِ دشت گونج اٹھی ہے　　ہے کہیں کوئی سائل فریاد

*

اے سسئی آہوان رم خوردہ　　تجھ کو رو رو کے یاد کرتے ہیں
اور پھر اجنبی سرابوں میں　　اپنی ہستی سے درگذرتے ہیں

*

سسکیاں لے رہی ہے آج فضا　　ہائے وہ کشتۂ محبت ہائے
دشمنِ یار کا ہلاک آخر　　پہلوے یار ہی میں تسکیں پائے

*

ذکر کرتا ہے ہر شجر تیرا　　ان پہ بھی ہوگیا اثر تیرا
ذرّے ذرّے میں ٹھیس اٹھتی ہے　　دیکھ کر خونچکاں جگر تیرا
اے سسئی رہروانِ ہستی سے　　جانے کیا کہہ گیا سفر تیرا

*

زخم کوئی تو اس نے کھایا ہے ورنہ کیوں اتنا دکھ اٹھایا ہے
اور تو اور ان درختوں نے اس کا غم سینہ سے لگایا ہے
شدتِ کرب میں سکوں کیسا کس کا پرتو سسئی پہ چھایا ہے

*

غم سسئی کو ہے اپنے پیاروں کا اور اپنی بھری بہاروں کا
نالہٗ نے میں بھی پس پردہ سوز شامل ہے دلفگاروں کا

*

موسم برشگال کے با وصف اس کی قسمت میں قحط سالی ہے
برکتیں ہیں 'جتوں' سے وابستہ اور یہ دم بخود سوالی ہے
پیارے پنہوں کے پاس سب کچھ ہے ہاتھ پھر بھی سسئی کا خالی ہے

وائی

آشا کی چتا جلانے کو ساجن میں تمہیں بلاتی ہوں
جیون تو میں نے لٹا دیا اب لوٹو راکھ لٹاتی ہوں
روٹھے ہو پیا مناتی ہوں ساجن میں تمہیں بلاتی ہوں

آجاؤ ملن کو پردیسی میں دور دیس کو جاتی ہوں
تھک ہار کے اب اس گھاٹی میں لو اپنی جان گنواتی ہوں
ساجن میں تمہیں بلاتی ہوں

اس رنگ رنگیلی دنیا میں اک سپنا بن کر آتی ہوں
کچھ دیر بھٹکتی رہتی ہوں پھر یادوں میں کھو جاتی ہوں
ساجن میں تمہیں بلاتی ہوں

دکھ درد سبھی مٹ جاتے ہیں جب تم کو گلے لگاتی ہوں
تم پھولوں کی سندرتا ہو میں ان کی مہک بن جاتی ہوں
ساجن میں تمہیں بلاتی ہوں

ساتویں داستان

جستجو اُس کی صبح ہو یا شام　　　　نہ ملا پھر بھی مجھ کو 'آری جام'
کاش اک بار دیکھ کر اس کو　　　　ڈوب جائے مرا دلِ ناکام
گم نہ کردے کہیں مری منزل　　　　تیز رفتار ابلقِ ایام

*

میرے پنہوں کے دیس میں اے شام　　　　جا کے 'ہوتوں' کو دے مرا پیغام
کیچ کی سمت آرہی تھی میں　　　　لیکن افسوس شدتِ آلام
کر گئی مجھ کو موت سے دوچار　　　　قابلِ رشک ہے مرا انجام

*

کاش میری امید بر آئے　　　　پیارا پنھوں کہیں نظر آئے
رائیگاں ہو نہ زندگی میری　　　　کام دشواریٔ سفر آئے
میرے اشکوں میں جھلملاتی ہوئی　　　　میرے آری کی رہگذر آئے
جنتِ عشرتِ دوام ملے　　　　اُس کے پہلو میں موت اگر آئے

*

یہ فلک بوس کوہ یہ صحرا　　　　کاش ہو تیری پیروی مجھ سے
پیارے پنھوں تری جدائی میں　　　　روٹھ جائے نہ زندگی مجھ سے!
دفعتاً ہو کے سائلِ فریاد　　　　پوچھتی ہے یہ بیکسی مجھ سے
عمر ساری گذر گئی بیکار　　　　کب ملے گا وہ اجنبی مجھ سے

*

سعیٔ پیہم کے باوجود اے دوست　　　　نہ ملا اپنا مدعا مجھ کو
اس سے پہلے کہ ہو ترا دیدار　　　　کردیا عشق نے فنا مجھ کو

*

غم یہ ہے تجھ سے دور ہوں پیارے　　　　اور کوئی مجھے ملال نہیں
وہ عزازیل سامنے ہے مرے　　　　کہہ سکوں کچھ مری مجال نہیں

*

ایک مدت ہوئی ہے غم کھاتے　　　　کیا کہوں درد نارسائی سے

موت اب سر پہ آگئی پیارے
مر نہ جاؤں غم جدائی سے

*

اپنے پنھوں کی جستجو اس کو
عاشقی کا مزا چکھائے گی
اور اس اجنبی بیاباں میں
لقمۂ کرگساں بنائے گی

*

مثل طاؤس شاخساروں میں
وہ ہے محو تلاش جلوۂ یار
پیٹ بھرنے کو برگ و بار ملے
بھوک سے جب وہ ہوگئی لاچار
ہائے اس کا جمال رنگارنگ
اور یہ گرد سایۂ اشجار
ہائے یہ اس کا روئے خاک آلود
ہائے یہ جست و خیز یہ رفتار
ہائے یہ اس کا عزم و استقلال
ہائے یہ اس کی جرأت ایثار
آرہی ہے وہ باز گشت صدا
جس میں شامل ہیں سینکڑوں اسرار
کون جانے کہ اس بیاباں میں
رنگ کیا لائے حسرت دیدار

*

اس بیاباں میں پیارے پنھوں کو
ڈھونڈھتی ہے مگر نہیں پاتی
کاش یہ باز گشت نالۂ دل
اے سسئی تیرے کام آجاتی

*

رھروان رہ فنا کے سوا
منزل شوق کس نے پائی ہے
کون جانے یہ باز گشت صدا
در حقیقت کہاں سے آئی ہے

*

ہائے ان کی نفیر درد آلود
دشت ویراں میں ولولہ انگیز
جیسے کوئل کی کوک جنگل میں
سرد راتوں میں ہو قیامت خیز

*

ہائے ان کی نفیر درد آلود
ان سرابوں میں یوں بھٹکتی ہے
جیسے طوطی کی دلنشیں آواز
آتے آتے کہیں اٹکتی ہے

*

گونجتی ہے سراب ہستی میں
آج اس کی نفیر زھرہ گداز
آسمانوں میں ولولہ انگیز
جیسے آوارہ کونج کی آواز
جیسے اک ضرب سرمدی سے معاً
جوش میں آکے ٹوٹ جائے ساز

وائی

میں جاؤں واری واری

اے میرے پیارے آری

پھرتی ھوں ماری ماری

بس دیر نہ کر اب آجا

یہ گھاٹی ہے انجانی

تو دہاں ہے اے آریانی

مرگئی آشا مری جوانی

اب آجا پیاس مٹاجا

میں جاؤں واری واری

—❊—

سردیسی

سر دیسی

پہلی داستان

قیامت ہے ترا مل کر بچھڑنا خدارا روک لے ناقے کو پیارے
نہ جا ویران کر کے دل کی دنیا کہیں میں مر نہ جاؤں غم کے مارے

*

کبھی ناقے کبھی پنھوں کے بھائی نیا ہر روز انداز ستم ہے
یہ کہسار و بیاباں میں بھٹکنا ازل سے میری قسمت میں رقم ہے
مگر میری خوشی ہے تیرا ہر غم ترا غم جو ملے وہ مغتنم ہے

*

وہ ناقے اور مرے پنھوں کے بھائی جنھوں نے مجھ کو دانستہ ستایا
مری تقدیر! کوہ و دشت نے بھی مرے دکھ درد کو پیہم بڑھایا
بہت ڈھونڈا مگر اِن وادیوں میں نظر پنھوں کا نقش پا نہ آیا

*

نہیں شکوہ مجھے بیگانگی کا سمجھتی ہوں تری بے اعتنائی
کہاں ہے ناقۂ رم آشنا تو ابھی سے کجروی و کج ادائی
مرا پنھوں ہے کوسوں دور مجھ سے خدا جانے وہاں کب ہو رسائی

*

یہاں وہ اجنبی ناقے جب آئے ترے دیور تھے جن کو ساتھ لائے
خیال اس بات کا آیا نہ تجھ کو کہ ان پر کوئی پابندی لگائے
تجھے یہ بات بھی سوجھی نہ افسوس کہ زنجیر اپنی زلفوں سے بنائے
سسئی! پھر ان کی نوبت ہی نہ آتی جو دکھ تو نے جدائی میں اٹھائے

اگر کچھ باخبر پہلے سے رہتی
تو ٹل جاتے یہ بدبختی کے سایے

*

مرے پیارے مرے پنھوں کے بھائی
اگر بھنبھور میں بیلوں یہ آتے
تو اُن کے پاؤں کی آہٹ کو سن کر
یہاں سب سونے والے جاگ جاتے
مناتی رتجگا ایسا کہ پھر وہ
مرے پنھوں کو چھپ کر لے نہ جاتے
اگر وہ چل بھی دیتے رات ہی کو
انہیں پیدل ہی چل کر ڈھونڈلاتے
صبا رفتار تھا ہر اونٹ ان کا
نہیں تو ہم کبھی دھوکا نہ کھاتے

*

مجھے معلوم تھی اونٹوں کی خصلت
مگر وہ اونٹ کیسے تھے خدایا
کہ جب رکھے گئے پالان اُن پر
کوئی چیخا نہ کوئی بلبلایا
انہیں پہلے سے میرے دیوروں نے
کچھ ایسا رازداں اپنا بنایا
کہ پنھوں کو گئے جس وقت لے کر
کسی نے بھی نہ اس کا بھید پایا

*

چلوں گی جادۂ صبر و رضا پر
کہ میں ہوں واقفِ امرِ مشیئت
کیا جو کچھ بھی میرے دیوروں نے
نہیں اس کی مجھے کوئی شکایت
کروں بیکار کیوں اونٹوں کا شکوہ
میں دیکھوں گی دکھائے جو بھی قسمت

*

نہ جانے چھوڑ کر کس وقت چل دیں
انہیں پابندیٔ مہر و وفا کیا
محبت دیس والوں ہی سے اچھی
بھلا پردیسیوں کا آسرا کیا
صبا میں بوئے پنھوں جب نہیں ہے
تو پھر بھنبھور کے صبح و مسا کیا

*

کیا تھا ہنس کے جن کا خیر مقدم
گئے افسوس وہ مجھ کو رلا کر
خبر کیا تھی کہ اُن کی اجنبیت
مجھے تڑپائے گی اپنا بنا کر
خدا جانے وہ شب بیدار ناقے
کہاں گم ہو گئے صورت دکھا کر

*

کوئی ان ظالموں سے یہ تو پوچھے
جدا کیوں مجھ سے پنھوں کو کیا ہے
بگاڑا کیا تھا ان اونٹوں کا میں نے
یہ بدلہ مجھ سے آخر کیوں لیا ہے

نہ آئیں اب وہ میرے پاس ہرگز　　　جنہوں نے مجھ کو ایسا جُل دیا ہے

*

دعا دیتی ہے میری بے زبانی　　　خدا رکھے جتّوں کی نوجوانی
جہاں میں کوئی بھی میرا نہیں اب　　　بہت ویران ہے میری زندگانی
تمنّا ایک زنجیرِ محبت　　　محبت ایک ربطِ جاودانی

*

سسئی جس کارواں کی منتظر تھی　　　رواں پیشِ نظر وہ کارواں ہے
وہی ناقے وہی آرائشیں ہیں　　　مگر وہ دیدۂ حیراں کہاں ہے
سسئی اس خوابِ آسائش سے حاصل؟　　　محبت پیچ و تابِ جاوداں ہے

*

خبر لے اے مرے گم گشتہ پنہوں　　　میں سر تا پا محبت ہو گئی ہوں
کہاں ہیں اب وہ پُر اسرار ناقے　　　میں جن کی جستجو میں کھو گئی ہوں
نہ آئے لوٹ کر وہ جانے والے　　　میں ہوں اب کوہساروں کے حوالے

*

نہ یہ غم تھے نہ ایسی بے کسی تھی　　　بڑی پُر کیف میری زندگی تھی
جتوں نے کر دیا مجھ کو پریشاں　　　وگرنہ ہر خوشی میری خوشی تھی

*

نہ جذبِ شوق یہ زحمت اٹھاتا　　　نہ احساسِ وفا ناکام ہوتا
کہاں ملتا مجھے سوزِ محبت　　　اگر دل واقفِ انجام ہوتا

*

نہ دیکھا تھا کبھی پہلے جتوں کو　　　کہاں ڈھونڈوں انہیں اے چشمِ حیراں
انوکھے پیچ و خم دکھلا رہے ہیں　　　مجھے یہ اجنبی کوہ و بیاباں
صبا رفتار اُن کا کارواں ہے　　　میں درماندہ ہوں باحال پریشاں
مرے پاس آ بھی جا اے آریانی　　　خدارا یوں نہ ہو مجھ سے گریزاں

*

محبت بھی نہ مجھ کو راس آئی　　　کوئی دیکھے جتوں کی بے وفائی
مجھے تھی موت سے دیرینہ نسبت　　　مگر قسمت میں تھی اس سے جدائی

خدا جانے کہ میرے دیوروں کو
نظر آئی تھی مجھ میں کیا برائی

*

جدھر یہ کارواں اب گامزن ہے
ادھر ھی پیارے پنھوں کا وطن ہے
پھسلتے بھی نہیں وہ تیز رفتار
عجب ان تیز اونٹوں کا چلن ہے
مرا دل توڑ کر وہ جا رہے ہیں
نجانے مجھ سے کیا کیا سوءِ ظن ہے

*

ادھر ہوں رحمتِ کامل کے سائے
جدھر وہ ناقۂ محبوب جائے
خدایا پیارے پنھوں کو کہیں بھی
نہ ہرگز کوئی زحمت پیش آئے
ہزاروں صورتیں دیکھی ہیں میں نے
مگر اس کے سوا کوئی نہ بھائے

*

درختوں میں تری خوشبو بسی ہے
مہک تیرے تصور کی چمن میں
فریبِ عشق دے کر کھو گئے ہیں
خدا جانے وہ جنت کس انجمن میں
درندوں سے مجھے کیا خوف ہوگا
بسا ہے ایک انساں میرے من میں

*

کچھ ان اونٹوں نے میرا دل دکھایا
کچھ ان کے ساربانوں نے ستایا
کہوں کیا دیوروں کی دشمنی کو
جنھوں نے مجھ سے پنھوں کو چھڑایا
کیا سورج نے خود چھپ کر اندھیرا
صبا نے نقشِ پا اس کا مٹایا
قمر بھی ہو گیا روپوش آخر
پہاڑوں نے بھی میرا غم بڑھایا
ہوا دشمن مرا سارا زمانہ
مصیبت میں نہ کوئی کام آیا

وائی

چاند کسی کا میت نہیں ہے
سچی اس کی پریت نہیں ہے
پنچھی اس کو کب پاتے ہیں
اڑتے اڑتے تھک جاتے ہیں

پھول سے ہرگز پیار نہ کرنا
کانٹوں کا بیوپار نہ کرنا
پھول سدا مرجھا جاتے ہیں
کانٹوں میں الجھا جاتے ہیں

سکھیو! ان سے دور ہی رہنا　　چاہے جتنے بھی دکھ سہنا
جو پنھوں کو لے جاتے ہیں　　اور سسئی کو تڑپاتے ہیں

اپنے دل پر چوٹ نہ کھانا　　اور جتوں کے پاس نہ جانا
اوجھل ہو کر ترساتے ہیں　　پربت پربت بھٹکاتے ہیں

دوسری داستان

اندھیری اور برستی رات پنھوں!　　ترے ناقے کہاں ہیں میرے دمساز
یہی وہ طاق و بام و در ہیں پیارے　　کہ جن میں گونجتی تھی تیری آواز
تری ہر یاد یادِ جاوداں ہے　　علاج چاکِ زخمِ خونچکاں ہے

*

سسئی سے کہہ رہی ہے ہر سہیلی　　کہ یہ راہِ وفا راہِ جنوں ہے
خدارا لوٹ بھی آ غم کی ماری　　رواں کس دھن میں باحالِ زبوں ہے
کہاں تک آتشیں راہوں پہ چلنا　　کہاں وہ خود ترا سوزِ دروں ہے

*

خیالِ یار جائے گا نہ دل سے　　سزائے مرگ بھی سمجھ کر گوارا
نہیں مایوس میں سعیِ وفا سے　　کہیں تو مل ہی جائیگا وہ پیارا
ازل ہی سے مرے ذوقِ طلب نے　　لیا ہے پیارے پنھوں کا سہارا

*

گیا ہے جب سے آری جام میرا　　مری دنیا اندھیرا ہی اندھیرا
تلاشِ یار ہے، تنہائیاں ہیں　　غم و آلام نے ڈالا ہے گھیرا
نہ کشتی ہے نہ کوئی ناخدا ہے　　سراسر موج و طوفاں پر بسیرا
جدا اس راہبر سے ہوگئی ہوں　　فریبِ ماسوا میں کھو گئی ہوں

*

تلاشِ ناقہ، محبوب تو یہ　　سسئی نذرِ بیاباں ہوگئی ہے

خدا جانے وہ اب آئیں نہ آئیں
یہ جن کی جستجو میں کھو گئی ہے

*

حمایت ھوت کی حاصل ھے جن کو
انھیں کیا زحمتِ کوہ و بیاباں
گذر جاتے ھیں راہِ پر خطر سے
بآسانی گدائے کوئے جاناں
گلہ ان تیزرو اونٹوں سے کیسا
نہیں ان سے کسی لغزش کا امکاں
کیا ھے ان وفاداروں کی خاطر
مشیت نے ھر اک منزل کو آساں
کوئی اے کاش مجھ کو بھی بتادے
کہاں ھے منزلِ یارِ گریزاں

*

بلوچی میں کبھی کرتے وہ باتیں
کبھی کچھ بولتے تھے فارسی میں
خدا جانے وہ پراسرار کیچی
یہاں کیوں آئے کیا ٹھانے تھے جی میں
خبر کیا تھی چلے جائیں گے یہ لوگ
رہوں گی میں یہاں بھنبھور ھی میں
یہ میری زندگی کا حال ھے اب
کہ پیہم دکھ ھی دکھ ھیں زندگی میں

*

انھیں کچھ کھانے پینے کا نہیں فکر
وہ ناقے سرخوشِ عزمِ سفر ھیں
خدا جانے انھیں کیسی لگن ھے
کہ وہ منزل بہ منزل تیز تر ھیں

*

جہاں جاتے ھوئے ناقے بھی لرزیں
سسئی ان وادیوں میں جا رھی ھے
سلگتی اور تپتی بادِ صحرا
سسئی کے جسم کو جھلسا رھی ھے
نشاں پنھوں کا کوسوں تک نہیں ھے
مگر وہ ھے کہ بڑھتی جا رھی ھے
"لطیف" اس دشت آوارہ کو شاید
محبت راستہ دکھلا رھی ھے

*

سرِ نازک تہِ سنگِ گراں ھے
مکمل اب سسئی کی داستاں ھے
جسے اپنا نہ سمجھا تھا جتوں نے
وہ درماندہ شریکِ کارواں ھے
"لطیف" اس غمزدہ کی باوفائی
ازل سے تا ابد ھے، جاوداں ھے

وائی

دکھ دور ھوا سکھ پائے جیون کا سندیسہ لائے
جب ساجن لوٹ کے آئے

میں پگ پگ نین بچھائے　　بیٹھی تھی آس لگائے
جب ساجن لوٹ کے آئے

نینوں سے نین ملائے　　پھر سوئے بھاگ جگائے
جب ساجن لوٹ کے آئے

مرا انگ انگ مسکائے　　آشا کے دیپ جلائے
جب ساجن لوٹ کے آئے

سنسان ہوا کی لہریں　　کستوری سا مہکائے
جب ساجن لوٹ کے آئے

انجان تھی ان سے سجنی　　جو بھید سجن سے پائے
جب ساجن لوٹ کے آئے

تیسری داستان

خدارا اپنے اونٹوں کو نہ ہانکو　　کہیں میں مر نہ جاؤں غم کے مارے
تمہارا پیار میرا آسرا ہے　　نہ جاؤ توڑ کر میرے سہارے
قسم بھنبھور کی گلیوں کی جن میں　　کسی کی آرزو میں دن گذارے
نہ لوں گی نام بھی بھنبھور کا میں　　دکھا دو کیچ کے پیارے نظارے

*

اگر ہے کیچ کو جانا تو جائے　　مگر ایسا نہ ہو پھر لوٹ آئے
سسئی اس رہگذار جانستاں میں　　نہیں ممکن کہ تو آرام پائے
فقط جھلسی ہوئی ویرانیاں ہیں　　نہ پانی ہے نہ سبزہ ہے نہ سائے

*

سنا ہے کیچ کی راہوں میں اکثر　　فنا کے گھاٹ اترے جانے والے
ہجوم رہرواں اب تک ہے لیکن　　پڑے ہیں جان کے ان سب کو لالے
خدا جانے وہ گذرے ہیں کدھر سے　　پتا چلتا نہیں کچھ رہگذر سے

*

کہاں ہے اُن کی جلوہ گاہ یا رب
سکونِ زندگی کا چشمۂ صاف
ادھر ھی منزلِ آخر ہے اپنی
وھیں لے چل مجھے جذبِ تمنا

مجھے ہر وقت جن کی جستجو ہے
مرے پیارے جتوں کی گفتگو ہے
جدھر وہ کاروانِ رنگ و بو ہے
جہاں وہ منتہائے آرزو ہے

*

سنا ہے کیچیوں کے کارواں نے
پہنچ جاؤں میں ان کے کارواں تک
چمک اٹھے "لطیف" اُن کی نظر سے

کیا ہے آخرِ شب رخ ادھر کا
یہی ہے مدعا قلب و نظر کا
مقدر دامن دریوزہ گر کا

*

سراغِ خاکِ راہِ یار پاؤں
مثالِ نسترن میں لہلہاؤں
اگر وہ گوہرِ نایاب مل جائے
بفیضِ جلوہ گاہِ حسنِ محبوب
جدا مجھ سے نہ ہو وہ پیارا پنھوں
کہیں وہ کاروانِ شوق میرا

اٹھا کر اپنی آنکھوں سے لگاؤں
جو بوے دامنِ محبوب پاؤں
میں اپنے دامنِ دل میں چھپاؤں
میں اپنی تیرہ بختی کو مٹاؤں
خدایا میں اسی کے ساتھ جاؤں
جو مل جائے لگن دل کی بجھاؤں

*

سنا ہے اپنے اونٹوں کو سنوارے
سراپا کیف ہے جن کا تصور
پھر قیمت میں ان کے ساتھ جاؤں
مرا پنھوں ہے میرے دل کی زینت

ادھر آئے ہیں پھر کیچی ھمارے
خوشا وہ جذب و مستی کے نظارے
اگر ھوں مہرباں مجھ پر وہ پیارے
میں ھوں وابستۂ حسنِ عقیدت

*

جلو میں جس کے وہ رعنا جواں ہے
کہیں انمول ھیروں کا نظارا
خبر ہے کچھ تمھیں اے راھگیرو!

بڑا ھی خوبصورت کارواں ہے
کہیں گلہائے رنگیں کا سماں ہے
کہاں ہے قافلہ اُن کا، کہاں ہے!

*

وہ جب آئے یہاں اونٹوں کو لے کر
ھوئے گم اس طرح پنھوں کو لے کر
جھپٹ کر جیسے میرے من کا موتی

کھلا مجھ پر نہ اُن کا راز کوئی
نہ آئی کان میں آواز کوئی
اچانک لے گیا ھو باز کوئی

کہاں میں اتنی گہری نیند سوتی		مری قسمت اگر کھوئی نہ ہوتی

*

عجب ان کیچیوں نے گل کھلایا		نظر مجھ کو میرا پنھوں نہ آیا
وہ راتوں رات یوں بھاگے یہاں سے		کھلی جب آنکھ میں نے کچھ نہ پایا
خدایا اپنے پنھوں سے ملادے		ملادے اپنے پنھوں سے خدایا

*

سحر ہونے سے پہلے ہی سدھارا		ہمارا مہرباں، مہماں ہمارا
یہ آخر کیا ہوا اے چشم حیراں		مجھے پنھوں نے کیوں بے موت مارا
نظر میں چار سو ویرانیاں ہیں		کچھ ایسا گم ہوا میرا سہارا
نہ زندہ چھوڑتی اونٹوں کو آن کے		اگر ملتا کوئی ایسا اشارا
کہ دانستہ جتوں نے میری خاطر		بچھایا ہے یہ دلکش جال سارا
اب اس معمورۂ ہستی میں اس بن		مجھے بھاتا نہیں کوئی نظارا

*

مرے بھنبھور کو ویران کر کے		کدھر کا رخ کیا اس کارواں نے
کہاں ہیں کیچ اور مکران یا رب!		بہت ڈھونڈا ہے مجھ آشفتہ جاں نے
وہی کھینچے گا میرے دل سے ناوک		بنایا ہے ہدف جس مہرباں نے
ہراساں اور پریشاں کر دیا ہے		مجھے اس ہیبتِ کوہِ گراں نے

*

رہا اس عالمِ سود و زیاں میں		تمہارا غم مجھے ہر غم سے پیارا
رہے گا عمر بھر یہ دشتِ ویراں		دلِ وحشت زدہ کا استعارا
تم ایسے کھوئے دشتِ بے کراں میں		تمہیں ہر سانس میں میں نے پکارا

*

کبھی تم راکھ ہو کر رہ نہ جاؤ		شرارِ آہِ سوزاں کے اثر سے
بس اب ہٹ جاؤ اے کوہ و بیاباں!		گذرنے کو ہوں میں اس رہگذر سے
مجھے جل دے کے میرے دیوروں نے		کیا مجھ کو جدا اس راہبر سے
وہ میری زندگی کا آسرا ہے		مرے قلب و نظر کا مدعا ہے

*

ابھی اس رہگذارِ پرخطر میں		نہ جانے اور کتنے مرحلے ہیں
مگر اے آرزوئے منزلِ شوق		محبت کے نرالے حوصلے ہیں

وائی

سکھیو ! میں ہوئی ہوں برہن
مجھے چھوڑ گئے ہیں ساجن

میں بھولی بھالی ناری
نینوں سے نین ملا کر
سمجھی تھی ہوت کو اپنا
دیکھا تھا سندر سپنا
اب سب کچھ بھول گئی ہوں
انجان پیا کے کارن
مجھے چھوڑ گئے ہیں ساجن

پربت پربت میں بھٹکی
اس تپتی کیچ ڈگر میں
بن بن میں نیر بہائے
کیسے کیسے دکھ پائے
جل بھن کر راکھ ہوئے ہیں
برہا کی آگ میں تن من
مجھے چھوڑ گئے ہیں ساجن

ہر وقت "لطیف" یہ چاہے
اس آری جام سے بڑھکر
مل جائے آنکھ کا تارا
نہیں کوئی اور سہارا
میں ڈھونڈ رہی ہوں جن کو
کب ہوں گے اس کے درشن
موہے چھوڑ گئے ساجن

چوتھی داستان

ستایا کیوں مجھے آ کر جتوں نے　　یہ کیسا ظلم ڈھایا دیوروں نے
خدا جانے مرے دل کا سہارا　　کہاں گم کر دیا ان ظالموں نے
کیا سنسان مثلِ دشتِ ویران　　مرا بھنبھور کیچی جابروں نے
کیا ہے ایک سحرِ حشرسامان　　بظاہر آرسیدہ ساحروں نے
بہت ہی دور ہوں پنہوں سے لیکن　　تسم کھائی ہے میرے حوصلوں نے
کہ اب اُن کو منا کر چین لیں گے　　کھلایا ہے یہ گل جن فاصلوں نے

*

فریبِ راہ مجھ کو ہر نشاں ہے　　کہاں ہے وہ مرا پنہوں کہاں ہے
کہاں ہے کاروانِ حسن اے دل　　کہاں وہ سر خوشی کا کارواں ہے
خدا جانے گیا کس راہ سے وہ　　کہ سونی رہگذار کہکشاں ہے
نظر آتے ہیں خوابوں کے بھنور سے　　ابد تک تیرگیٔ بیکراں ہے
سناؤں کیا تجھے میں اے شب غم　　بڑی پردرد میری داستاں ہے
یہ کیا معلوم تھا اک صبحِ محشر　　پسِ بے ہوشیٔ خواب گراں ہے
خبر کیا تھی جتوں کا خیر مقدم　　مرے حق میں وداع جسم وجاں ہے

*

وہ میری سجدہ گہِ دل نشیں ہے　　جہاں وہ راحت قلب حزیں ہے
یہ دنیا ہو کہ ہو دنیائے آخر　　سوا اس کے مرا کوئی نہیں ہے

*

برھمن زاد ہوں لیکن یہ سچ ہے　　کہ اک دھوبی نے لا کر مجھ کو پالا
مجھے دنیا نے سمجھا ایک دھوبن　　بظاہر ہوش جب میں نے سنبھالا
کیا اک اجنبی سے پیار میں نے　　سمجھ کر دیدہ و دل کا اجالا
یہ کیا معلوم تھا اس کی جدائی　　دلِ مہجور میں ڈالے گی چھالا
اب اس کی جستجو میں کھو گئی ہوں　　مجھے بے موت جس نے مار ڈالا

*

مہکتا ہے مشالِ مشک پنھوں
مرے کپڑوں میں ہے صابون کی بو

*

مرا پنھوں بھی کپڑے دھو رہا تھا
اچانک کیچ سے قاصد جب آیا
کہا اس نے پسند آئی نہ یہ بات
کہ اک دھوبن سے تونے دل لگایا

*

کہاں ہے کیچ اور بھنبھور کیسا
یہ سارے رشتہ و پیوند کیا ہیں
نگاہوں میں انوکھی التجائیں
لبوں پر نالہ ہائے نارسا ہیں
نہ جانے کیوں سرے درپے ہیں دشمن
نہ جانے دوست کیوں صبر آزما ہیں

*

عجب یہ زندگی کا کارواں ہے
تنِ تنہا ہر اک راہی یہاں ہے
بہر منزل ہجوم رہرواں ہے
کوئی ہمدم نہ کوئی رازداں ہے
کہیں صحرا کہیں کوہِ گراں ہے
سفر یا رہرووں کا امتحاں ہے
یہ راہِ سخت اور یہ خستہ حالی!
مگر تیری طلب دامن کشاں ہے

وائی

کیوں میری آشا توڑ گئے
سپنوں میں بھٹکتا چھوڑ گئے

بھنبھور سے کیوں منہ موڑ گئے
کیا بھول ہوئی مجھ سے پریتم؟

کچھ دیر تو جی کو بہلاتے
اک رات ہی کیچی رک جاتے

اتنا تو نہ مجھے تڑپاتے
کیا بھول ہوئی مجھ سے پریتم؟

'منجر' سے اونٹوں کو ساجن
بہلا لینا میرے کارن

درشن ابھلاسی ہے برہن
کیا بھول ہوئی مجھ سے پریتم؟

پانچویں داستان

فزوں ہردم سسئی کا دردِ ہجراں　　نہیں اس درد کا کوئی بھی درماں
ہرن کی طرح کب سے سوختہ جاں　　سرابِ زندگی میں ہے ہراساں
ہما جس طرح سرگرداں فضا میں　　نگاہِ اہلِ عالم سے ہو پنہاں

*

جو دیکھے آخرِ شب چند آہو　　سسئی سمجھی جتوں کے اونٹ آئے
تمنائے رخِ یارِ گریزاں　　نہ جانے اور کتنے گل کھلائے
سسئی اس عالمِ بیم و رجا میں　　تری روحِ تپاں تسکین پائے

*

خوشا یہ آہوانِ دشتِ ویراں　　تلاشِ آب میں آفتاں و خیزاں
کچھ ایسی ہی مرے وارفتگی ہے　　خلا میں کھوگئی ہے چشم حیراں
جھلک تھی جس کی پیارے کیچیوں میں　　مجھے پیارا ہے وہ حسن گریزاں

*

سسئی! اس وادیٔ کوہ گراں میں　　درندوں سے بھی تو دوچار ہوگی
مگر کہتی ہے یہ فریاد تیری　　کہ تو حلقہ بگوشِ یار ہوگی

*

بجیں گے پھر خوشی کے شادیانے　　قریں مجھ سے مرا ہمراز ہوگا
وہی ہوگا وفورِ عشق و مستی　　وہی پھر ربط سوز و ساز ہوگا

*

جہاں تشویش میں ہرا کشتر ہے　　جہاں وہ تنگ و پیچاں رہگذر ہے
وہاں بھی مطمئن ہے قلب اس کا　　وہاں بھی گامزن وہ دیدہ ور ہے
سکوتِ مرگ ہے جن وادیوں میں　　سسئی ان وادیوں میں رہ سپر ہے
اسے آرام کی اب کیا تمنا　　سفر اس کا محبت کا سفر ہے

*

نہ جانے کیوں رہِ جاناں میں حائل　　خیالِ ہیبتِ کوہِ گراں ہے

ہزاروں مرحلے ہر مرحلہ سخت
مگر پہنچوں گی میں پنہوں جہاں ہے

*

مری قسمت میں تھا دھو کے میں آنا
متاعِ دل چرا کر لے گئے ہیں
بتاؤ تو مجھے اے کوہسارو!
کہاں اس کو چھپا کر لے گئے ہیں
مرے پنہوں کو 'برفت' اور 'بروھی'
زبردستی اٹھا کر لے گئے ہیں
سرابوں میں بھٹکتی پھر رہی ہوں
سراپا تشنگی ہی تشنگی ہوں

*

دمادم بڑھ رہی ہوں بے خودی میں
مجھے رو کیں گے کیا کوہ و بیاباں
یہ 'کانبھو' اور 'کارو' میرے نزدیک
نہیں کچھ بھی بجز ابرِ بہاراں
ز سر تا پا کسی کی جستجو ہوں
دلِ حسرت زدہ کی آرزو ہوں

*

ہوا ابر سیہ پھر اتفاقاً
فرازِ کوہ سے دست و گریباں
سکوتِ مرگ سا طاری ہے بن پر
بڑے پُرہول ہیں دشت و بیاباں
میں تنہا پاپیادہ دل گرفتہ
کہاں جاؤں بایں حالِ پریشاں
کرے گی آپ میری رہنمائی
یہ ہمہم آرزوئے روئے جاناں

وائی

جاؤں گی کیچ کی اور

سکھی ری — چھوڑ کے میں بھنبھور
سکھی ری — جاؤں گی ھوت کی اور

آشا ہے لوٹ آئیں گے پریتم
پریت کی ریت نبھائیں گے پریتم
آگ لگائی ہے جو من میں
خود ہی آن بجھائیں گے پریتم

بھائے پنہل چت چور — سکھی ری
جاؤں گی کیچ کی اور

بن بن میں بھٹکانے والا
جیون جوت جگانے والا
پھرتی ہوں میں کھوج میں جس کی
آئے گا وہ آنے والا

ناچے من کا مور ــ سکھی ری
جاؤں گی کیچ کی اور

چھٹی داستان

یہ کوھستان کی پیچیدہ راھیں
تجسس میں رھیں منزل بہ منزل
بیاباں در بیاباں خاک چھانی
کہاں تک ساتھ دیں پاؤں کے چھالے
وھی آخر بنیں گے دل کے غمخوار

یہ ویرانی یہ خاموشی یہ آھیں
تھکی ماندی نم آلودہ نگاھیں
ابھی ھیں دور اس کی جلوہ گاھیں
اگر اھل۔ طلب چلنا بھی چاھیں
جہاں تک ھوسکے اُن سے نباھیں

*

عجب 'وندر' کی راہ۔ پر ستم ھے
کہاں گم ھیں وہ پراسرار ناقے
سرابوں میں ھراساں پھر رھی ھوں
جدائی میں تری اے میرے پنھوں
کہاں ھے لوٹ آ اے میرے پیارے

عجب یہ رھگذار۔ خم بہ خم ھے
صبا سے تیزتر جن کا قدم ھے
جگر میں آگ ھے۔ آنکھوں میں نم ھے
یہ طرفہ یورش۔ رنج و الم ھے
مرے جینے کی اب امید کم ھے

*

یہ کوھستاں یہ ویران ٹیلے
کھڑے ھوں جیسے فیل مست بن کر
میں اس کوہ۔ گراں کو کاٹ دیتی
اگر ھوتا کوئی تیشہ میسر
ھوئی نشو و نما اس کی غموں سے
تمنا بن گئی نخل تناور

*

فرازِ کوہ تا حدِ نظر ھے
خدا جانے مری منزل کدھر ھے
مسلسل رھگذاروں کا سفر ھے
وھی صحرائے گرم و پُرخطر ھے
یہاں کیا کام ھے فرزانگی کا
بڑی صبر آزما یہ رھگذر ھے
مگر اے جذبۂ جوشِ محبت
مجھے غم کیا کہ پنھوں راھبر ھے
اسی کا ھے تصور میرے دل میں
اسی کا نقشِ پا پیشِ نظر ھے
صدائے ناقہ جیسے ھر قدم پر
دلِ آگاہ سے نزدیک تر ھے
زمانے میں ازل سے کارفرما
محبت ھی محبت کا اثر ھے

*

مسلسل کوھساروں کا سفر ھے
خدا جانے مرا پنھوں کدھر ھے
یہ تپتی ریت یہ وحشی درندے
ستم انگیز دشتِ پرخطر ھے
جہاں ناقے بھی ھمت ھار جائیں
وھی یہ تنگ و تیرہ رھگذر ھے
یہ عالم ھے کہ جیسے ھر قدم پر
وطن پیارے جتوں کا دور تر ھے
نہیں کچھ اور اب میری نظر میں
وہ آری جام ھی پیش نظر ھے
جتوں کے بائیں سے گزرے نہ تیتر
نکل جائیں شگونِ بد سے بچ کر

*

کہاں وہ انتظارِ روئے جاناں
کہ چاھا بھی تو کمتر نیند آئی
کہاں یہ بدنصیبی چشم حیراں
کہ منزل پر پہنچ کر نیند آئی
سزا یہ ھے کہ تڑپوں زندگی بھر
خطا یہ تھی کہ شب بھر نیند آئی

*

یہ احساں ھے دلِ بے مدعا کا
مجھے کچھ ڈر نہیں روز جزا کا
حریمِ چشمِ حیراں بن گیا ھے
ھر اک جلوہ کسی جانِ وفا کا

وائی

جتوں بن جگ جیون ھے روگ
سکھی ری — جگ جیون ھے روگ
بلائے موھے 'پنھل' چت چور
چلی ھوں آج میں کیچ کی اور

نہیں ہے بھاگ میں اب بھنبھور

لیا ہے آشاؤں نے جوگ
سکھی ری!
جگ جیون ہے روگ

آئے نہ بیکل من کو چین
پھروں گی بن بن میں دن رین

ملا ہے مجھ کو جیون سوگ
سکھی ری!
جگ جیون ہے روگ

وائی

بیکل ہوں جتوں کے کارن پھرتی ہوں کنجن کنجن

بھنبھور میں کون ہے میرا
اجڑا وہ رین بسیرا
روٹھے مرے سندر ساجن
بیکل ہوں جتوں کے کارن

کیا بھول ہوئی تھی جانے
گھیرا جو مجھے بپتا نے
سکھ پائے کیسے جیون
بیکل ہوں جتوں کے کارن

ہر وقت "لطیف" ہے کہتا
گھر ڈھونڈھ لے اپنے ہی کا
اب جاؤں کہاں میں برھن
بیکل ہوں جتوں کے کارن

ساتویں داستان

نہ دو ترغیب مجھ کو واپسی کی
کہ یہ توہین ہے وارفتگی کی
کبھی بھنبھور میں جو دلکشی تھی
جھلک بھی اب نہیں اس دلکشی کی
دیا ہے جب سے دل پنہوں کو سکھیو!
نہیں ہے مجھ کو حسرت زندگی کی

*

قطار اندر قطار آئے تھے ناقے
بڑی پر کیف ان کی کہکشاں تھی
وہ آویزے وہ گھنگھرو وہ چھناچھن
عجب بانگِ درائے کارواں تھی

*

سسئی جنگل میں تھک کر رہ گئی ہے
درندوں سے بھی کیا کچھ کہہ گئی ہے
بہر صورت یہ نخچیر محبت
ستم دل پر ہزاروں سہ گئی ہے

*

کرم کر اب تو میرے دل پہ آری
چلی ہے کیچ کو یہ غم کی ماری
خبر لے اے مسیحائے محبت
نہ جائیں کوششیں بیکار ساری
تجھے معلوم ہے اے میرے پنہوں
کہ دردِ دل نہیں ہے اختیاری

*

نہیں قسمت میں اب آرام کوئی
نہیں جز شغلِ گریہ کام کوئی
نویدِ عشرتِ شب لے کے آئی
مری جانب نہ ابتک شام کوئی
اسی امید پر جیتی ہوں پیارے
کہ آجائے ترا پیغام کوئی
مجھے اب سانس لینا بھی گراں ہے
نہ جانے پیارے پنہوں تو کہاں ہے

*

خوشا یہ کیفیت کوہ و دمن کی
مہک ہے نافۂ مشکِ ختن کی
خدا جانے کہاں سے آ رہی ہیں
یہ خوشبوئیں جتوں کے پیرہن کی
وہ آری جام ہو جس انجمن میں
نہ پوچھو رونقیں اس انجمن کی
بر آئیں اس کی صورت دیکھتے ہی
مرادیں غمزدہ اہل وطن کی
ہوا بھنبھور میں جشنِ چراغاں
خوشی دیکھے تو کوئی مرد و زن کی

*

خدا جانے مجھے یہ درد دے کر　　ہوئے کس وقت وہ کیچی روانہ
گواہی دے رہے ہیں اشکِ شبنم　　کہ ہے یہ آخر شب کا فسانہ

*

دلِ بیتاب کو پامال کر کے　　کہاں وہ میرا پنھوں کھو گیا ہے
کھلا یا ہے یہ گل جب سے جتوں نے　　خدا جانے مجھے کیا ہو گیا ہے

*

بلوچوں سے وفا کا آسرا کیا　　خطا کاری ہے اُن سے دل لگانا
مجھے معلوم ہے دستور ان کا　　نہیں آسان انہیں اپنا بنانا
وہ مجھ پر اولِ شب غلبۂ خواب　　وہ ان کا آخر شب کیچ جانا
گھڑی بھر کے لیے تھی آشنائی　　مرے کس کام یہ مہندی رچانا

*

قصور ان دیوروں کا اس میں کیا ہے　　جو سچ پوچھو تو میری ہی خطا ہے
رہی انجان میں ان منزلوں سے　　وہ آری جام [illegible] آشنا ہے
اگر میں تھام لیتی ان کا دامن　　نہ ہوتا پھر یہ جو کچھ بھی ہوا ہے
وہی درماندگی میں ساتھ دے گا　　وہی اس غمزدہ کا آسرا ہے

*

خطا اپنی ہے تیرا نام کیوں لوں　　مرے جی کا ہے یہ جنجال پیارے
مری تقدیر ہی کھوٹی تھی ورنہ　　نہ ہوتا دفعتاً یہ حال پیارے
وہ کیچی اور ان کے اونٹ مجھ کو　　نہ کرتے اس طرح پامال پیارے
چھپے رہتے مری آغوش ہی میں　　وہ تیرے گھنگھریالے بال پیارے

وائی

رگ رگ میں رنگ روپ رچائے ہوئے ہوں میں
دل میں کسی کی یاد بسائے ہوئے ہوں میں

میں سو رہی تھی کیچ کو وہ کارواں گیا
لگتے ہی میری آنکھ وہ پیارا کہاں گیا
اب کیا ہے زندگی میں وہ آرام جاں گیا
حیران ہوں کہاں وہ مرا رازداں گیا

سوز غمِ فراق چھپائے ہوئے ہوں میں
دل میں کسی کی یاد بسائے ہوئے ہوں میں

آرائشیں جتوں کی ابھی تک نظر میں ہیں
نیرنگیاں جمال کی قلب و جگر میں ہیں
کیاغم جو مشکلیں بھی مری رھگذر میں ہیں
مونس یہ طائرانِ خوش الحان سفر میں ہیں

لطف و کرم کی آس لگائے ہوئے ہوں میں
دل میں کسی کی یاد بسائے ہوئے ہوں میں

وائی

جنجال ہوئی جیون رچنا
میں کس کو سناؤں دکھ اپنا
موہے مار گئے روٹھے سجنا

اب کیسے جیوں ہوتوں کے بنا

بھروپ بھیانک پربت کا
کیا دیکھے میری دربلتا
اے جھوٹی آشا تو ھی بتا

اس نگری میں ہے کون اپنا
اب کیسے جیوں ہوتوں کے بنا

وائی

میں برھن کوسوں دور رھی پہنچے مرے دیور کیچ سکھی

پربت پربت بے چین پھری
ہتھوں کے لیے دن رین پھری

جاؤں میں ان اونٹوں پر واری
پہنچے مرے دیور کیچ سکھی

دھوبی نے مجھے پالا پوسا
کیا میرا برھمن سے ناتا

میں ابھلا پنھوں کی داسی
پہنچے مرے دیور کیچ سکھی

مرے پنھوں دھیر بندھانا　　اس رن میں چھوڑ نہ جانا

اے میرے پیارے آری
ہے تیری یہ دکھیاری
تری مہما جگ سے نیاری

مرے پنھوں لوٹ کے آنا
پربت میں چھوڑ نہ جانا

سیوا میں کروں گی ساجن
پانی میں بھروں گی ساجن
چرنوں پہ مروں گی ساجن

دھوبن کا مان بڑھانا
پربت میں چھوڑ نہ جانا

سر کوهیاری

سر کوھیاری

پہلی داستان

رات سو کر گذاردی ساری — اے سسی اب کہاں ترا آری
اب نہ وہ کارواں نہ وہ ناقے — رہ گئی کھوئی کھوئی بیداری
درسِ عبرت یہ خوابِ غفلت ھے — بے خودی ھے تری خود آزاری
کچھ تو کر لے تلافیٔ مافات — ھائے بیٹھی ھے کیوں تھکی ھاری
ھے ابھی رھگذار میں پنھوں — جا اب اس کی تلاش میں پیاری

*

تجھ سے بھتر تو ان کے ناقے تھے — نیند جن کو نہ رات بھر آئی
تیری غفلت شعار فطرت پر — آھیں بھرتی ھوئی سحر آئی
جا اب اس کی تلاش میں کہ تجھے — پیش اک سخت رھگذر آئی

*

مژدۂ وصلِ دیدۂ بیدار — چشمِ خوابیدہ کس کے کام آئی
کاروانِ حیات جا نکلا — تو بھی ھو محوِ جادہ پیمائی
یہ نہ ھو اس رہِ تمنا میں — صرف رہ جائے تیری تنھائی

*

اُن کے اونٹوں کی کوئی آھٹ بھی — سن سکی تو نہ خوابِ غفلت میں
شام ھوتے ھی تجھ کو نیند آئی — اب کہاں وصل تیری قسمت میں

*

ھائے قسمت کہ خواب غفلت میں — اپنے پنھوں سے بے نیاز رھی

کر گئے کوچ قافلے والے   اور میں مستِ خوابِ ناز رہی
اور بھنبھور میں رہا کیا ہے   جب نہ وہ چشمِ دلنواز رہی

*

گھر میں جب تک رہا وہ آری جام   رہی بے فکرِ گردش ایام
یہ نہ جانا حرام ہے مجھ پر   راحتِ خواب، نیند کا آرام
اے سسئی کچھ خبر بھی ہے تجھ کو   کہ وہ لائے تھے اپنے ساتھ اک دام

*

شام ہی سے کوئی جو سو جائے   کیوں نہ غفلت شعار کہلائے
آنکھ کھلنے پہ لاکھ پچھتائے   ان جتوں کو مگر کہاں پائے
اے سسئی تجھ کو اب ترا پنھوں   کیسے بھنبھور میں نظر آئے

*

خواب غفلت میں اے سسئی تجھ کو   فکر پنھوں کی رات بھر نہ ہوئی
ہر طرف تھے ترے سراغ رساں   تجھے ان کی کوئی خبر نہ ہوئی
مثلِ مردہ لپیٹ کر منہ کو   ایسی سوئی کہ پھر سحر نہ ہوئی
خود ہی ملزم ہے خود ہی تو الزام   کر رہی ہے جتوں کو کیوں بدنام

*

گر روادار عاشقی ہوتی   یوں نہ طاری غنودگی ہوتی
'کیچ' سے آنے والوں کی خاطر   رات آنکھوں میں کاٹ دی ہوتی

وائی

دوش کسی کا کیا ہے اس میں
بھاگ پہ کس کا زور
چھوڑ چلی بھنبھور
سکھی — میں چھوڑ چلی بھنبھور
سکھ سنتوش سنگار سہاگن
بہلاتے ہیں تیرا تن من
پر میں جی بہلاؤں کیسے

ہائے پنھل چت چور

سکھی — میں چھوڑ چلی بھنبھور

جیسے بھی ہو جاؤں گی میں

بن بن کھوج لگاؤں گی میں

ڈال ڈال پہ سیس جھکا کر

روئے گا من مور

چھوڑ چلی بھنبھور

سکھی — میں چھوڑ چلی بھنبھور

دوسری داستان

مشکلیں چوب کار کی مانند　　کاٹ دیتی ہیں ہر درختِ امید

ہائے یہ کوہسارِ صبر شکن　　راہ پرخم دیار یار بعید

دل عاشق کی آزمائش سخت　　عزم انساں کی دل شکن تردید

*

اے رہِ کوہسارِ ناہموار　　زخمِ دل کس طرح چھپاؤں گی

تیری ایذا رسانیاں ظالم　　پیارے پنھوں کو میں بتاؤں گی

کردیا گم وہ نقش پا تونے　　جس کا کوئی بدل نہ پاؤں گی

*

اے پر اسرار کوہسار بتا　　پیارا پنھوں کدھر سے گذرا تھا

کچھ خبر ہے کہاں گیا آخر　　قافلہ جو ادھر سے گذرا تھا

لوٹ آئے وہ کاش آری جام　　کل جو اس رہگذر سے گذرا تھا

*

توھی جب گم ہے پیارے آری جام　　کوہساروں میں خاک ہو آرام

پاؤں چھلنی ہیں سنگ ریزوں سے　　ہائے یہ کوہسار خوں آشام

نالۂ بے اثر سنے گا کون؟ میں پکاروں مگر سنے گا کون؟

*

اے رہِ کوھسار دیکھ کہ میں اک مجسم غم تمنا ھوں
مجھ پہ اتنے ستم ھیں کیوں ظالم میں تو پہلے ھی ایک دکھیا ھوں

*

غم کے ماروں کا دل بڑھانا تھا اس طرح بھی نہ ظلم ڈھانا تھا
سنگدل کوھسار کیا جانے مجھے کس کا پتا لگانا تھا
سوگوارِ غمِ فراق تھی میں پیارے پنھوں کے پاس جانا تھا

*

ھائے مجبوریٔ دلِ بے تاب تجھ کو سمجھی تھی رازداں اپنا
پیچ در پیچ جادۂ صحرا ھو سکا تو مگر کہاں اپنا

*

آ کہ رو لیں دیارِ دشت و جبل اپنی قسمت میں نوحہ خوانی ھے
تیرے ویران رھگذاروں سے ملتی جلتی مری کہانی ھے

*

جن پہ حزنِ فراق ھے طاری فرض ھے تجھ پہ ان کی دلداری
اے رہِ سختِ کوھسار بتا کھو گیا ھے کہاں مرا آری

*

خشک اب میری چشمِ پرنم ھے دل کا عالم عجیب عالم ھے
ریزہ ریزہ ھوا ھے کوہِ گراں مشتعل پھر بھی سوز پیہم ھے
اس کی فتنہ طرازیاں مت پوچھ جان لیوا یہ ابلق غم ھے

*

اے خوشا کوھسارِ پر اسرار جان اس جانِ انجمن پہ نثار

*

غمزدہ ھوگئے درندے بھی نوحہ خوان کوھسار ھے اب تو
اے سسئی تیرا ھمنوا بن کر ھر نفس شعلہ بار ھے اب تو

*

کوئی اس کا جواب کیا ہوگا　　ھوت ہے میری آنکھ کا تارا
یہ جبل ھیں زمین کی میخیں　　اور ان سب کی میخ وہ پیارا

*

کون جانے یہ راز۔ در پردہ　　رنگ ان وادیوں کا کیوں فق ہے
دیکھ کر نوحہ خواں سسئی تجھ کو　　سینۂ کوھسار بھی شق ہے

*

اے مرے عزم۔ کوہ پیمائی　　یہ فراز جبل یہ تنہائی
کوھساروں میں ساتھ دے نہ سکی　　میری سکھیوں کی پرنیاں پائی
آخر اس کا پتا لگاؤں گی　　جو مرے دل کا ہے تمنائی

*

ھمسفر چاھتے ھیں اب آرام　　ھائے لیکن مرا دل۔ ناکام
میں رھوں گی انھیں سرابوں میں　　دور جب تک ہے پیارا' آری جام

وائی

میں پریم پجارن ھوں سکھیو — وہ ھوت نہ مجھ کو چھوڑے گا
میں ڈال چندریا پی کے گلے
جیسے بھی ھو جا کے منالوں گی
اس پریت ڈگر میں اے سجنی
آشا کے دیپ جلا لوں گی
میں پریم پجارن ھوں سکھیو — وہ ھوت نہ مجھ کو چھوڑے گا
پل بھر بھی تجھ بن اے پنھوں
اس جگ میں رہ نہ سکوں گی میں
داسی ھوں دیالو داتا کی
منموھن آن ملوں گی میں
میں پریم پجارن ھوں سکھیو — وہ ھوت نہ مجھ کو چھوڑے گا

تیسری داستان

تک رہا ہے یہ کوہسار مجھے کر گیا کون بے قرار مجھے
اے مرے 'ہوت' آ بھی جا پیارے ہے بہر گام انتظار مجھے
یاد آئیں اگر تو کیوں آئیں اب وطن کے وہ برگ و بار مجھے
روک سکتا تو روک ھی لیتا غم سے بے حال ان کا پیار مجھے
تجھ سے ھو کر جدا نظر آیا سارا بھنبھور شعلہ بار مجھے
قرب منزل نے وہ فریب دیا کر دیا وقف رہگذار مجھے
تو نہیں راہبر مرا تو نہیں رہگذر کا بھی اعتبار مجھے
پھر اچانک قریب تر کردے اپنے اونٹوں سے ایک بار مجھے

*

پیارے پنھوں کی حشر ساماں یاد جیسے سینے میں ناوک فولاد
چشم خوابیدہ مائل فریاد اور شبہائے غم ستم ایجاد
جرأت صبر کا نہ ذکر کرو جان لیوا ھے عشق کی بیداد

*

اپنی ھر بے بضاعتی تسلیم لیکن اے جذبۂ جنوں آثار
میری رگ رگ میں رہ گیا رچ کر دور افتادہ کیچیوں کا پیار
کس طرح بھول جاؤں میں اس کو جو ازل ھی سے ھے مرا دلدار

*

ان بلوچوں کی خادمہ ھوں میں جن سے وابستہ درد ھستی ھے
لاکھ ترک تعلقات کریں میرا مسلک وفاپرستی ھے
ھر تمنا ھے ھوت سے منسوب دل کی مستی عجیب مستی ھے

*

کاش اک بار راس آجائے یہ تمنائے کمتری میری
کیچیوں کی کنیز ھوں لیکن درس عبرت ھے زندگی میری
پیارے پنھوں تری دھائی ھے لاج رکھ لینا جیتے جی میری
مجھ پہ اس کار زار ھستی میں خندہ زن ھو نہ عاجزی میری

وائی

مرے دیالو ساجن آئیں گے
پھر ساتھ مجھے لے جائیں گے
ٹوٹیں نہ ملن کی آشائیں
کیا روکیں گی یہ بپتائیں
ساجن موہے راہ سجھائیں گے
پھر ساتھ مجھے لے جائیں گے
تن میرا پاپ کی نگری ہے
من مایا لوبھ کی گٹھڑی ہے
ساجن یہ روگ مٹائیں گے
پھر ساتھ مجھے لے جائیں گے

—※※—

چوتھی داستان

کون جانے کہاں میں آ پہنچی
دشت و کہسار و رہ گذر خاموش
منزلِ غمگسار نامعلوم
ضبط دشوار، صبر دشمن ہوش
تیرا پہلو، زہے نصیب اے دوست!
اب بلاتی ہے قبر کی آغوش

*

حشرساماں یہ نارسائی ہے
جاں لیوا تری جدائی ہے
اے مرے 'ھوت' میں ترے قرباں
کیوں یہ درگت مری بنائی ہے
میں کہاں اور کوھسار کہاں
اے محبت تری دھائی ہے
کس سے پوچھوں بتائے کون مجھے
معتبر کس کی رہنمائی ہے
خوابِ غفلت کا ہو برا یا رب!
میں نے جس کی سزا یہ پائی ہے

*

کون جانے کہاں ملیں گے وہ
ھائے مجھ کو جنھوں نے مارا ہے

جن کے ابرو کی نوک پیکاں نے — موت کے گھاٹ لا اتارا ہے
جسم میں اب لہو کا نام نہیں — کس کو تاب و تواں کا یارا ہے
پیارے پنہوں مگر تری خاطر — ہر مصیبت مجھے گوارا ہے
چارہ سازوں سے کیا امید مجھے — دردِ دل کو ترا سہارا ہے

*

عشق نے مثلِ گوسفند مجھے — دُشنہ ہجر سے حلال کیا
ہوت کی یاد نے مرے دل کو — اک صنم خانہ خیال کیا
کیا بتاؤں کہ کن اشاروں نے — مجھ کو آمادہ وصال کیا

*

پیارے پنہوں کا پرتوِ رنگیں — بادلوں کی جھلک دکھاتا ہے
جادۂ سخت دشتِ وحشت میں — خوں کے آنسو مجھے رلاتا ہے

*

پرتوِ حسنِ دوست منڈلایا — اب نہ وہ خستگی رہی نہ تھکن
ہر مصیبت میں دل کو راحت ہے — جب سے 'آری' ہوا ہے جلوہ فگن

وائی

اس 'ہوت' بلوچ کو پاؤں — پھر ایک بار مل جاؤں
یہ اونچا نیچا پربت — مجھ سے تو چڑھا نہ جائے
تجھ تک مرے پیارے پنہوں — اب کون مجھے پہنچائے
میں پگ پگ نین بچھاؤں —— پھر ایک بار مل جاؤں
بھنبھور میں مجھ کو سکھیو! — داتا کی مہما لائی
پھر پنہوں جام کی ہوکر — دُربل داسی کہلائی
وہ آئیں تو سکھ پاؤں —— پھر ایک بار مل جاؤں

پانچویں داستان

ھائے کب تک کسی کا غم کھاؤں
کس طرح اپنے جی کو بہلاؤں
اک مسلسل عذاب ھے ھستی
کیوں نہ ھستی سے میں گذر جاؤں
تو نہیں اور ترے سوا کیسے
راحتِ جاں سکونِ دل پاؤں
سر بسر دردِ لادوا ھوں میں
جب سے اس 'ھوت' سے جدا ھوں میں

*

پیارے پنھوں غم جدائی سے
ٹکڑے ٹکڑے ھوا دل حیراں
چارہ سازِ حیات تیرے بغیر
کیسے حاصل ھو اس کو تاب وتواں

*

جن سے وابستہ ھے دلِ ناکام
کر رہے ھیں وہ کیچ میں آرام
بدگماں ھو گیا نہ جانے کیوں
ساکنِ کوھسار 'آری جام'

*

عالمِ رنگ و بو کی ھر تنظیم
ایک پل میں ورق ورق ھوجائے
راکھ ھوجائیں برگ و بار تمام
اور بیاباں کا منہ بوبی فق ھوجائے
میرا غم ھے وہ غم جو ظاھر ھو
سینۂ کوھسار سے شق ھوجائے

*

حاصلِ حسنِ مدعا ھے تو
ھر حقیقت سے آشنا ھے تو
بے وسیلوں کو کیچ پہنچادے
آس تجھ سے ھے، آسرا ھے تو
نہ ملا 'حب' کا راستہ جن کو
ان غریبوں کا رھنما ھے تو

*

ھاں یہ سچ ھے کہ میں ھوں پرتقصیر
لیکن اے کارسازِ عالمگیر
ھے بھرطور تجھ سے وابستہ
جادہ پیمائے شوق کی تقدیر

*

سکھ سہانے سہیلیو! تم کو
میں دکھی ھوں دکھی ھی رھنے دو
اشک بن بن کے میری آنکھوں سے
بہہ رھا ھے لہو تو بہنے دو

پریت کی ریت ہے یہی سکھیو!
چوٹ برھا کی جی پہ سہنے دو

*

وہ نہ سمجھیں گے پریت کے دکھ درد
چوٹ کھائے ہوئے جو لوگ نہیں
کیوں مرے ساتھ رو رہی ہو تم
پیاری سکھیو! یہ سوگ سوگ نہیں
ھائے برھا کی آگ میں جلنا
ہر سہیلی کے بس کا روگ نہیں

وائی

تم چھوڑو یا لے جاؤ مجھے
دھتکارو یا اپناؤ مجھے
ساجن میں تمھیں اپنائے ہوں

کچھ دن تو جتنوں کو رھنا تھا
کہہ لیتے جو کچھ کہنا تھا
اک چوٹ سی دل پر کھائے ہوں
ساجن میں تمھیں اپنائے ہوں

ترے نینوں کی مدھ ماتی
میں بھول گئی سونا چاندی
پھر سے اک آس لگائے ہوں
ساجن میں تمھیں اپنائے ہوں

اونٹوں کو کہیں رکوا لینا
داسی کو پاس بلا لینا
میں من کو دھیر بندھائے ہوں
ساجن میں تمھیں اپنائے ہوں

سن بات "لطیف" کی اے پیارے
ھیں پریم کے یہ بندھن سارے
یادوں سے جی بہلائے ہوں
ساجن میں تمھیں اپنائے ہوں

چھٹی داستان

چشم پرنم کو کیا کروں پیارے
اشک پیہم کو کیا کروں پیارے
ناشکیبا ہے سوختہ جانی
شعلۂ غم کو کیا کروں پیارے
تشنگی ہے کہ بجھ نہیں سکتی
موجۂ یم کو کیا کروں پیارے
فکر رہزن فراق راہنما
سعیٔ پیہم کو کیا کروں پیارے
یہ سر راہ آفتوں کا ہجوم
میں ترے غم کو کیا کروں پیارے
زندگی کا نظام درہم ہے
حسن برہم کو کیا کروں پیارے
تیری منزل ہی جب گریزاں ہے
میں دوعالم کو کیا کروں پیارے
عشق کے پیچ وخم ہی کیا کم ہیں
راہ پرخم کو کیا کروں پیارے

*

نوحہ خواں برگ و بار ہیں مجھ پر
ان پہ ظاہر مرا غم دل ہے
لیکن ارباب عشق کے نزدیک
اشک باری ریا میں داخل ہے

*

لاکھ آبادیوں سے بڑھکر ہے
دل سوزاں کی خانہ ویرانی
مرحبا میری جستجوے حسین
اور جلووں کی فتنہ سامانی
ایک دھوکا مظاہر کثرت
حسن وحدت مگر ہے لاثانی

*

اعتبار مظاہر کثرت
کم نگاہی نہیں تو پھر کیا ہے
زندگی کے نگارخانے میں
بس وہی ایک جلوہ فرما ہے

*

منزل زندگی معین کر
دیکھ پیارے کا نقش پا پیاری!
ہے ترے جذب و شوق میں موجود
دیدہ و دل کا رہنما پیاری

*

ڈر نہ تو کوہسار 'پب' سے کہ یہ
تیرے شوق طلب کی ہے توہین
دل کی آنکھوں سے دیکھ اے نادان
یہ بیاباں ہے یا کوئی قالین!

*

اف یہ بادِ سموم کی حدت
کوہ و صحرا میں آگ سی دیکھی
ضبطِ پیہم کے باوجود اے دوست
دیدۂ شوق میں نمی دیکھی

وائی

جب بھی اٹھے ھوک جی بھر کے رو لوں

برھا کی سمرن میں آنسو پرو لوں
بیری بلوچوں نے اونٹوں کو پھیرا
چھایا ہے آنکھوں میں کیسا اندھیرا
جانے نہ کوئی بھی دکھ درد میرا

گھٹ گھٹ کے مرجائوں منہ سے نہ بولوں
جب بھی اٹھے ھوک جی بھر کے رو لوں

کھویا ھوا من کا موتی نہ پائوں
کبتک نراشا کو آشا بنائوں
دھول اور مٹی سے ھولی منائوں

نینوں کی ندیا سے آنچل بھگولوں
جب بھی اٹھے ھوک جی بھر کے رو لوں

وائی

دکھیا پہ دیا کرنا ساجن

ڈھونڈھوں گی تمھیں جا کر بن بن
دیکھے نہ مرے دل کے چھالے
مت روٹھ مرے پریتم پیارے

پاگل سمجھے دنیا والے
میں بیکل ھوں تیرے کارن
دکھیا پہ دیا کرنا ساجن

رنگ لوں گی چندریا نیروں سے
بن تیرے چین نہ پاؤں گی

گھائل ھوں نینَ کے تیروں سے
میں چاھے کروں اب لاکھ جتن
دکھیا پہ دیا کرنا ساجن

سرِ حسینی

سر حسینی

پہلی داستان

یہ وقتِ شام یہ خاموش سائے
سسئی اب دن کا اندازہ لگائے
قدم کچھ اور تیز آگے بڑھائے
کہ رستے میں نہ سورج ڈوب جائے
یہ مانا بوجھ برہا کا ہے بھاری
مگر جیسے بھی ہو گرنے نہ پائے
سسئی کے پیرہن کا طولِ دامن
رہِ پُر خار میں آڑے نہ آئے
غروبِ آفتابِ عالم افروز
پیامِ منزلِ مقصود لائے

*

بلا کی دھوپ میں درماندہ ہو کر
سسئی سایہ شجر کا ڈھونڈھتی تھی
بیاباں ہی میں اس کو ہو گئی شام
گھڑی وہ کس قیامت کی گھڑی تھی
درخشاں چشمِ پرنم میں تمنا
سماں رستے میں سورج ڈوبنے کا!

*

غروب اے مہر تاباں ہو نہ جانا
رہِ الفت میں کانٹے بو نہ جانا
مری راہِ وفا میں کام آئیں
مرے مرنے سے پہلے مٹ نہ جائیں
بلوچوں کے نشاں محفوظ رکھنا
مری سعیٔ طلب ملحوظ رکھنا

*

میں کوہ و دشت میں افتاں وخیزاں
تلاش اے جانِ جاں تجھ کو کروں گی
مرے پنھوں اگر جیتی رہی میں
تری ہی یاد میں آہیں بھروں گی

*

عجب یہ شام کا رنگیں سماں ہے
شفق آلودہ ہر کوہِ گراں ہے
کہیں یہ نقشِ پا بھی مٹ نہ جائے
فضا میں پرتوِ شب پرفشاں ہے

کہیں تاب و تواں رخصت نہ ہو جائیں کہاں ہے وہ مرا مونس کہاں ہے

*

مرا کیا دے سکو گی ساتھ سکھیو! خدارا تم یہیں سے لوٹ جاؤ
سرابوں ہی سرابوں کا سفر ہے چلی بھی جاؤ ضد سے باز آؤ

وائی

مجھ دکھیاری کو اے سکھیو، ملے دان میں اونچے ٹیلے
ڈگر ڈگر پر کب تک بھٹکیں میرے نین ہٹیلے
پاؤں اٹھانا بھی دوبھر ہے، قدم قدم جنجال سکھی ری
ہائے یہ میرا حال سکھی ری

ہرے بھرے پیڑوں سے بن میں کہتی ہوں یہ سانجھ سویرے
جو کچھ مانگو مل جائے گا ساتھ میں ہوں جب ساجن میرے
کب سے آس لگائے ہوئے ہے، ہر البیلی ڈال سکھی ری
ہائے یہ میرا حال سکھی ری

ہیرے جیسا دل پریتم نے توڑا جیسے کنکر توڑے
واری واری جاؤں اس پر، کیوں ہے برہن سے منہ موڑے
گھائل من کی صورت جیسے پھول انار کا لال سکھی ری
ہائے یہ میرا حال سکھی ری

'پب' کے پتھر موتی بن کے نینوں میں دن رین سمائیں
پر اس آری جام پیا کو کت ڈھونڈیں اور کیسے پائیں
بیٹھے تھے سر جوڑ کے دیور چلنے کو یہ چال سکھی ری
ہائے یہ میرا حال سکھی ری

کہے 'لطیف' کوی اے سکھیو پریتم پردیسی لوٹ آئے
مدھر ملن کی شوبھاؤں نے آشاؤں کے بھاگ جگائے
لائے سندیسہ پریت لگن کا، وہ کیچی سکھ پال سکھی ری
ہائے یہ میرا حال سکھی ری

دوسری داستان

یہ صحرا اور گرمی دوپہر کی
خداجانے کہاں لے کر چلی ہے
نہ بھولوں گی تجھے اے پیارے پنھوں
چلی ہوں عالم وارفتگی میں

یہ بے تابی مرے قلب و جگر کی
مجھے آوارگی فکر و نظر کی
قسم ہے مجھ کو اپنی چشم تر کی
ضرورت کیا مجھے رخت سفر کی

*

مچل کر اشک خونیں چشم تر میں
چلے ہو مجھ کو داغ ہجر دے کر

یہ کہتے ہیں نہ جاؤ میرے پیارو
کہاں اے بندہ پرور شہسوارو

*

کبھی تو سیر ہوا ے چشم حیراں
کہاں ہے نور چشم و راحت دل
حیات چند روزہ کے مشاغل
دل برباد کو کیا راس آئیں

عبث ہیں زندگی کے ساز و ساماں
کہاں ہے عشرت روح پریشاں
ہوئے نقش و نگار طاق نسیاں
امیدیں آرزوئیں اور ارماں

*

میں چرخا کاتنے بیٹھی ہوں لیکن
مسلسل سعیٔ لا حاصل کے صدقے

کہاں پونی ہے اور دھاگا کدھر ہے
کہ اس کا ماحصل یہ چشم تر ہے

*

کہاں کا عشق کیسی آشنائی
محبت نے مجھے بے موت مارا

میں ایسے درد سر سے باز آئی
دہائی ہے مرے پنھوں دہائی!

*

شعاع مہر عالمتاب ہو یا
سستی یہ تیری راہ پیچ در پیچ

ہوائے سرد شب ہو، تیزتر جا
نہ جانے ختم کب ہو، تیز تر جا

*

بڑھا ہر سمت تاریکی کے سائے
تلاش جاوداں سعیٔ مسلسل

کہیں وہ نقش پا گم ہو نہ جائے
تجھے شاید رہ منزل دکھائے

کہاں کی دھوپ کیسی چھاؤں اس کو
ہجوم غم میں بھی جو مسکرائے
تجھے روکے نہ پھر کوہ گراں بھی
دیار دوست جب تجھ کو بلائے

وائی

ھوت سے موھے پیار — سکھی ری
ھوت ھے میرا سنگھار — سکھی ری
ھوت گلے کا ھار — سکھی ری
گھاٹی گھاٹی کو مہکائے
کیسے کیسے پھول کھلائے
تن برمائے من برمائے
رنگ رنگیلے روپ دکھائے
پربت پربت ھُن برسائے
پریم سے جیون جوت جگائے
بن دیکھے موھے چین نہ آئے
ھوت سے ھے موھے پیار — سکھی ری
ھوت گلے کا ھار — سکھی ری

—✻—

تیسری داستان

سکھی بھنبھور سے دل بدگماں ھے
سہارا کون اب میرا یہاں ھے
وہ فردوس نظر 'آری' کہاں ھے
یہ آھیں ھیں کہ دوزخ کا دھواں ھے
ستاتی ھے جتوں کی یاد مجھ کو
بھیانک صبح وحشت کا سماں ھے
وھیں آؤں گی میں اے پیارے پنھوں
سنا ھے تو بس کوہ گراں ھے
تجھے میں کس طرح دل سے بھلاؤں
توھی تسکین دل آرام جاں ھے
عبارت منزل مقصود تجھ سے
مری ھستی غبار کارواں ھے
قیامت تھی مری غفلت شعاری
تصور جس کا اب دل پر گراں ھے

*

اب اس بھنبھور سے ویرانہ بہتر　　گلوں سے سبزۂ بیگانہ بہتر
سکون ناآشنا ویرانیوں میں　　دلِ وارفتہ و دیوانہ بہتر
ہر اک نظارۂ باطل سے مجھ کو　　سرورِ جلوۂ جانانہ بہتر

*

سُن اے دوشیزۂ بھنبھور آخر　　کہاں اس جانِ جاں کو ڈھونڈھتی ھے
عبث دشت و جبل کی وسعتوں میں　　رہِ محبوب کو تو ڈھونڈھتی ھے

*

سسئی کے دیدہ و دل کے اجالے　　نہ پہچانے تجھے بھنبھور والے
سسئی کی چشم حیران نے بالاخر　　کیے قلب و نظر تیرے حوالے
اسے کیا کام فکرِ ماسوا سے　　جسے وہ جانِ جاں اپنا بنالے

*

کہاں یہ جلوۂ صبح و مسا تھا　　کہاں بھنبھور اتنا پر فضا تھا
بہاریں لے کے آیا پیارا پنھوں　　وگر نہ یہ چمن ویران سا تھا

وائی

نہ سمومِ دشت کا شکوہ ھے نہ غبارِ راہ کا ھے گلہ
یہ مہک فضا کی بتا رھی ھے یہیں کہیں ھے وہ قافلہ

مرے رہنما، مرے رہنما
ترا نقش پا مجھے مل گیا

جو سنا تھا صبحِ الست کو وہ پیام ھے مرا راحلہ
کہ فضاے دشت و جبل میں بھی ھے وہ جذب و شوق کا سلسلہ

مرے رہنما، مرے رہنما
ترا نقشِ پا مجھے مل گیا

چوتھی داستان

مرے دیور مجھے بے عیب پاتے
بھر عنواں وہ مجھ کو آزماتے
نہ تھا کچھ رشتہ و پیوند آن سے
کدورت تھی دلوں میں آن کے ورنہ
اگر میں خوابِ غفلت میں نہ ہوتی
سلایا مجھ کو شوقِ مطمئن نے

تو مجھ سے یوں خفا ہو کر نہ جاتے
میں جتنا روٹھتی اتنا مناتے
وگرنہ مجھ پہ وہ کیوں ظلم ڈھاتے
مجھے جانے سے پہلے وہ جگاتے
مصیبت کے یہ دن مجھ پر نہ آتے
نہ میں سوتی نہ وہ یہ گل کھلاتے

*

نہ کیچی ہیں نہ ان کا کارواں ہے
عبث بے تابیٔ اشک رواں ہے
مقدر میں فراقِ جانِ جاں ہے
نہ جانے کونسی خامی ہے مجھ میں

سراسر غفلتِ خوابِ گراں ہے
تلاشِ دوست سعیِ رائگاں ہے
کہاں ناقے ہیں اور پنھوں کہاں ہے
جو ان پیارے بلوچوں پر عیاں ہے

*

کہاں وہ تیزرو ناقے سدھارے
نہ ہمدم ہے نہ کوئی ہمنشیں ہے
کسے آواز دوں کس کو پکاروں
کہاں ہے وہ مری گم گشتہ جنت

کہاں گم ہو گئے کیچی دلارے
رھوں بھنبھور میں کس کے سہارے
نہیں سنتا کوئی فریاد پیارے
سنے کون اب کوئی کس کو پکارے

*

جہاں وہ حاصلِ فکر و نظر ہے
خدا جانے کہاں وہ جلوہ گر ہے
چل اے جوش جنوں دیکھیں وہاں بھی
خوشا وارفتگی قلب و نظر کی

وہ منزل ماورائے رہگذر ہے
رگِ جاں سے بھی جو نزدیک تر ہے
سنا ہے کیچ میں پنھوں کا گھر ہے
نشاں اس کا نہ کچھ اپنی خبر ہے

وائی

میں بن باسی بن جاؤں گی
بھنبھور کو آگ لگاؤں گی

اے ہوت تجھے اپناؤں گی
جیسے بھی ہو کھوج لگاؤں گی
بن تیرے جان گنواؤں گی ــ میں تن من بھینٹ چڑھاؤں گی
اوجھل نہ ہو آنکھوں کے تارے
بیکل ہیں نین تھکے ہارے
کردیں گے راکھ مجھے پیارے
سانسوں کے سلگتے انگارے
کب ٹوٹیں گے بندھن سارے ــ کب مدھر ملن کو آؤں گی
میں تن من بھینٹ چڑھاؤں گی
دکھ درد کے پاٹوں کی چکی
جیون کو کہاں تک پیسے گی
مانوں گی ہار نہ جیتے جی
ہوجائے چاہے جو کچھ بھی
میں ہوں امرت رس کی پیاسی ــ پیاسوں کی ریت نبھاؤں گی
میں تن من بھینٹ چڑھاؤں گی

وائی

اس جیون کے تپتے رن میں، آشا کے انجانے بن میں
پاس نہ ہو جب پنھوں میرے، کیسے آئے چین ــ سکھی ری
ہائے جتوں کو پربت پربت، ڈھونڈوں گی دن رین ــ سکھی ری
ڈور بناؤں گی میں سجنی، اونٹ چراؤں گی میں سجنی
درشن ابھلاشی ہیں کب سے، میرے پیاسے نین ــ سکھی ری
ہائے جتوں کو پربت پربت، ڈھونڈوں گی دن رین ــ سکھی ری
"شاہ لطیف" کی بات بن آئے ــ پیارا پنھوں پھر آجائے
مجھ برھن کے بیکل من کو، مل جائے سکھ چین سکھی ری
ہائے جتوں کو پربت پربت، ڈھونڈوں گی دن رین ــ سکھی ری

—※※※—

پانچویں داستان

وہ 'لس بیلا' ہو یا 'منبھار' پیارے
مجھے درکار ہیں تیرے سہارے
میسر تھے بلوچوں ہی کے دم سے
مرے بھنبھور کو رنگیں نظارے
مرے دل سے صبا رفتار ناقے
اڑا کر لے گئے کچھ چاند تارے

*

پہن کر جن کو کہلائی سہاگن
میں اب ان چوڑیوں کو توڑتی ہوں
کہاں تک ماں! سہونگی تیرے طعنے
میں اب گھر بار سے منہ موڑتی ہوں
جہیز اپنا، زباں اپنی سنبھال اب
ترے بھنبھور کو میں چھوڑتی ہوں
کوئی سمجھے گا کیا دکھ درد میرا
یہاں سر اپنا ناحق پھوڑتی ہوں
لیا ہے جوگ برھن بن کے میں نے
بیابانوں سے ناتا جوڑتی ہوں
بھری ہے آنسوؤں سے میری جھولی
سمجھتی ہوں ہر اک پربت کو ڈولی

*

ان بلوچوں سے دوستی کر کے
کیا بتائیں سسئی نے کیا پایا
ماورائے ہجوم راہگذر
دیدہ و دل کا مدعا پایا

*

مسافر بن کے وہ جس وقت آئے
نہ جانے کیوں مرے دل میں سمائے
عبث ان اجنبی پردیسیوں سے
محبت کر کے یہ دکھ درد پائے
دلاسے دے کے ماں! کیوں روکتی ہے
کہیں دل ہی میں دل کی رہ نہ جائے
فراق ہوت میں کب تک شب و روز
دل درد آشنا یوں تلملائے

*

عبث پردیسیوں سے دل لگایا
کسی کا پیار تن من میں بسایا
سسئی تو نے برھمن زاد ہو کر
بلوچوں سے بھلا کیوں دل لگایا
سمجھ کر کھیل کیوں پنہوں کو تو نے
ہمیشہ کے لیے اپنا بنایا

*

بلوچوں کو یہاں آتے ہی شاید
بتایا تھا کسی نے راز میرا

وہ رخصت ہو گئے میں سو رہی تھی　　　ابھی ہونے نہ پایا تھا سویرا

*

عجب ہے سوزِ آہنگ 'حسینی'(۱)　　　بہت آسودہ میری جاں ہوئی ہے
گلِ تازہ ہے زخمِ خونچکاں بھی　　　خلش ہی درد کا درماں ہوئی ہے
مرے حق میں سفر کی ہر صعوبت　　　نہ جانے کس لیے آساں ہوئی ہے

*

بسا اوقات وہ حسنِ گریزاں　　　تہی آغوش پر حیراں ہوا ہے
فراقِ یار کا رنگیں تصور　　　امیدِ وصل پر خنداں ہوا ہے

وائی

کیا معلوم تھا اس نگری میں　　　یہ جیون ہے رین بسیرا
تو ہی بتا پردیسی پنھوں　　　لائے کون سندیسہ تیرا
ہائے ہائے حال یہ میرا

بن بن بھٹکوں نیر بہاؤں　　　چین نہ آئے جی گھبرائے
گت گھائل کی ہائے نہ پوچھو　　　جب نینوں کی برچھی کھائے
پگ پگ ہے دکھ درد کا ڈیرا
ہائے ہائے حال یہ میرا

پان رچائے سندر ساجن　　　مجھ برھن پہ پیک تو ڈالے
خالی ہے یہ جھولی کب سے　　　وہ داتا کچھ بھیک تو ڈالے
جانے کب ہو کیچ کا پھیرا
ہائے ہائے حال یہ میرا

وائی

میں بھول گئی سدھ بدھ اپنی　　　کس دیس گئے دیور سجنی
کیا بھول ہوئی کیوں روٹھ گئے
میں کب سے نیر بہاتی ہوں

---

(۱) ایک راگ کا نام

کاگا کی بانی سنتے ہی
جانے کیوں چونک سی جاتی ہوں
بیکل ہے جیا کب آئیگا
وہ کیچ کا آری جام دھنی
کس دیس گئے دیور سجنی

جو جیون لے کر آئے تھے
وہ موت کے گھاٹ اتار گئے
کیا میں نے بگاڑا تھا ان کا
وہ اونٹ مجھے کیوں مار گئے
اپنا کے انہیں درگت یہ بنی
کس دیس گئے دیور سجنی

—⁂—

چھٹی داستان

کسی کیچی کو جب میں دیکھتی ہوں
تو یاد آتے ہیں وہ رنگیں نظارے
ہوا ہوجاتے ہیں چشمک زدن میں
نہ جانے کیوں مرے دکھ دردسارے
امیدیں، آرزوئیں، خواب، ارماں
یہی ہیں زندگی کے اب سہارے

*

غم جاناں سرور جاوداں ہے
مرا دل ہر خوشی سے بدگماں ہے
زمانے بھر کی خوشیوں سے ہے بہتر
وہ درد دل جو تیرا رازداں ہے
محبت میں سر سوداطلب بھی
خود اپنا درد اپنا آستاں ہے
دل ہر داغ کا ہر داغ رہبر
مثال نقش پائے رفتگاں ہے

*

گھلی جاتی ہے غم سے سخت جانی
نمک کو گھول دے جس طرح پانی
جلا مجھ کو نہ پیہم سوز پنہاں
خدارا دیکھ تو یہ ناتوانی

*

دیا پنھوں نے تو داغ جدائی　　کہیں اے درد، تو دل سے نہ جانا
کروں گی تجھ سے میں اب انکی باتیں　　تجھے ہے رازداں اپنا بنایا

*

مرے اشکوں میں ہے ایسی روانی　　ہوا ہو سر سے اونچا جیسے پانی
میں زندہ ہوں بہ فیض سخت جانی　　کہاں آرام کیسی شادمانی
کوئی شکوہ نہ کوئی بدگمانی　　بڑی پردرد ہے میری کہانی
تری فرقت میں پیارے آریانی　　فزوں ہے نو بہ نو سوز نہانی
ہر اک غم ہے محبت کی نشانی　　فراق یار تیری مہربانی

*

یہ کہہ دو لذت درد نہاں سے　　نہ جائے اب مرے قلب تپاں سے
اگر جانا ہے تو اس وقت جائے　　ملوں جس وقت میں اس جان جاں سے

*

جنوں ہوش و خرد پر مسکرایا　　نہ جانے عشق نے کیا گل کھلایا
جگر کی ٹیس میں کچھ فرق آیا　　تو درد دل کو بے قابو سا پایا
ترے تیر نظر نے پیارے پنھوں　　ز سر تا پا مجھے بسمل بنایا

*

مجھے گھائل کیا تیر نظر نے　　دیا دھوکا کسی بیداد گر نے
بلوچوں سے کیے ہیں عہد و پیمان　　بہر صورت مرے قلب و نظر نے
رہیں محفوظ شبنم (۱) سے وہ ناقے　　جنھیں گم کردیا مجھ بے خبر نے
بہیں گے کب تک یہ اشک خونیں　　قسم کھائی ہے میرے چشم تر نے
نہ روک اے ماں مجھے ان وادیوں سے　　بلایا ہے جتوں کے رہگذر نے

*

ہوئی رخصت کسی کا نام لے کر　　امید زیست قلب ناتواں سے
اٹھا ہر سمت آہوں کا دھواں سا　　جلے دشت و جبل سوز نہاں سے

*

فضا ناسازگار، آنکھوں میں نم ہے　　کسے اب میری بربادی کا غم ہے

---

(۱) شبنم پر اونٹوں کے پاؤں پھسل جاتے ہیں۔

تن تنہا ہوں اس ماتم کدے میں — مسلط ہر طرف شام الم ہے
کرے گا کون میری غمگساری — ہجوم رہگذر کو کس کا غم ہے

*

مرا دکھ درد کوئی کیا بٹائے — ہوئے ہیں اب تو اپنے بھی پرائے
نہ پوچھو مجھ سے جو صدمے اٹھائے — ہزاروں غم ہیں اک دل میں سمائے
میں جس کی جستجو میں پھر رہی ہوں — خدا جانے وہ آئے یا نہ آئے

*

ذرا ہمت دکھا قسمت کی ماری — تری منزل ہے کوسوں دور پیاری
تجھے درپیش اک لمبا سفر ہے — اور اس کی شرط کیا ہے جاں سپاری
کڑے ہیں کوہساروں کے مصائب — مگر تیرا محافظ ہے وہ آری

وائی

میں ہار گئی، میں ہار گئی — ہائے من کی لگی موہے مار گئی

جانا ہے ہوت کے پاس مجھے
ماں روک نہ مجھ کو جانے دے
جو دکھ بھی اٹھاؤں ہاڑے میں
جیتے جی موہے اٹھانے دے

جیون آشا بیکار گئی — ہائے من کی لگی موہے مار گئی

میں آؤں گی میں آؤں گی
جیسے بھی ہو پریت نبھاؤں گی
روکیں یہ پربت لاکھ مجھے
اے ہوت تجھے اپناؤں گی
ان سندر چرنوں پہ رکھ کر
میں سیس سدا سوجاؤں گی

میں ہوت پہ سب کچھ وار گئی
ہائے من کی لگی موہے مار گئی

—⁂—

ساتویں داستان

نہیں وہ ماورائے دیدہ و دل　　کسی حیرت زدہ کا امتحاں کیا
تمنا خود ہے مسجودِ تمنا　　مکاں کیسا تلاشِ لامکاں کیا
تمنا جستجو ہی جستجو ہے　　تمنا میں سکونِ جسم و جاں کیا

*

قریب اے کاش میں تیرے نہ آؤں　　بہت ڈھونڈوں مگر تجھ کو نہ پاؤں
اسی کاہش اسی وارفتگی میں　　سدا منزل بہ منزل بڑھتی جاؤں
سراپا جستجوئے شوق بن کر　　تپاکِ دیدہ و دل آزماؤں
مجھے لے چل وہاں اے جوشِ الفت　　جہاں میں نت نئے صدمے اٹھاؤں
دمِ آخر دلِ حیرت زدہ کو　　وصالِ یار کا مژدہ سناؤں

*

نہیں اب کوہ پیمائی کا یارا　　مگر یہ بھی نہیں مجھ کو گوارا
کہ رہ جائے کہیں مجھ سے بچھڑ کر　　مرا محبوب آری جام پیارا
مجھے دشت و جبل میں لے کے آیا　　اسی جانِ تمنا کا سہارا
گھسٹتی جارہی ہوں بیخودی میں　　کہیں تو مل ہی جائیگا وہ پیارا

*

نہیں آساں انہیں اپنا بنانا　　بلوچوں سے نہ ہرگز دل لگانا
سکھی میری طرح پردیسیوں کو　　نہ بھولے سے بھی رازِ دل بتانا
وگرنہ تجھ کو بھی دشت وجبل میں　　پڑیں گے عمر بھر آنسو بہانا
سکھائے گا تجھے بھی جذبۂ دل　　نہ جانے کیسے کیسے دکھ اٹھانا

وائی

میں ہاری، ماں، میں ہاری　　میں جاؤں جتنوں پہ واری
بے بس ہوں پریم کی پیاسی ہوں
پیارے پنہوں کی داسی ہوں
بھولی بھٹکی بن باسی ہوں

میں ہاری، ماں، میں ہاری میں جاؤں جتوں پہ واری

جھلسائے پریت کی آگ مجھے

بھٹکائے 'کیچ' کی لاگ مجھے

برھا نے دیا بیراگ مجھے

جت جیت گئے میں ہاری میں جاؤں جتوں پہ واری

جنجال ھوا پل بھر سونا

اپنے ھی لیے کانٹے بونا

جیتے جی رونا ھی رونا

ھے پل پل مجھ پہ بھاری میں جاؤں جتوں پہ واری

آٹھویں داستان

جدا جب سے مرا پنھوں ھوا ھے
مرا گھر، گھر نہیں ماتم کدہ ھے

وھیں لے چل مجھے اے وحشتِ دل
جہاں وہ زندگی کا آسرا ھے

وھیں ھے سجدہ گاہِ دیدہ و دل
جہاں اس باوفا کا نقشِ پا ھے

صبا رفتار ناقوں کا تعاقب
دلِ حسرت زدہ کا مدعا ھے

جلا دے کوئی اس بھنبھور کو اب
بجز افسردگی اب اس میں کیا ھے

مجھے معلوم ھے اے چشمِ پرنم
کہ اِن اشکوں میں احساسِ وفا ھے

کہاں میں اور کہاں صحرانوردی
مگر اس کے سوا چارہ ھی کیا ھے

*

گئے ھیں چھوڑ کر دانستہ مجھ کو
خدا جانے کہاں وہ کیچ والے

کیا ھے آتشِ جذبِ دروں نے
دلِ محزوں کو شعلوں کے حوالے

در و دشت و جبل میں چشمِ پرنم
مثالِ جوئبار آنسو بہا لے

بالآخر 'آریانی' سے ملوں گی
رہِ دشوار مجھ کو آزما لے

*

کسے معلوم تھا اے حسرتِ دل پہنچنا کیچ تک دشوار ہوگا
خبر کیا تھی مجھے عہدِ محبت! مقدر میں فراقِ یار ہوگا

*

سسئی! وہ جار ہے ہیں کیچ والے انہیں جیسے بھی ہو جا کر منالے
ابھی وہ ساربان اس موڑ پر ہیں خدارا تو انہیں واپس بلالے
ملے گا پھر نہ پنھوں سا کوئی بھی انہیں جیسے بھی ہو اپنا بنالے
بھی ڈر ہے مجھے پنھوں کی دوری کہیں تجھ کو مصیبت میں نہ ڈالے

*

نظر آئیں جہاں وہ کیچ والے سسئی! تو بھی وہیں ڈیرا جمالے
نہ ہو آمادہ ترکِ تمنا وفا کی راہ میں دھونی رمالے
وہ گذرے ہیں انہیں کوہ و دمن سے انہیں کوہ و دمن سے لو لگالے
غنیمت ہے تصور کا سہارا کبھی دل اور کبھی آنکھیں بچھالے

*

پسِ پردہ جو اُن کے درمیاں تھی عجب وہ گفتگوئے محرماں تھی
ہمہ تن گوش بر آواز تھی میں مجھے کب فرصتِ خواب گراں تھی
جسے سنکر ہوئی میں خود فراموش نہ جانے وہ زباں کیسی زباں تھی
مگر اس پیاری بولی کے سوا اور کوئی بولی انہیں آتی کہاں تھی

*

غم محبوب جس کا ماحصل ہے وہ دل معمورۂ حسن ازل ہے
تجھے کیا مذہب و ملت سے حاصل اگر تیرے تخیل میں خلل ہے

*

جہاں وہ رہبرِ ہستی ملے گا مجھے وہ جادۂ ہستی دکھادو
چلو اے ساکنانِ کوہ و صحرا مجھے اس پیارے پنھوں سے ملادو

وائی

کبھی ان کوہساروں میں خدارا اکیلا چھوڑ کر جائے نہ پیارا
مجھے ہے پیارے پنھوں کا سہارا
مرا جذبِ محبت کام آئے وہ جانِ جاں مری بگڑی بنائے

پلٹ آئے مرا کیچی دلارا

مجھے ہے پیارے پنھوں کا سہارا

فقیرانہ لباس ظاہری ہو مگر درپردہ حسن قاہری ہو

"لطیف" اس کے لیے سب کچھ گوارا

مجھے ہے پیارے پنھوں کا سہارا

نویں داستان

مجھے کب خنجر و پیکاں نے مارا
مرے پیارے ترے ارماں نے مارا
یہ زخم دل نہ ہوگا مندمل اب
مجھے اک درد بے درماں نے مارا
عجب تھا حسن ظاہر کا نظارا
طلسم دیدۂ حیراں نے مارا

*

شعور آدمیت جس نے بخشا
دیا جس نے محبت کا سہارا
میں اس کی اور یہ بھنبھور اس کا
یہاں جب چاہے آجائے وہ پیارا

*

تقاضے غم کے اب پیہم رہیں گے
یونہیں دن رات اب آنسو بہیں گے
مرے ارمان اے جوش محبت
ستم اس کی جدائی کے سہیں گے
مرے دل نے جسے اپنا بنایا
مگر کھویا تو پھر اب تک نہ پایا

*

نہ آیا ہے نہ آئے گا وہ 'آری'
عبث ہے یہ سسئی کی آہ و زاری
فریب آشنا کی چوٹ ہے یہ
مٹے گی کیا دعاؤں سے ہماری

*

مری فطرت سراپا اشکباری
تبسم اک نقاب بے قراری
وہیں آخر سکوں مجھ کو ملے گا
جہاں مل جائے گا وہ پیارا 'آری'

*

کہاں پائیں گی ویسا پیار آنکھیں
یوں ہی ترسیں گی یہ نادار آنکھیں
مئے حسن۔ ازل سے ہو گئی تھیں
گھڑی بھر کے لیے سرشار آنکھیں
کیا ہے سوز۔ دل نے راکھ ان کو
کبھی ہوتی تھیں شعلہ بار آنکھیں
نہیں آنکھوں میں اب پنھوں کے جلوے
ہیں اب میرے لیے بیکار آنکھیں
نہ مجھ کو خون کے آنسو رلاتیں
نہ ہوتیں باعث۔ آزار آنکھیں
شکار۔ خواب۔ غفلت ہو گئیں کیوں
نہ جانے میری شب بیدار آنکھیں

*

غبار۔ رہ، ہوائے ابر آلود
بیابان در بیابان راہ۔ مقصود
خلاؤں میں بھٹک کر رہ گئی ہوں
کہاں ہوائے مرے معبود و مسجود

*

مجھے دل کی لگی کب تک جلائے
کوئی آ کر مری ڈھارس بندھائے
دہکتی آگ کو پانی چھڑک کر
وہی گم گشتہ آھنگر بجھائے

*

مری آنکھیں ہیں اب اور اشک۔ خونیں
حصول۔ سعیٔ پیہم کیا بھی ہے
تھکی ماری ہوں اور سایہ شجر کا
مری درماندگی یہ سوچتی ہے
کہ جب وہ نقش پا ہی مٹ گیا تو
کہاں یہ وحشت۔ دل لے چلی ہے

*

جدھر جاؤں ادھر جانے دو مجھ کو
کسی دھن میں گذر جانے دو مجھ کو
وفا کے نام پر دھبا نہ آئے
جو مرتی ہوں تو مر جانے دو مجھ کو

*

رھوں پامال۔ راہ شوق کب تک
بس اب تو خاتمہ بالخیر کردے
میں تشنہ کام ہوں آب فنا سے
مرے پیمانۂ ھستی کو بھردے

*

اگر کل ہی گذر جاتی میں جاں سے
تو پھر کیوں آج یہ صدمے اٹھاتی
حیات۔ جاوداں سے ہے گریزاں
نہ جانے کیوں اسیر۔ بے ثباتی
حصار۔ زندگی میں رھنے والے
ذرا سی ایک جست۔ کائناتی!

*

بلا سے جان جاتی ہے تو جائے
غم جاناں پہ ہی الزام آئے

مروں اے کاش میں راہ طلب میں
ترے ارمان سینے سے لگائے

کرے جو ذکر میرے بعد میرا
زباں پر وہ مرے اوصاف لائے

*

جو خود گم گشتۂ خواب گراں ہو
وہ کیسے آشنائے جان جاں ہو

وہی ہے سرخوش جام محبت
جو بے پروائے شمشیر و سناں ہو

*

غم جاناں میں کب سے مر رہی ہے
سسئی ہر وقت آہیں بھر رہی ہے

یہاں آئے ہیں کچھ پنہوں کے خادم
یہ ان کا خیر مقدم کر رہی ہے

ملال آنے نہ پائے اُن کے دل پر
سسئی اس بات سے اب ڈر رہی ہے

وائی

دکھ جھیلوں یا سکھ پاؤں — میں دیس پیا کے جاؤں

جب تک ہے ملن کی آشا
ٹوٹے گی نہ من کی آشا
بپتائیں لاکھ اٹھاؤں
میں دیس پیا کے جاؤں

پنہوں مرے من کا موتی
پنہوں مری جیون جوتی
گن جس کے دیس کے گاؤں
میں دیس پیا کے جاؤں

تھک جاؤں نہ پریت ڈگر میں
گذریں دن رات سفر میں
آری سے آس لگاؤں
میں دیس پیا کے جاؤں

وہ دے گا ساتھ دکھی کا
آئے گا دور خوشی کا
البیلے گیت سناؤں
میں دیس پیا کے جاؤں

—⁂—

دسویں داستان

مرے ہمدم مرے ہمراز سن لے　　کسی عنواں مری آواز سن لے
نوائے دل لب تشنہ پہ آئی　　ذرا اے صاحبِ اعجاز سن لے
جو مجبوراً زباں تک آگئی ہے　　وہ فریاد اے سراپا ناز سن لے
خدارا ایک بار اے نغمہ پرور　　یہ آوازِ شکستِ ساز سن لے

*

اے کیا آرزوے زیست پیارے　　جو بیچاری ازل سے نیم جاں ہے
برائے کشتگانِ تیغِ ابرو　　اجل گہوارۂ جنت نشاں ہے

*

تجھے اب چین کیا آئے گا گھر میں　　سسئی الجھی ہے کیوں دیوار و در میں
تن آسانی نہیں زیبا سفر میں　　خصوصاً اس طلسمی رہگذر میں
غم جاناں کو فکرِ ماسوا کیا　　سوا پنھوں کے کوئی آسرا کیا

*

کسی ہمسائے کی آہ و فغاں سے　　ہوئے ہیں زخم دل پھر خونچکاں سے
مقدر میں ہے پیہم بے قراری　　نظر جب سے ملی اس جانِ جاں سے
کسے معلوم کیا حالت ہے میری　　گیا جب سے مرا پنھوں یہاں سے
کہاں ڈھونڈوں اسے دشت و جبل میں　　جدا ہو کر جتّوں کے کارواں سے
اگر حاصل وہ جانِ جاں نہ ہوگا　　دلِ پردرد کا درماں نہ ہوگا

*

دلِ پردرد کی ہمت بڑھاؤ　　مرے کیچی بلوچو لوٹ آؤ
کسی دلگیر کو دیکر دلاسے　　نہ جاؤ اے مرے پیارے نہ جاؤ
کنیز کمتریں بن کر رہوں گی　　خدا کے واسطے پنھوں کو لاؤ

*

ہمیشہ یوں ہی دکھ پاتی رہی ہوں　　فریبِ زندگی کھاتی رہی ہوں
خدا جانے وہ کس کا آسرا ہے　　جسے مدت سے اپناتی رہی ہوں
بہ صد عزم و یقیں غمگین دل کو　　تمناؤں سے بہلاتی رہی ہوں

نہ توڑوں گی میں اس پیارے سے رشتہ
ازل سے جس کے گن گاتی رہی ہوں

*

نہیں احساس کچھ صبح و مسا کا
ہمیشہ اپنی ہی دھن میں مگن ہے
بتا "ہاڑے" کا سب سے پوچھتی ہے
سسئی کو پیارے پنھوں کی لگن ہے

*

جو دل وارفتۂ یادِ حزیں ہے
غمِ دنیا نہ اس کو فکرِ دیں ہے
یہ اعجازِ دروں بینی ہے ورنہ
کسی نے بھی اسے دیکھا نہیں ہے
دلِ عشاق میں اے چشمِ حیراں
ازل ہی سے کوئی پردہ نشیں ہے

*

ملیں گے مر کے جو مجھ کو سہارے
عطا کر زندگی ہی میں وہ پیارے
خدا جانے کہاں گم ہو گئے ہیں
مری آنکھوں سے وہ دلکش نظارے

*

بظاہر درمیاں جو فاصلہ ہے
طلسمِ دید بن کر رہ گیا ہے
عجب ہے یہ غمِ دوری کا شکوہ
ترا محبوب کب تجھ سے جدا ہے

*

ذرا آ کر مری ڈھارس بندھاؤ
سندیسا کوئی پنھوں کا سناؤ
بہاتی ہوں میں جس کے غم میں آنسو
مری سکھیو مجھے اس سے ملاؤ
جو روٹھا ہے مجھے اپنا بنا کر
کہاں ہے وہ، پتہ اس کا بتاؤ

*

مرے گھر میں بپا جشن طرب تھا
تبسم زیر لب کہسار 'پب' تھا
نہ کام آئے مرے سکھیوں کے تحفے
کوئی اس بات کا آخر سبب تھا
پھنکا جاتا تھا سوز غم سے تن من
وہ میرے دل کا عالم بھی عجب تھا

*

جو تجھ پر کیچیوں کا حق تھا واجب
ادا کب اے سسئی تو نے کیا ہے
خدا اس خوابِ غفلت سے بچائے
فریب اس خوابِ غفلت نے دیا ہے

وائی

پنہوں کے پریم کی ماری سکھیو، یہ سسئی دکھیاری
میرے خواب غفلت نے
تیار جتوں کو پایا
بھنبھور سے جب وہ نکلے
اونٹوں کو تیز اڑایا
کھولی گئیں سب کی باگیں
پنہوں پہ جب کجاوا آیا
سوتی ہی رہی بیچاری سکھیو، یہ سسئی دکھیاری
کس پربت پر جا پہنچے
وہ کیچی راج دلارے
کس انجانی گھاٹی سے
وہ من کا میت پکارے
اس آس پہ وہ جیتی ہے
مل جائیں گے پریتم پیارے
بیٹھی ہے سب کچھ ہاری سکھیو، یہ سسئی دکھیاری

وائی

پریت ڈگر پہچانی میں نے — پریت ڈگر پہچانی
سکھیو ہے مرا چت چور وہاں
کھلتے ہیں انوکھے پھول جہاں
بو باس جہاں انجانی
میں نے — پریت ڈگر پہچانی

بن پنہوں میں مرجاؤں گی
اب کیسے جی بہلاؤں گی
تن من میں بسا آریانی
میں نے — پریت ڈگر پہچانی

گیارھویں داستان

انھوں نے بات پنھوں کی نہ مانی   نہ جانے کیا تھے اپنے جی میں ٹھانے
مہاریں تیز رو اونٹوں کی تھامے   کہاں گم ہوگئے دیور نہ جانے
جبل کی ھیبت اور وسعتوں سے   مجھے آتی ہے یاد ان کی بلانے
مگر اے وحشتِ دل دیکھ لینا   پڑیں گے نت نئے صدمے اٹھانے
مری حیرت‌زدہ وارفتگی پر   نہ آئیگا کوئی آنسو بہانے
اجل کی نیند سوجاؤں گی جس دم   مجھے آئیگا وہ پیارا جگانے

*

بچھڑ کر مجھ سے پچھتاتے تو ہوں گے   اُن آنکھوں میں بھی اشک آتے تو ہوں گے
ادھر آتے تھے جب وہ کیچ والے   یہاں کچھ دیر سستاتے تو ہوں گے
وہ ھوتی اے سکوتِ دشتِ ویراں   ترے حصے میں بھی آتے تو ہوں گے

*

ذرا اے ساکنانِ دشتِ ویراں   بتادو کچھ نشانِ جانِ جاناں
گیا ہے ناقہ پنھوں کو لے کر   کہاں وہ کاروانِ فتنہ ساماں
پہنچنا کیچ تک ہے سخت مشکل   مگر جیسے بھی ہو نکلے یہ ارماں
میں قرباں اس نگاہِ اولیں پر   ہوا پیوست دل میں جس کا پیکاں

*

سکھی وہ کیچ یا باغِ عدن ہے   جہاں پیارے بلوچوں کا وطن ہے
وھیں ہے منزلِ مہر و محبت   وھیں حسن ازل جلوہ فگن ہے
یہ فیضانِ نگاہِ مخمرانہ   چراغِ بزم و شمعِ انجمن ہے
دلِ سوزان و چشمِ تر سلامت   دب کی حدِ آخر "جانِ من" ہے

*

بڑھا کر جب سسئی کی بے قراری   نہ آیا جیتے جی وہ پیارا آری
تو اپنی جان کو قربان کر کے   ہوئی وہ نازنیں پیاروں کی پیاری
بالآخر اس کو آغوشِ اجل میں   ملی کوہ و جبل سے رستگاری
پیامِ وصلِ جاناں لے کے آئی   "لطیف" اس غمزدہ کی جاں‌نثاری

کسی کو شہسواروں نے ستایا　　کسی کو ساربانوں نے مٹایا
مرے دکھ درد ہیں سب سے نرالے　　کہ دل پر ان جتوں کا زخم کھایا

*

عجب خاکہ اڑایا ہے جتوں نے　　مری پسماندگی و عاجزی کا
ذرا آ کر اسے دیکھو تو سکھیو　　یہ نقش پا تو ہے اس ہوت ہی کا!

*

مجھے تسلیم اپنی ہر برائی　　مگر ایسی بھی کیا بے اعتنائی
خبر کیا تھی نہ بھائے گی جتوں کو　　کسی دھوبن سے پنھوں کی سگائی
کہاں کیچی اوران کی شان وشوکت　　کہاں میں اور میری بے نوائی
مگر اے میرے آری جام پیارے　　تجھے زیبا نہیں یہ بے وفائی
بھٹکتی پھر رہی ہوں گھاٹیوں میں　　دہائی ہے مرے پیارے دہائی
کسے معلوم تھا یوں چپکے چپکے　　جلائے گی مرے جی کو جدائی
اگر نظروں سے اوجھل ہو گئے وہ　　تو پھر کس کام جرأت آزمائی

وائی

روٹھ گئے چت چور — سکھی ری
بھائے نہ اب بھنبھور

کیسے بھولوں پیار کی باتیں
بیتے دن اور بیتی راتیں
تڑپت ہے من مور — سکھی ری
بھائے نہ اب بھنبھور

بن بن پی کا نام پکاروں
پریت ملن پہ تن من واروں
جاؤں کیچ کی اور — سکھی ری
بھائے نہ اب بھنبھور

وائی

گھاؤ ہے گہرا گھائل من کا ـــ مار گیا موہے بان سجن کا

روک نہ اے ماں مجھ دکھیا کو
جو کچھ بھی ہو، ہوجانے دے
ان چرنوں کی دھول پہ مجھ کو
میٹھی نندیا سو جانے دے
کیا ہوگا میرے جیون کا ـــ مار گیا موہے بان سجن کا

ہائے یہ مایا موہ کے اندھے
کیا جانیں گے بپتا میری
آنکھیں موند کے من کا موتی
لے گئی پاپن رین اندھیری
کوئی نہیں اب مجھ برہن کا ـــ مار گیا موہے بان سجن کا

کہے "لطیف" سنو اے سکھیو
بچھڑے پریتم مل جائیں گے
درشن ابھلاشی ہیں نینا
کب تک یوں ہی ترسائیں گے
سندر سپنا مدھر ملن کا ـــ مار گیا موہے بان سجن کا

وائی

چت چور مرے مہمان رہے ـــ پھر بھی کتنے انجان رہے

وہ اونٹ جو کیچی لائے تھے
کل رات یہاں ٹھہرائے تھے
میں کیا جانوں کیوں آئے تھے
وہ اپنا بھید چھپائے تھے
ان ہاتھوں میں ان نینوں میں
بیری برہا کے بان رہے
پھر بھی کتنے انجان رہے

نینوں میں نیند نہ آنے دیتی
سکھیو نہ انھیں جانے دیتی
اونٹوں کے پیر جکڑ لیتی
ساجن کا ھاتھ پکڑ لیتی
میں پریت میں سب کچھ بھول گئی
من ھی میں چھپے طوفان رہے
پھر بھی کتنے انجان رہے

بارھویں داستان

اگر اس ھوت کا دیدار ھوتا
تمھیں بھی اس سے سکھیو پیار ھوتا
تمھارے دل میں بھی کچھ داغ ابھرتے
تمھارا دل بھی لالہ زار ھوتا
مری بربادیوں پر یوں نہ ھنستیں
اگر تم کو بھی یہ آزار ھوتا
تمھارا قلب بھی راہِ وفا میں
غم و آلام سے دو چار ھوتا
تمھارا بھی دلِ وارفتہ سکھیو
سراب آرزو میں خوار ھوتا
تمھارے سر سے بھی اے خوش نصیبو
گریزاں سایۂ دیوار ھوتا
دلوں میں آرزوے دید ھوتی
لبوں پہ ذکرِ حسنِ یار ھوتا
اگر ھوتا وہ نظارہ میسر
طلسم ماسوا بیکار ھوتا

*

تجسس نت نئی راھیں سجھائے
تمنا ھوت کی بڑھتی ھی جائے
کسی صورت بھی دل تسکیں نہ پائے
محبت خون کے آنسوں رلائے
ھزاروں مرحلے ھیں اس سفر میں
بغیر اس کے قرار آئے نہ آئے
مرے پیارے خدا جانے میں کب تک
رھوں دل کی لگی دل میں چھپائے
غبارِ کارواں بن جاؤں یا رب
صدائے سارباں بن جاؤں یا رب

*

اگر سودائے قربِ دوستاں ہے یہ اشکوں کے روانی رائیگاں ہے
تحمل شرط اول صبر لازم عبث یہ شورشِ آہ و فغاں ہے
دلِ پر خود کی حالت ہو نہ ظاہر کہ رازِ عشق سرِ دلبراں ہے

*

یہ جانِ بے کس و مجبور یا رب! یہ مرا شیشۂ دل چور یا رب
پلٹ کر دیکھ لیتا مجھ کو پنھوں رہی جاتی ہوں کتنی دور یا رب
کبھی ملنا کبھی مل کر بچھڑنا یہی ہے عشق کا دستور یا رب

*

نہ وہ آنسو نہ وہ آہ و فغاں ہے مجھے اب سانس لینا بھی گراں ہے
یہاں خاموش ہیں زاغ و زغن تک سکوتِ رہگذر حسرت نشاں ہے
بڑی ہوں جن سے اتنی دور یا رب نشاں ان جانے والوں کا کہاں ہے!

*

محبت طالبِ عزم و یقیں ہے جہاں تو ہے تری منزل وہیں ہے
کسی عالم میں بھی وہ عالمِ حسن جدا ہو کر جدا تجھ سے نہیں ہے
بہارِ بے خزاں جذب محبت حسیں جب تک ہے دل عرشِ حسیں ہے

*

مجھے جب روکتا ہے یہ زمانہ تو آتی ہے صدائے غائبانہ
فریبِ دوش ہے نیرنگِ ہستی یہ رنگا رنگیاں خوابِ شبانہ
مجھے بھنبھور سے اب کیا تعلق بلاتی ہے نگاہِ محرمانہ

*

زمانہ حسبِ عادت گامزن ہے مگر سب سے الگ میری لگن ہے
وہی دشواریٔ کوہ و دمن ہے مسلسل کاوش رنج و محن ہے

*

پسِ پردہ مری درماندگی کے کئی ناکام صدیوں کی تھکن ہے
عجب بارِ گراں ہے زندگی بھی کہ چکنا چور سارا تن بدن ہے
یہ تنہائی یہ ویرانی یہ وحشت جنوں ہر گام پر ہمت شکن ہے
مرے غم کی حقیقت کون جانے زمانہ اپنی خوشیوں میں مگن ہے
دو عالم نیند میں کھوئے ہوئے ہیں فلک سے چاند جگ پر ضوفگن ہے
نہ جانے دیدۂ بے خواب کب سے طلبگارِ بساطِ انجمن ہے

بلایا خود جسے شہرِ طلب نے — وہی صحرا نورد و بے وطن ہے
حیاتِ جاوداں ہے آب جس کی — کہاں وہ ابروئے شمشیر زن ہے

*

جسے دیکھو تگ و دو میں لگا ہے — سرابِ زیست میں غم آشنا ہے
بجز بے تابیٔ جوشِ تمنا — طوافِ کوہِ ناہموار کیا ہے
غمِ جاناں بدل کر بھیس اکثر — رمِ ویرانۂ ہستی ہوا ہے
یہاں خدشے ہی خدشے ہیں ہر سو — یہ میں نے رازداروں سے سنا ہے
مگر کیا خوف مجھ کو رہزنوں سے — کہ خود وہ مردِ کامل رہنما ہے
وہی ہے مونسِ تنہائیِ غم — اسی سے مجھ کو امیدِ وفا ہے
وہی ہے مرکزِ عجزِ تمنا — وہی پروردگارِ مدعا ہے
اب اس معمورۂ فکر و نظر میں — مجھے درکار کیا اس کے سوا ہے

*

غمِ ہستی سے بیگانہ ہوئی ہے — تری صورت پہ دیوانہ ہوئی ہے
سوا تیرے کسی سے کب محبت — سسئی کو پیارے آریانی ہوئی ہے
مری آنکھوں میں چھایا ہے اندھیرا — کوئی تو مجھ سے نادانی ہوئی ہے
خداوندا وہ ناقے لوٹ آئیں — یہ جن ناقوں کی پہچانی ہوئی ہے

*

سکوں بخشیں گے کیا ماں کے دلاسے — گوارا ہی تن آسانی نہیں ہے
نہیں بھنبھور اب پہلا سا بھنبھور — یہاں جب سے وہ آریانی نہیں ہے

*

لگی دل کی کہاں جا کر بجھاؤں — میں کیسے ان بلوچوں کو مناؤں
برا کہتا رہے مجھ کو وہ لیکن — میں پھر بھی گن اسی پنھوں کے گاؤں
رہوں بھنبھور میں کس کے لیے اب — سکھی! جیسے بنے ہو میں کیچ جاؤں
وہی تعبیر ہے خوابِ وفا کی — کہیں سے ڈھونڈ کر میں اس کو لاؤں
ملے اک بار پھر مجھ سے وہ پیارا — سہاگن بن کے پھر مہندی رچاؤں

*

یہاں جب تو نے کپڑے دھوئے آ کر
وہ دن ہے مجھ کو اب تک یاد آری
مگر کچھ تو بتا اب ہو گیا کیا
اکیلی رہ گئی ہوں غم کی ماری
جو اس ناچیز نے کی تیری خدمت
کرے گی کوئی محلوں کی دلاری!
تعجب ہے کہ ان پیارے جتوں پر
ہوئی ظاہر نہ میری بے قراری

*

کوئی غم اس جدائی کا نہیں ہے
مجھے اس کی محبت کا یقیں ہے
کسے معلوم تھا یہ حال ہوگا
کہ میں بے کس کہیں ہوں وہ کہیں ہے
بظاہر گم ہے وہ دشت و جبل میں
جو اب تک دیدہ و دل میں مکیں ہے

*

سسئی راہ وفا میں گامزن ہے
بدن پر اک دریدہ پیرہن ہے
ہجوم رہ گذر سے دور ہٹ کر
نہ جانے کونسی دھن میں مگن ہے
کمی آئے نہ کوئی اس لگن میں
کہ یہ آس پیارے پنھوں کی لگن ہے
اسے بھنبھور سے اب کیا تعلق
جہاں وہ ہے وہیں اس کا وطن ہے

*

کسے معلوم کب تک جی جلائیں
ستائیں، آزمائیں، روٹھ جائیں
یہ تیرے ہوت کے ہم قوم تجھ پر
نہ جانے اور کتنے ظلم ڈھائیں
عبث پنھوں سے تو نے دل لگایا
بجز بے چارگی کیا ہاتھ آیا

*

میں اب بھنبھور سے ہوتی ہوں رخصت
ہمیشہ کے لیے ماں! بھول جانا
بہت ممکن ہے اس پیارے وطن میں
نہ ہو اب زندگی بھر میرا آنا

*

عبث بھنبھور سے کر کے کنارا
جتوں کو چار سو میں نے پکارا
خبر کیا تھی کہ کوہ و دشت و در میں
نہیں اب وہ مری آنکھوں کا تارا

*

مسلسل کوہساروں کے سفر سے
ہوا ہے جسم چکنا چور پیارے
نظر سے ہو گئے اوجھل تو کیا ہے
نہ ہو گے میرے دل سے دور پیارے

*

تجھے میں نے گلے کا ہار سمجھا
کہ از سر تا بہ پا گلزار سمجھا
خرد نے شوق سے دکھ درد تیرے
طلب کو سربسر آزار سمجھا
تری خاموش کم آمیزیوں کو
غرور حسن اور پندار سمجھا
مسلسل پے بہ پے ناکامیوں کو
خلوص عشق کا معیار سمجھا

*

سسئی! کیوں دل شکستہ ہو رہی ہے
غم پنھوں میں کیوں جاں کھو رہی ہے
ادھر آنے ہی والے ہیں وہ پیارے
جنھیں تو یاد کر کے رو رہی ہے

*

بڑی مشکل سے دنیا کو ملے گی
مثال ایسی مثالی عاشقی کی
رہے گی جاں فروشوں کو سدا یاد
جواں مردی حسین ابن علی کی

وائی

بن بن میں مجھے بھٹکایا — کیوں ہوت نہ لوٹ کے آیا

جیون سے جوڑ کے بندھن
پی کر گئے پریت اجیرن
مرا انگ انگ مرجھایا — کیوں ہوت نہ لوٹ کے آیا

جب گیا تھا پنھوں پیارا
سنتی ہوں مجھے پکارا
کب جاگی لاکھ جگایا — کیوں ہوت نہ لوٹ کے آیا

کس کس کو منانے بھیجا
حال اپنا سنانے بھیجا
پر کیچ کا بھید نہ پایا — کیوں ہوت نہ لوٹ کے آیا

کہتا ہے "لطیف" کسوی کا
آنے کا سندیسہ پی کا
پھر پلٹے گی یہ کایا — کیوں ہوت نہ لوٹ کے آیا

سر لیلا چنیسر

سر لیلا چنیسر

پہلی داستان

واسطہ ہے مجھے چنیسر سے
کیا سروکار لعل و گوہر سے
جذبۂ آرزو کی کیفیت
کوئی پوچھے تو قلبِ مضطر سے
کاش وہ تاجدارِ کشورِ عشق
بدگماں ہو نہ دامنِ تر سے
کوئی نسبت نہیں مرے نزدیک
ساز و ساماں کو حسنِ دلبر سے

*

لعل و گوہر کا اعتبار نہیں
عیش و عشرت سدا بہار نہیں
دولتِ عشقِ جاوداں کے سوا
کوئی دولت بھی پائدار نہیں
جو نہ مرعوب ہو چنیسر سے
کوئی بھی ایسا شہر یار نہیں
کوئی نعم البدل نہیں اس کا
خوب ہے حسن دلنشیں اس کا

*

دل کو جب محوِ ماسوا پایا
حسنِ وارفتگی میں فرق آیا
کس توقع پہ ہائے اے لیلا!
لعل و گوہر کو تونے اپنایا
کھل گیا حرصِ فتنہ زا کا بھرم
جب چنیسر نے تجھ کو ٹھکرایا
دیکھ تو آنکھ کھول اے ناداں
ہار کیا کیا مصیبتیں لایا

*

یہ یقیں تھا کہ ہار جیتوں گی
گوہرِ شاہوار جیتوں گی
راحتِ وصلِ یار جیتوں گی
میں چنیسر کا پیار جیتوں گی
یوں خمارِ خودی میں مست ہوئی
آج کونرو مری شکست ہوئی

*

ہار ہے ایک حلقۂ آلام — وہ سزاوارِ انتخاب نہیں
کیوں ہے ان موتیوں کی گرویدہ — دیرپا جن کی آب و تاب نہیں
اس وفا آشنا چنیسر کو — بے سبب تجھ سے اجتناب نہیں
تیری جیسی ہیں اور بھی ناداں — تو ہی اک موردِ عتاب نہیں

*

کیف آگیں تھی بیخودی میری — سیر حاصل تھی سادگی میری
بھا گئی تھی مرے چنیسر کو — بے نیازانہ زندگی میری
لیکن اے حرص فتنہ زا تو نے — چھین لی مجھ سے ہر خوشی میری
اُن کی نظروں میں ہو سکی نہ فزوں — زر و زیور سے دلکشی میری
ہائے یہ آرزوئے زیبائش — آبرو جس سے لٹ گئی میری

*

وقت ایسا بھی مجھ پہ آنا تھا — موتیوں کا تو اک بہانہ تھا
سوچتی ہوں کہ موتیوں کے لیے — حرص۔ دل کو نہ یوں بڑھانا تھا
دیکھ کر اشکبار 'جکھرو' کو — لعل و گوہر سے ہاتھ اٹھانا تھا
اپنے روٹھے ہوئے چنیسر کو — گر کے قدموں پہ پھر منانا تھا
میں ہوں مجبور اور وہ مختار — تابہ کے حرص، خودسری، پندار

*

کیا کہوں میری جان پر جو بنی — ہائے میرا فریب۔ گلبدنی
تیرے پھیلے ہوئے نقوش۔ قدم — اور سر پوش کی وہ راہزنی
تیری آغوش وا کسی کے لیے — اور میرے لیے گراں سخنی
اے چنیسر تری محبت میں — درس۔ عبرت ہے میری دلشکنی

*

جا کے کہہ دے کوئی چنیسر سے — لیلا جاتی ہے آج اس گھر سے
دست۔ شل میں مہار ناقہ ہے — اشک جاری ہیں دیدۂ تر سے

وائی

منہ مایا لوبھ سے موڑا — میں نے
ھار کو ھاتھ سے چھوڑا

آ جاؤ چنیسر پیارے
میں پیّاں پڑوں تمھارے
بیٹھی ھوں سب کچھ ھارے
پھوٹے ھیں بھاگ ھمارے
بیراگ سے ناتا جوڑا میں نے
ھار کو ھاتھ سے چھوڑا

ترے دوارے سجن میں آئی
ڈھک لے ھر ایک برائی
کوئی جیون کی للچائی
کیا جانے پریت پرائی
ھر جھوٹا بندھن توڑا میں نے
ھار کو ھاتھ سے چھوڑا

—✻—

دوسری داستان

راس آئی نہ یہ بہار مجھے
کر گیا کوئی بیقرار مجھے

یہ نہ جانا کہ میری ہُنر کاری
کر رھی ھے ذلیل و خوار مجھے

ڈس گیا مارِ آستیں بن کر
ھائے یہ موتیوں کا ھار مجھے

ھنس رھا ھے زمانۂ بے درد
دیکھ کر آج اشکبار مجھے

اس حریصانہ خود فریبی نے
کردیا کتنا بے وقار مجھے

اے غمِ ھجر اپنی معصومی
یاد آتی ھے بار بار مجھے

ھاں اسی طرز محرمانہ سے
اے دل آرام پھر پکار مجھے

*

ھائے میں نے بزعم دانائی
کیسی ٹھوکر یہ دفعتاً کھائی
شاق گذری مرے چنیسر کو
حرص پروردہ شان خودرائی
آج میری ھی بھول سے مجھ پر
فوقیت اک کنیز نے پائی
کنج غم ہے، سر ندامت ہے
رحم کر اے سکوت تنہائی
وہ مرا حسن سادہ و معصوم
اور وہ تیری قدر افزائی
شوخی و زیرکی و ہنرکاری
اھل دل کے لیے ھے رسوائی

*

عشرت صبح و شام کا عالم
جلوت خاص و عام کا عالم
ھر طرف سے صدائے نقارہ
چار سو احترام کا عالم
وہ دمامے پہ زد، دھل پر چوٹ
شوکت و احتشام کا عالم
ھائے سب کچھ خیال و خواب ھوا
ھار میرے لیے عذاب ھوا

*

ھائے کل جھولتی تھی جھولوں میں
اور حزین و ملول ھوں میں آج
لازمی تھی سزائے خود بینی
ورنہ کیوں روٹھتے مرے سرتاج
موتیوں نے کیا مجھے نادم
اب نہ راجا مرا نہ میرا راج
بس اسی جرم خود پرستی سے
ھوگئی میری زندگی تاراج

*

جس سے ذوق طلب میں فرق آئے
ھجر ھے اس وصال سے بہتر
دوریٔ دوستاں بسا اوقات
صحبت ماہ و سال سے بہتر

*

برتری مورد عتاب نہ ھو
فتنۂ حرص بے نقاب نہ ھو
دیکھ لیلا ترا بضد ھونا
ایک دن باعث عذاب نہ ھو
بھول ھی بھول میں کہیں تجھ سے
جرم ناحق کا ارتکاب نہ ھو
ایک ادنیٰ کنیز پر مائل
شوخیٔ حسن انتخاب نہ ھو
اور تو اپنی خود نمائی سے
دفعتاً صید اضطراب نہ ھو
ڈر ھے یہ نکتہ چیں چنیسر کو
تیری صورت سے اجتناب نہ ھو

لطف اُس کا سراب سر تا سر　　اس سے آگے نیا سراب نہ ہو
ہائے اس خارزار ہستی میں　　تیری مٹی کہیں خراب نہ ہو
خوش فریبی ہی خوش فریبی میں　　ہر تمنّا خیال و خواب نہ ہو

—❋❋❋—

تیسری داستان

مبتلائے غرور و ناز نہ ہو　　اس قدر سرخوشِ مجاز نہ ہو
عشق میں حرص و آز سے مطلب؟　　فتنہ پرور یہ حرص و آز نہ ہو
دیکھ لیلا کہیں یہ گستاخی　　باعثِ فرق و امتیاز نہ ہو
جو سراپا خلوص ہے لیلا　　تجھ سے بدظن وہ چارہ ساز نہ ہو
چاہتی ہے اگر چنیسر کو　　رسمِ الفت سے بے نیاز نہ ہو

*

دیدنی ہے سہاگنوں کا سنگھار　　جیسے پھولا پھلا کوئی گلزار
زیوروں کا نہیں ہے کوئی شمار　　یہ گلوبند یہ چمکتے ہار
اپنی سج دھج پہ ناز کرتی ہے　　آج محلوں کی ہر سجیلی نار
کون جانے مگر یہ آرائش　　ہے چنیسر کے واسطے بیکار
اُن وفا آشنا نگاہوں میں　　اور ہی کچھ ہے حسن کا معیار
جس کو احساس خودشناسی ہو　　ہے اسی بے نوا سے اس کو پیار
جو بہ اندازِ والہانہ رہے　　نیک دل، نیک بخت، نیک اطوار

وائی

ٹوٹے جھوٹے بندھن سارے　　لوٹ آئیں گے پریتم پیارے
یاد سے کیا جی بہلاؤں گی
بن ساجن میں مر جاؤں گی
جیت گئے وہ اور ہم ہارے　　لوٹ آئیں گے پریتم پیارے

اس بن اک پل رہ نہ سکوں گی
من کی بیتی کہہ نہ سکوں گی
آئیں گے جب پریتم دوارے لوٹ آئیں گے پریتم پیارے
بھیدی ہیں وہ میرے من کے
ساتھی میرے جنم مرن کے
جگ جگ دھاریں روپ نیارے
لوٹ آئیں گے پریتم پیارے

سر مومل رانو

سر مومل رانو

پہلی داستان

روے زیبا دکھا گیا کوئی مست و بیخود بنا گیا کوئی
مٹ گیا فرقِ سبحہ و زنّار دام ایسا بچھا گیا کوئی
کل سرِ شام چاندنی کی طرح بزمِ گیتی پہ چھا گیا کوئی
ھائے وہ رنگ روپ وہ سج دھج کتنے جلوے دکھا گیا کوئی
کل بدل کر بھکاریوں کا بھیس گنجِ عرفاں لٹا گیا کوئی

*

یوں نظر میں سما گیا کوئی محوِ حیرت بنا گیا کوئی
خرقہ سبز فام میں آکر روح میں لہلہا گیا کوئی
یا بدل کر مجاز کا بہروپ تنِ خاکی میں آگیا کوئی
آئینہ خانۂ تصور کو دفعتاً جگمگا گیا کوئی
اب ابد تک سکوت برلب ہوں راز ایسا بتا گیا کوئی

*

کیف بخشا ھے' کاک' نے کس کو کون یہ سر خوشِ خمار ہوا
اور پھر یک بیک نہ جانے کیوں باتوں باتوں میں اشکبار ہوا
آرزوئیں ہوئیں خراش انگیز مندمل زخم آشکار ہوا

*

کون مستِ مئے شباب آیا صبحدم مثلِ آفتاب آیا
مثلِ پروانۂ چراغِ ازل اک سراپاے اضطراب آیا
یا طلسماتِ بزمِ خوباں سے محرمِ حسنِ لاجواب آیا
یا پراسرار بحرِ ہستی میں کوئی مانندِ موجِ آب آیا

اک مہکتا ہوا بدن جیسے تیر کر موجِ گلاب آیا
با حقیقت سے آشنا کرنے حاصلِ چشم انتخاب آیا
اس کے جلووں کی تاب تھی کس کو اس طرف جب وہ بے نقاب آیا

وائی

موہے کون بتائے ساتھی
کب ہوگا 'کاک' کو جانا

جو کوئی ادھر جاتا ہے
کب لوٹ کے پھر آتا ہے

پریتم موہے راہ سجھانا
کب ہوگا 'کاک' کو جانا

بھیجیں گے سندیسا ساجن
تج دوں گی میں اپنا جیون

ٹوٹے گا یہ تانا بانا
کب ہوگا 'کاک' کو جانا

پیاری ہے جو اپنے پی کی
سن بات "لطیف" کی سجنی

ہردم گن پریم کے گانا
کب ہوگا 'کاک' کو جانا

دوسری داستان

حسن کیا بے مثال دیکھا تھا　　'کاک' میں کیا کمال دیکھا تھا
کچھ بتا تو ھمیں بھی اے سوامی　　تو نے کس کا جمال دیکھا تھا
اشکِ خوں کیوں ھیں دیدۂ تر میں　　کس کا پرتو تھا روے 'گوجر' میں

*

باعثِ فخر و ناز ھے مومل　　کتنی عشوہ طراز ھے مومل
تاب کس کو نظر ملانے کی　　ناوکِ جاں گداز ھے مومل
سر کشانِ حیات ھی جانیں　　کس قدر سرفراز ھے مومل
سب لبِ کاک خاک ھوتے ھیں　　منتہاے مجاز ھے مومل
قہر آگیں جلال کے با وصف　　خوش جمالی کا راز ھے مومل
فتنہ زا کارزارِ ھستی میں　　تیغ جوھر طراز ھے مومل
کیا عدم کیا وجود، وہ جانے　　مابہ الامتیاز ھے مومل

*

جانبِ کاک بے عناں آجا　　ناقہ دل رواں دواں آجا
کھل رھے ھیں جہاں کنول کے پھول　　ھے وھی تیرا آستاں آجا
مثلِ خورشید صبحدم مومل　　ھے لبِ کاک ضوفشاں آجا

*

وہ سرِ کاک صندلیں شاخیں　　تاکِ انگور وہ ملاحت بیز
جن کو بھورے نہ چھو سکے اب تک　　وہ کنول ھیں وھاں صباحت ریز
حسنِ دوشیزگی بلاتا ھے　　ناقہ شہرِ عاشقاں برخیز

*

جا رھی ھے رواں دواں ناقہ　　مثلِ شاھیں ھے پُرفشاں ناقہ
منزلِ کاک آ رھی ھے نظر　　دیکھ پہنچا کہاں کہاں ناقہ

*

جو شناساے راہِ کاک ھوا　　وہ کبھی لوٹ کر نہیں آیا
کتنی آشفتہ سر گئے تھے وھاں　　جن کا کوئی نشاں نہیں پایا

یہ سکوں مل گیا تو پھر منظور
کاک میں ایسے لوگ جاتے ہیں
ہمیں طوبیٰ کا بھی نہیں سایا
جن کا جی ہر خوشی سے آکتایا

*

دیکھ وہ شاطران شاہد باز
یہ فراست کہ ایک سوپاری!
آگئے وہ قریب مومل کے
کاک کا راز جس نے بھی پایا
دیکھتے ہیں بغور شہر مجاز
ان طلسمات کی ہوئی غماز
کاک میں ہوگئے قدم انداز
تا ابد بن گیا ہے وہ اک راز

وائی

نہ یہ عالم نہ یہ منعم نہ یہ سردار دیکھیں گے
نہ یہ دیں‌دار دیکھیں گے نہ دنیادار دیکھیں گے
بہر صورت جو تسلیم و رضائے یار دیکھیں گے
وہی مومل کا حسن عافیت آثار دیکھیں گے

بوقت جانکنی یا رب! نظر جب آسماں پر ہو
بفیضان محمد ذکر تیرا ہی زباں پر ہو
جو فیضان نگہ احمد مختار دیکھیں گے
وہی مومل کا حسن عافیت آثار دیکھیں گے

—⁂—

تیسری داستان

خوشا آرائش بزم نگاراں
فضاؤں میں کہیں گیسو معطر
دل صد چاک میں آن کی تمنا
ہوا دیدار جب سے آن کا "سید"
زہے نظارہ ہائے گل بداماں
مہکتی ہے کہیں زلفوں میں ریحاں
بنی ہے اک سوال حشر ساماں
بھٹکتی پھر رہی ہے چشم حیراں

*

سروں پر سبز شالیں یا دو شالے
یہ جسم صندلیں یہ عنبریں بال
مہکتے بال اور مانگیں نکالے
یہ چہروں کے تر و تازہ اجالے

کسی کے کان میں سونے کے جھمکے
کوئی پہنے ہوئے چاندی کے بالے
انہیں میں تھی وہ گل اندام مومل
وہ سب انداز تھے جس کے نرالے
اسے 'سوڈھے' سے جو وابستگی تھی
حقیقت میں وہی اس کی خوشی تھی

*

انہیں کیا سیم و زر کی قدر و قیمت
وہ ہیں دوشیزگانِ بزمِ فطرت
نہاں خانوں میں مثلِ مشک و عنبر
مہکتی ہے سدا اُن کی نفاست
قطار اندر قطار آتے ہیں عاشق
مگر ہوتی نہیں سب کو زیارت
وہی ہیں دولتِ دیدار پاتے
جو رکھتے ہیں فقیرانہ بصیرت
قدم میں لغزشِ مستانۂ شوق
خمار کاک کی چہروں پہ رنگت

*

دیارِ کاک کے جو رازداں ہیں
وہ سرمستِ خمار جاوداں ہیں
یہاں آنکھوں سے جو آنسو رواں ہیں
وہ مانندِ شراب ارغواں ہیں
چڑھایا ہے کسی نے رنگ ایسا
کہ سر تا پا بہارِ بے خزاں ہے
خیالِ یار میں کھوئے ہوئے سے
تلاشِ یار میں پیہم رواں ہیں

*

نہ ہوگی ماند اس کی سرخ رونی
جو سودائی جمالِ یار کا ہو
رہے گا دھل کے بھی رنگیں کپڑا
گر اس پر رنگ ہی 'ھالار' کا ہو

*

بسا کر زلف میں صندل کی خوشبو
جہاں آتی تھی وہ مومل نہانے
وہاں بھٹکے ہوئے گرداب اکثر
اب آتے ہیں نئے فتنے جگانے
سنا ہے کتنے ہی ناکامِ الفت
وہاں آتے ہیں اشکِ خوں بہانے
مقدر ایک سوڈھے کا تھا ورنہ
کسے بھائے محبت کے فسانے
اب اس مومل کی آنکھوں میں ہیں آنسو
جو گاتی تھی جوانی کے ترانے
چلایا جس نے تھا تیرِ محبت
بذاتِ خود ہے نخچیرِ محبت

*

یہ دنیا ہے کہ ہے آئینہ خانہ
حقیقت ایک باقی سب فسانہ
کئی رانے ہیں لیکن میرا رانا
بہر انداز یکتائے زمانہ

کوئی عالم ہو یا کوئی عاقل مگر ہے 'مینڈھرو' سب میں یگانہ
مٹا دیتی ہے زنگارِ کدورت محبت کی نگاہِ محرمانہ

*

ہوئی 'سوڈھے' سے جس کی آشنائی اسے پھر کوئی بھی صورت نہ بھائی
رہا مومل سے اس کو کیا تعلق وہ جس نے 'مینڈھرے' سے لو لگائی

*

پسند آئے نہ رنگیں قصر و ایوان نہ بھائی مہہ وشوں کی کج ادائی
زن و زر کی کشش اہلِ طلب کو نہ سنگِ راہ بن کر آڑے آئی
کسی نے کاک کو مڑ کر نہ دیکھا کچھ ایسی بے خودی دل میں سمائی
ہوا محسوس جیسے آگئی ہو سمٹ کر ایک مرکز پر خدائی
رلاتا ہے اب ان کے بعد اکثر حسینوں کو خیالِ نارسائی

*

نہیں قسمت میں تیری وصلِ جاناں مگر ہونا نہ اے مومل ہراساں
نہ آئے گا ادھر اب تیرا 'سوڈھو' بھلا دے چند روزہ عہد و پیماں
اب آنسو پونچھ لے خاموش ہوجا چھپا لے داغ ہائے یاس و حرماں
دیا تھا تجھ کو رانا نے جو طعنہ سمجھ لے اس کو دردِ دل کا درماں
ملے ہیں کاک سے جو زخم تجھ کو بنا لے آن سے اک تازہ گلستاں
بسوزِ دل بشوقِ سعیٔ پیہم کوئی مشکل نہیں جو ہو نہ آساں

*

بظاہر آب جوئے کاک پیارے محبت کے لہو سے احمریں ہے
مگر اک چشمِ بینا کے لیے وہ ہمیشہ مثلِ جوئے انگبیں ہے

وائی

دیتی ہے مجھے دنیا طعنہ
تم بھول نہ جانا اے رانا
کیوں اور کسی کے ساتھ ہنسی
کیسی بپتا میں آن پھنسی

تم کیا چھوٹے جگ چھوٹ گیا
جی بیٹھ گیا دل ٹوٹ گیا
پردیسی پریتم لوٹ آنا
تم بھول نہ جانا اے رانا

-⁂-

چوتھی داستان

میں جلاتی رہی چراغِ سحر — پو پھٹی ہوگیا اجالا سا
پوچھتی ہی رہی پرندوں سے — ہائے لیکن ترا نشان نہ ملا
مر رہی ہوں تری تمنا میں — آ بھی جا میرے دوست آ بھی جا

*

غم دیے انتظار نے کیا کیا — گل کھلائے ہیں پیار نے کیا کیا
کہہ دیا ڈوبتے ستاروں سے — ہر شبِ انتظار نے کیا کیا
سوز بخشا شبِ جدائی کو — دیدۂ اشکبار نے کیا کیا
فاصلے طے کیے تصور میں — ناقۂ شہرِ یار نے کیا کیا
عود مہکا، کئی چراغ جلے — جل دیے اعتبار نے کیا کیا
گدگدایا فریب منزل کو — ہر نئی رہگذار نے کیا کیا

*

ختم ہوتی ہے رات آ بھی جا — اے نگارِ حیات آ بھی جا
وہ ستارے چھپے چراغ بجھے — بجھ گئی کائنات آ بھی جا
تابہ کے اشکباریٔ پیہم — اے پیامِ نجات آ بھی جا

*

ہائے 'سوڈھا' ترا پتا نہ ملا — ساحلِ عمر۔ موج۔ پا نہ ملا
حلقۂ زلفِ یار سے آگے — آرزوؤں کا سلسلہ نہ ملا
تیری فرقت میں آج جو دیکھا — رنگ چہرے پہ پھول سا نہ ملا

*

روز و شب تیری جستجو ھی تو ھے
مجھ کو اک تیری آرزو ھی تو ھے
تجھ پہ ظاھر ھیں سب گناہ و ثواب
ظاھری فرق ما و تو ھی تو ھے

*

'ڈھٹ' سے کتنے ھی لوگ آتے ھیں
اس دیار دگر میں صبح و شام
لیکن آیا نہ آج تک کوئی
لیکے رانے کا نام و پیغام
جی بہلتا نہیں کسی صورت
جب سے رخصت ھوا وہ دل آرام
بس گیا مثل رنگ و بوے بہار
دیدۂ و دل میں کوئی گل اندام
راز دارانہ میرے کانوں میں
کہہ گیا جو وہ ماوراے کلام
وہ اگر آشکار ھو جائے
پھر نہ لے کوئی راحتوں کا نام
رات بھر کروٹیں بدلتا ھے
کتنی مشکل میں ھے دل ناکام
منتظر ھے فضاے مے خانہ
آ بھی جا میرے ساقیٔ گلفام

*

تو ھے مختار کل بہر حالت
تیرے حلقہ بگوش خاص و عام
ایک مجھ ھی پہ کچھ نہیں موقوف
ساری دنیا ھے بندۂ بے دام

وائی

موڑ لے اونٹ کی باگ سجنوا
آجا لوٹ کے آجا

رات کٹتی ھے نیر بہاتے
توڑ دیے سب رشتے ناتے
سونا سونا کاک ھے سارا

سندر چھب دکھلاجا
آجا لوٹ کے آجا

تیرے کارن پیارے رانے
سنتی ھوں سکھیوں کے طعنے
یہ گھر بار نہ بھائے مجھ کو

اے مرے من کے راجا
آجا لوٹ کے آجا

پانچویں داستان

سوئے منزل قدم بڑھائے جا
راہِ ہستی کے راز پائے جا
پیشرو جب ہے شیردل رانا
ہر غمِ ماسوا مٹائے جا
جلوتِ خاص و عام سے بچ کر
اپنی دنیا الگ بسائے جا
ہر عمل کا ہے ایک ردِ عمل
عاقبت کی خبر سنائے جا
خار زار حیات سے مومل
اپنا دامن ذرا بچائے جا

*

جائے عبرت یہ دارِ فانی ہے
ہر تگ و تاز آنی جانی ہے
سوچتا ہوں قدم قدم پر میں
پیچھے پیچھے کوئی جوانی ہے
کتنی آسان ہے اجل کی راہ
کتنی دشوار زندگانی ہے

*

غیر سے تونے آشنائی کی
اپنے حق میں بڑی برائی کی
تونے رانا کو کھیل سمجھا تھا
جھیل اب سختیاں جدائی کی

*

بخش دے میری ہر خطا رانے
تیرے قربان روٹھنے والے
دیکھ آنکھیں بچھائے ہوں کب سے
ناقۂ تیزرو کو لوٹا لے
سونا سونا سا کاک ہے تجھ بن
آ بھی جا رنگ و بو کے متوالے
ان وفا آشنا فضاؤں کو
اے دل آرام پھر سے اپنالے

*

ہر نفس ہوگیا عذاب نہ جا
لوٹ آ میرے ماہتاب نہ جا
عشق کی پاکدامنی کی قسم
مظہرِ حسن لاجواب نہ جا
کوئی تیرے سوا نہیں میرا
کر کے یوں مجھ سے اجتناب نہ جا
میرے 'سوڈھے' تری جدائی میں
زندگانی ہے اک عتاب نہ جا
بخش دے میری سب خطاؤں کو
در گذر کر یہ پیچ و تاب نہ جا
تجھ پہ قربان اے مرے رانے
جان لیوا ہے اضطراب نہ جا

*

ہو گئے سارے قصر و ایوان خاک
میں جلی اور جل گئی یہ کاک

پیارے رانے تری جدائی میں
شعلۂ عشق ہو گیا بے باک

وہ گلستاں وہ برگ و بار کہاں
کچھ نہیں اب بجز خس و خاشاک

ساز و سامانِ زیست کیا معنیٰ
کیسا اسباب اور کیا املاک

رنج و غم ہیں جو میری قسمت میں
کر سکے کوئی ان کا کیا ادراک

لا رہا ہے مصیبتیں کیا کیا
عشق مانندِ گردشِ افلاک

منتظر ہے تری رفاقت کا
اضطراب آفریں دلِ صد چاک

جانے کب انتظار ہو گا ختم
جانے کب تک رہوں گی میں غم ناک

وائی

محل پردیس میں کیوں 'مینڈھرے' نے جا کے بنوائے
کوئی جائے مرے روٹھے ہوئے رانے کو سمجھائے
سکھی ری جیسے بھی ہو پیارے 'سوڈھے' کو منا لائے
بہت دن ہو گئے دیکھے ہوئے اب لوٹ بھی آئے
اسے اے کاش میری بیکسی پر رحم آجائے

ہوئے ہیں جان لیوا جور مجھ پر بے وفائی کے
سہے جاتے نہیں دکھ درد اب مجھ سے جدائی کے
یہ غم ناکامیوں کے اور صدمے نا رسائی کے
میں قرباں کاک کی جانب وہ پھر ناقے کو لوٹائے
اسے اے کاش میری بیکسی پر رحم آجائے

—***—

چھٹی داستان

دل میں ایک آگ سی لگائی ہے　　پیارے رانے تری دہائی ہے
کون ہے میرا والی و وارث　　شاق مجھ پر تری جدائی ہے
کوئی جا کر تجھے یہ دے پیغام　　جلد آ جا کہ موت آنی ہے
مجھ کو معلوم تو ہو کچھ آخر　　کیا ادا ''ڈھٹ'' کی تجھ کو بھائی ہے

*

دیکھ آنکھیں بچھائے ہوں کب سے　　ناقۂ تیز رو کو لوٹالے
ایک ادنیٰ کنیز ہوں تیری　　بدگمان کیوں ہے روٹھنے والے
گاڑ دے آ کے پھر سے سینے میں　　تیکھے نینوں سے عشق کے بھالے
کیا سروکار کاک سے مجھ کو　　دیدہ و دل ہیں تیرے متوالے

*

کاش اک بار پھر مری جانب　　نظرِ التفات ہو جائے
گوشۂ روح میں ترنم ریز　　پھر تری بات بات ہو جائے
میرے ہر دردِ عشق کا درماں　　حسن والا صفات ہو جائے
عشرتِ وصل کی تمنا ہی　　حاصل کائنات ہو جائے

*

وہ شبستاں جو تجھ سے تھا آباد　　اب ہے میرے لیے ستم ایجاد
ایک تو غم تری جدائی کا　　دوسرے ننگ و ذم کی افتاد

*

لوٹ آئے اگر مرا رانا　　اس پہ کر دوں متاعِ جاں قرباں
ساز و سامان زندگانی کا　　میرے دل میں نہیں کوئی ارماں
غم کوئی جز غمِ وصال نہیں　　اور کوئی مرا سوال نہیں

*

تیری فرقت میں فرطِ حسرت سے　　آنکھ اب شبنمی نہیں ہوتی
میری آنکھوں میں اب درخشاں سی　　کوئی دلبستگی نہیں ہوتی

وقفِ دار و رسن نہ ہو جب تک عاشقی عاشقی نہیں ہوتی

*

میں نے دیکھی ہیں صورتیں کیا کیا لیکن اس کا نہیں کوئی ثانی
جس نے بخشی ہے دیدۂ و دل کو خلوت افروز آتش افشانی

*

کس تصور میں محو ہے مومل وہ کبھی تو جھلک دکھائے گا
میں کھلاؤں گی خوشنما بیلیں جب وہ ناقے کو اپنے لائے گا
یاد آئیں گی راز کی باتیں جب وہ میرے قریب آئے گا

*

شدتِ درد شعلہ ساماں ہے جان گزیں جب سے یادِ جاناں ہے
طعنۂ دیگراں ہے اور میں ہوں دل پریشاں نظر پشیماں ہے
کاش میں اپنے پیارے رانے کو اب نہ ترسوں گلے لگانے کو

*

ڈوبتے رہتے ہیں کئی سورج کتنی راتیں تمام ہوتی ہیں
کھوئے رہتے ہیں تیری یادوں میں تیری باتیں مدام ہوتی ہیں
میری اپنی خطائیں رہ رہ کر مائلِ انتقام ہوتی ہیں

*

خاک ہو جائے ایسی خود رائی بھاڑ میں جائے ایسی دانائی
پیارے سرتاج کے لیے قرباں اپنے میکے کی قدر افزائی
آ مری جانِ انتظار آجا اے مرے رشکِ صد بہار آجا

*

ہائے یہ ہولناک سناٹا اُف یہ خاموشیوں کے ویرانے
ہر گھڑی جن کے ساتھ جیتی تھی وہ گئے ہیں کہاں خدا جانے
کب سے رانے کے انتظار میں ہیں کاک کے سوگوار کاشانے

*

کون تیرا حریف ہے رانے 'ڈھٹ' ترا ہے فضائے کاک تری
کون جانے کہ میری ہستی میں خون تیرا ہے اور خاک تری

حاصلِ حسنِ دو جہاں آجا　　اے تمنائے جاوداں آجا

*

خیمہ زن کاک میں ہو پھر آ کر　　ورنہ ممکن ہے تو بھی پچھتائے
بدگمانی میں بدگمانی میں　　بات حد سے کہیں نہ بڑھ جائے

وائی

دینا مرے روٹھے ہوئے رانے کو یہ پیغام
اے قافلے والو
کہنا یہ بڑے عجز سے اے جانِ بہاراں
افسردہ ہوا سیج پہ ہر اک گلِ خنداں
ڈوبا ہوا اشکوں میں ہے اب دیدۂ حیراں
معلوم نہ تھا مجھ کو محبت کا یہ انجام
اے قافلے والو
دینا مرے روٹھے ہوئے رانے کو یہ پیغام
اے قافلے والو
آیا نہ اگر لوٹ کے وہ جان سے پیارا
کر لوں گی میں اس عالمِ ہستی سے کنارا
راس آئے "لطیف" اس کے سوا کس کا سہارا
اے کاش گلے آ کے لگالے وہ دل آرام
اے قافلے والو
دینا مرے روٹھے ہوئے رانے کو یہ پیغام
اے قافلے والو

ساتویں داستان

عہد و پیماں کا پاس ہے مجھ کو
تجھ بن آتا نہیں مجھے آرام
تیری یادیں ہیں اور آنسو ہیں
قصر و ایوان سے اب مجھے کیا کام
'ڈھٹ' کی خاطر کہیں مرے رانے
کر کے جانا نہ کاک کو بدنام

*

کیوں 'لڈونے' سے کر گئے ہجرت
ہائے وہ کاک کے جو شائق تھے
کیا تعلق اب ان سے مومل کو
یہ شبستان انہیں کے لائق تھے
رحم اس پر نہ کھائیں گے وہ لوگ
'ڈھٹ' سے واپس نہ آئیں گے وہ لوگ

*

پاس جب تک ہے تو سبھی کچھ ہے
تیری ہو کر سدا سہاگن ہوں
توڑنا مت پریت کا ناتا
تو ہے جوگی میں تیری جوگن ہوں

*

بس وہی حاصل بصیرت ہے
بس اسی سے مجھے محبت ہے
ایک ڈھانچا سا رہ گئی ہوں میں
اب نہ تاب و تواں نہ طاقت ہے
روح میں جیسے پھول میں خوشبو
اس کی سانسوں کی محرمیت ہے

*

کیا بتاؤں جو گل کھلائے ہیں
ظلم رانے نے مجھ پہ ڈھائے ہیں
یہ شبستاں یہ بام و در یہ صحن
کبھی میرے تھے اب پرائے ہیں
کاک کے کیف زا مناظر پر
اب مری بے کسی کے سائے ہیں
رنج ہجر و فراق کے بادل
اب گھٹا بن کے دل پہ چھائے ہیں
کون جانے غم محبت میں
میں نے کیا کیا فریب کھائے ہیں

*

دیکھنے والا کاک میں ہے کون؟
اپنی چھب اب کسے دکھاؤں میں
کیا خبر مجھ سے تو ہے کیوں برہم
ہائے کیسے تجھے مناؤں میں
پھر یہاں کاش لوٹ آئے تو
اور تجھ کو گلے لگاؤں میں

*

خاک اڑتی ہے قصر و ایواں میں — ہو کا عالم ہے اب شبستاں میں
اب کوئی دلکشی نہیں باقی — عیش و عشرت کے ساز و ساماں میں
تیرے جاتے ہی اے مری رانے — کیوں خزاں آگئی گلستاں میں
دل میں ہیں بے شمار وہم و گماں — کتنے طوفاں ہیں چشمِ گریاں میں

*

بخش دے میری ہر خطا پیارے — مان جا بات، لوٹ آ پیارے
تیری گرویدہ ہیں بہت لیکن — کون میرا ترے سوا پیارے

*

مجھ کو اپنا ہی جب بنانا تھا — ظلم ایسا نہ مجھ پہ ڈھانا تھا
کوئی مشکل نہ تھی مری پہچان — پاس آ کر مجھے جگانا تھا
اے مرے مینڈھرے! مرے سوڈھے! — یوں نہ آتے ہی لوٹ جانا تھا

*

سرد ہوتے کبھی نہیں دیکھا — آنسوؤں سے وہ شعلۂ رخسار
اس سراپا جمال کے نزدیک — اور ہی کچھ ہے عشق کا معیار

*

سیکڑوں جس کے اشتیاق میں ہیں — کیا ملا ہائے مجھ کو اس در سے
عشق نے کردیے ہیں وابستہ — یاس و حرماں مرے مقدر سے

*

میں اسیرِ نگاہِ ناز ہوئی — ساری دنیا سے بے نیاز ہوئی
خلشِ انتظار سے حاصل؟ — آرزو خود ہی چارہ ساز ہوئی

*

کاک کے باغ سونے سونے ہیں — جی بہلتا نہیں نظارے سے
جھلملاتے ہیں میری آنکھوں میں — رات بھر شبنمی ستارے سے
ہے کچھ ایسا تعلقِ خاطر — اے سکھی مجھ کو اپنے پیارے سے
ناؤ میں جیسے باندھ کر رسی — کھینچے مانجھی کوئی کنارے سے

*

آخر شب چلا گیا رانا دل بہت بے قرار ہے سکھیو
ایک ساعت بھی کاک میں رہنا اب مجھے ناگوار ہے سکھیو
آتش غم سے جل رہی ہوں میں ہر نفس شعلہ بار ہے سکھیو

*

عاجزی سے حضور جانانہ پیش کر آنسوؤں کا نذرانہ
خوئے تسلیم سے بڑھیں آگے دیدۂ و دل نیازمندانہ
آ بتاؤں میں تجھ کو اے مومل کیوں وہ رانا ہے تجھ سے بیگانہ
ہر خوشامد ہے سعی لا حاصل تجھ میں جب تک ہے بوئے شاہانہ
اس طرح جا قریب تو اس کے شمع کے گرد جیسے پروانہ

وائی

روٹھ کر گئے ساجن اب انہیں کہاں پاؤں
کیا کروں کہاں جاؤں
چل گیا پتا سب کو اپنے ہوں کہ بیگانے
دے رہی ہیں اب سکھیاں مجھ کو نت نئے طعنے
جانے کس نگر پہنچے راتوں رات ہی رانے
بڑھ رہی ہے بیچینی کیسے جی کو بہلاؤں
کیا کروں کہاں جاؤں
پھر سے اپنے سوڈھے کو کاک ہی میں پاؤں گی
بال اپنے رانے کی راہ میں بچھاؤں گی
میں 'کھرولیاں' ان کے اونٹ کو کھلاؤں گی
اے "لطیف" میں ان کو جان و دل سے اپناؤں
کیا کروں کہاں جاؤں

آٹھویں داستان

جو کیا تھا وہ سامنے آیا
اپنی ھی لغزشوں کا پھل پایا
عالمِ رنگ و بو میں اے رانے
کیا بتاؤں فریب کیوں کھایا
خار زارِ حیات میں اکثر
دامن دل کو میں نے الجھایا
یہ نہ سمجھا کوئی جزا بھی ھے
ھر خطا کے لیے سزا بھی ھے

*

تیرے صبر و شکیب نے پیارے
جادۂ حق دکھا دیا مجھ کو
رازدارانہ چشم پوشی سے
تو نے سب کچھ سکھا دیا مجھ کو
محرمانہ سکوت کے قرباں
جانے کیا کیا بتا دیا مجھ کو

*

ماورائے مجاز ھے رانا
سر بسر بے نیاز ھے رانا
بخش دی میری ھر خطا اس نے
رحمتِ کارساز ھے رانا
رازِ وابستگی بتاؤں کیا
میری ھستی کا راز ھے رانا

*

پردہ دارِ برھنگی تھا وہ
میں سرِ عام بے حجاب ھوئی
ھو کے رانے کے نام سے منسوب
زندگی کتنی کامیاب ھوئی
وہ نگاہِ کرم مرے حق میں
چارہ سازِ ھر اضطراب ھوئی
کاک کے واسطے مری ھستی
مثلِ نیرنگیِ سحاب ھوئی

*

حاصلِ حسن و عشق ھے پیارے
تیرا صبر و شکیبِ عرفانی
پیارے 'سوڈھے' تری عنایت سے
میں نے پائی وہ پاک دامانی
ناز کرتی ھے جس کی ندرت پر
خود مری پر سکوت حیرانی
معجزہ ھے تری نگاھوں کا
سرخرو ھوگئی پشیمانی

*

تیرے صبر و شکیب سے پیارے — یوں تو سب کی مراد بر آئی
ایک میں ہوں کہ سوچتی ہوں یہی — کس خطا پر تری نہ کہلائی

*

تیرے صبر و شکیب نے رانے — مجھ کو بخشا وقارِ انسانی
آہ میری غلط روی نے مگر — کچھ نہ پایا بجز پشیمانی

*

جو ترے صبر نے نصیحت کی — اس کو دل میں بساؤں گی پیارے
جب کبھی ہوگا سامنا تیرا — خوں کے آنسو بہاؤں گی پیارے

*

مجھ سی کم عقل کے لیے پیارے — صبر تیرا ہے رمزِ دانائی
تیری خاموشیوں میں آسودہ — بے نیازانہ شانِ یکتائی

*

تیرے صبر و شکیب نے رانے — خود فریبی سے دی نجات مجھے
میں گرفتارِ حرص تھی لیکن — حرص سے مل گئی نجات مجھے

*

زندگی کتنی بے قرار ہوئی — جب گناہوں پہ شرمسار ہوئی
ہو گیا جس کو عیب کا احساس — پیارے سوڈھے کی رازدار ہوئی
جو خطا پر نہ ہو سکی نادم — ہائے کتنی ذلیل و خوار ہوئی

*

اے سکھی کٹ گئی ہماری ناک — اور ہم ہیں اسی طرح بے باک
اف یہ دیدہ دلیر بے شرمی — ہائے یہ خود فریبیٔ ادراک

*

بے نیازانہ شانِ استغنا — غیرتِ ننگ و نام سے بہتر
شکمِ گرسنہ پرِ پرواز — دانۂ زیر دام سے بہتر

نویں داستان

پیارے رانے کا نامہ بر آیا　　کیا سہانا سماں نظر آیا
جیسے بھولے سے چودھویں کا چاند　　کاک کے صحن میں اتر آیا

*

ہر طرف بوئے مشک بکھراتا　　کوئی نکہت فروش ادھر آیا
بن کے قاصد دیارِ جاناں کا　　دیکھنا کون میرے گھر آیا

*

آکے پھر کاک اور اڈوے کو　　صبح ہوتے ہی جگمگائے گا
کتنے سنسان کاخ و ایوان ہیں　　از سرِ نو انہیں بسائے گا
میں نے بھیجا ہے تیزرو قاصد　　پیارا رانا ضرور آئے گا

*

جب مہار اس کے اونٹ کی آخر　　کاک کی سمت موڑی جائے گی
اپنے آنگن کو لیپنے کے لیے　　گارا چندن کا یہ بنائے گی
پیارے سوڈھے کی گود میں مومل　　سارے ڈھٹ کا سہاگ پائے گی

*

میں نے کل رات پھر سنا سکھیو!　　پیارے رانے کا دلنشیں پیغام
ہے وہ مقبولِ بارگاہِ وفا　　جو ہوا اس کا بندۂ بے دام
اس رحیم و کریم کے نزدیک　　کچھ نہیں امتیاز خاص و عام

*

ڈھٹ میں بھی تو ہے کاک میں بھی تو　　سوچتی ہوں کہ اب کدھر جاؤں
کچھ بتا تو سہی مجھے رانے　　میں ادھر آؤں یا اُدھر جاؤں
مٹ گئی تیرگی مرے دل کی　　چاندنی ہے وہیں جدھر جاؤں

*

کون ہے میرا آسرا پیارے　　تو نہ ہو اس قدر خفا پیارے
میں کہ ہوں ایک خاطیٔ معصوم　　بخش دے میری ہر خطا پیارے
چاہتی ہوں تلافیٔ مافات　　ہے بھی ایک التجا پیارے

بھول جا میری ہر برائی کو
جان کر مجھ کو بے نوا پیارے
ایک ادنیٰ کنیز ہوں تیری
ساتھ میرا نہ چھوڑنا پیارے

*

سن لے اب میری التجا پیارے
مجھ کو تسلیم ہر خطا پیارے
تیری حلقہ بگوش لاکھوں ہیں
تجھے ان کی کمی ہی کیا پیارے
لیکن اس خار زار ہستی میں
کون میرا ترے سوا پیارے
کھل گیا خود پرستیوں کا بھرم
مل گئی مجھ کو ہر سزا پیارے
خم ہے تا زندگی سر تسلیم
ہے مقدم تری رضا پیارے

*

دیکھ بیتاب انتظار نہ ہو
نا شکیبائے وصل یار نہ ہو
وہ ترے صحن کے قریب آئے
دیکھ اس درجہ بے قرار نہ ہو
اہتمام حریم جاں کر لے
دیدہ و دل کو میزباں کر لے

وائی

اے ناقہ سودائی ۔ کیا چیز وہاں کھائی!
کیا کاک کی وادی نے پیغام سنایا ہے
کس نے ترے چہرے کو گلرنگ بنایا ہے
یہ رنگ یہ خوشبوئیں یہ حسن یہ رعنائی
اے ناقہ سودائی
کیا چیز وہاں کھائی
جا ڈھٹ کی طرف جا کر لے آ مرے رانے کو
کہنا مجھے مومل نے بھیجا ہے منانے کو
میں عاجز و درماندہ تجھ میں یہ توانائی
اے ناقہ سودائی
کیا چیز وہاں کھائی

وائی

رات جانے کو ہے رانے آجا
آجا اے مرے تن من کے راجا

جھوم کر پریم کے گیت گاؤں
اونٹ کو تیرے چندن کھلاؤں

*

راہ تکتی ہوں دن رات تیری
یاد آتی ھے ہر بات تیری
جانے کب کاک میں تجھ کو پاؤں
اونٹ کو تیرے چندن کھلاؤں

وائی

نگاہِ شوق پھر نذرِ لب و رخسار ہو جائے
تمنا سر خوشِ حسنِ جمالِ یار ہو جائے
مجھے اے کاش جیتے جی ترا دیدار ہو جائے
کوئی مجھ کو تری حیرت‌فزا محفل میں پہنچادے
ذرا آدابِ پا بوسی مرے دل کو بھی سمجھادے
نگاھوں میں مری پھر ماسوا بیکار ہو جائے
مجھے اے کاش جیتے جی ترا دیدار ہو جائے
صدائے باز گشتِ محرمیت جانِ جاں سن لے
جو کہتا ھے "لطیف" اس بات کو اے رازداں سن لے
مجھے حاصل ترا فیضانِ پر اسرار ہو جائے
مجھے اے کاش جیتے جی ترا دیدار ہو جائے

—*※*—

سر بروو سندھی

سر بروو سندھی

پہلی داستان

تھام لے اس کریم کا دامن
وھی سارے جہاں کا داتا ھے
کیوں کسی کا غلام کہلائے
جو فقط اس سے لو لگاتا ھے

*

درد تو اٹھ رہا ھے سینہ میں
بازوؤں کو نہ داغ چارہ ساز!
ھائے مجبوری' دل بے تاب
کھل گیا میری حسرتوں کا راز
جیسے سرکنڈا کاٹتا ھو کوئی
آ رھی ھے عجیب سی آواز

*

بس اسی بات سے ھیں خوش پیارے
بار بار ان کے در پہ مت جانا
نت نیا درد تجھ کو مل جائے
اپنے دل کی مراد یوں پانا
جو محبت میں غم اٹھائے ھیں
ان کو اپنی زباں پہ مت لانا

*

غیر اس کو عزیز ھیں "سید"
میری قسمت میں کب وہ پیارا ھے
بعد مدت کے شادماں ھوں میں
خواب میں رات اس کو دیکھا ھے
جو اٹھایا ھے بار غم میں نے
سامنے اس کے کسوہ بھی کیا ھے

*

بالوں کو راہ میں بچھاؤں گی
پلکیں پیروں سے جا لگاؤں گی
تیری خدمت گذار بن کر میں
عمر بھر بھر کہیں نہ جاؤں گی
اگر ان وادیوں میں تو آئے
راز اپنے تجھے بتاؤں گی

*

میری آغوش میں ہو آری جام   ساعت ایسی بھی اے خدا آئے
اس طرح لطف سے مجھے دیکھے   عیب میرا ہنر ہی کہلائے
مجھ سی درماندۂ محبت کو   کیچ میں اپنے ساتھ لے جائے

*

جھوٹوں کی دوستی سے تو ناحق   اپنے دل کی لگن بجھاتا ہے
کوئی دیکھے تو تیری خوش فہمی   جان کر تو فریب کھاتا ہے

*

ایسی بھی اب ہے آرزوے "لطیف"   تیرے قدموں میں ہو دلِ مہجور
جس طرح عجز و انکسار کے ساتھ   سر بہ سجدہ زمیں ہے تیرے حضور

*

صبر کر صبر اے دلِ مہجور   اب خیالِ وصال ہے بیکار
تیرے پیارے تو کر گئے ہجرت   اب یہ حزن و ملال ہے بیکار
ہاں یہی تھا نوشتۂ تقدیر   عشق میں قیل و قال ہے بیکار

*

اپنی دیوانگی کا شکوہ ہے   میرے پیارے تیرا گلا تو نہیں
تو تغافل شعار ہے پھر بھی   کوئی میرا ترے سوا تو نہیں

*

آج پھر تیری یاد آئی ہے   آنسوؤں نے جھڑی لگائی ہے
آنکھیں اب دوسروں کو کیا دیکھیں   اِن میں صورت تری سمائی ہے

*

دور ہو کر بھی ہے کوئی نزدیک   کوئی نزدیک ہو کے بھی ہے دور
بعض مشکل سے یاد آتے ہیں   بعض کی یاد سے ہے دل معمور
جیسے 'کُنڈی' کے سینگ الجھے سے   دوست اس طرح دل میں ہے مستور

*

تیغِ ابرو سے ذبح کر کے مجھے   منہ کسی اور سمت موڑ گئے
گوشت تو سارا کر دیا تقسیم   ڈھانچ انک ہڈیوں کا چھوڑ گئے

اور پھر کر کے صبر کی تلقین　　اک تبسم سے دل کو توڑ گئے

*

دل کو مانوس کر کے پیارے نے　　کچے دھاگے سے باندھ رکھا ہے
پیچ ڈالے ہیں عشق نے ایسے　　مجھ کو ہردم اسی کا سودا ہے

*

عام ہے جاہ و مال زر کی حرص　　مجھ کو ہے صرف تیرا ہی ارمان
تونے بخشی ہے وہ خوشی پیارے　　جس پہ دنیا کی ہر خوشی قربان

*

حسن پیارے کا انگبیں سا ہے　　اور حنظل ہے اسکا ہر انداز
جو بھی اس کے قریب آتا ہے　　اس پہ گرتی ہے برقِ عشوہ و ناز

*

ان پہ قربان جان و دیدہ و دل　　کیا تھے وہ خوش جمال کیا کہیے
وہ چمکتی ہوئی حسین آنکھیں　　اب ہیں خواب و خیال کیا کہیے

*

میرے پیارے چلے گئے جب سے　　چین دن کو نہ رات کو آرام
ان پہ سو جان سے ہوں میں قربان　　جرأتِ دل اگرچہ ہے بدنام
گلہٗ سختیٔ فراق بجا　　اور جو آجائے وصل کا پیغام

*

دل میں مسکن ہے پیارے ساجن کا　　روح میں رچ گئی ہے رعنائی
ایک ساعت کو بھی نہ بھولوں گی　　اس دل آرام کی شناسائی

*

کاش خد چھوڑ کر وہ پھر آئے　　راز کی ایک بات سن جائے
اب بھی چاھتا ہے میرا دل　　کوئی اس کو قریب تر لائے

*

کبھی سن ھی سکیں نہ میری بات　　اور کبھی بات کرنے خود آئیں
بند کرلیں کبھی تو دروازے　　اور کبھی خود ھی لینے آجائیں

*

خود بخود تونے سامنے آ کر — یہ محبت مجھے سکھائی ہے
عشق سے واسطہ مجھے کیا تھا — میرے پیارے تری دھائی ہے

*

میرے پیارے تو ایک شہزادہ — اور میں تیری بندۂ بے دام
تجھ سے پل بھر کو بھی جدا ہو کر — سخت مغموم ہے دلِ ناکام
وہ نظر اب بدل نہ جائے کہیں — دے رہی ہے جو روح کو آرام

وائی

رگ رگ میں بسا وہ پیارا ہے
وہ پیارا سب سے نیارا ہے
وہ پیارا آنکھ کا تارا ہے
میں پربت پر چڑھ جاؤں گی
اور اس کو ڈھونڈ کے لاؤں گی
اب سارے جگ میں اے سکھیو
بس وہ ہی ایک سہارا ہے
وہ پیارا آنکھ کا تارا ہے

—***—

دوسری داستان

نگہِ التفات پر قربان — دل میں ہیں اور بھی کئی ارمان
اے کمالِ شعور مجھ پر بھی — اپنے شایانِ شان کر احسان

*

تیغِ ابرو پہ جاؤں میں قربان — لے کے آئی ہوں اپنے جسم و جان
نذر میری قبول ہو جائے — اس سے بڑھ کر نہیں کوئی ارمان

*

دل و جاں کو مٹا کے بھی پیارے　　تونے پوچھی نہ ہائے میری بات
خون کی بوند تک نہیں باقی　　دل سوزاں ہے اور ھجر کی رات
میری قسمت کہ تجھ کو پا نہ سکی　　چھان مارا جہان امکانات

*

جب بھی وہ بزم یاد آتی ہے　　آہ دل سے نکل ھی جاتی ہے
کیا کہوں میں وہ جان مہرو وفا　　دل سے دل کس طرح ملاتا ہے
جیسے کڑیوں کو جوڑ کر لوہار　　ایک زنجیر سی بناتا ہے

*

سر جھکا کر ادب سے ھر اک حور　　حسن جاناں کی داد دیتی ہے
پڑھ کے اکثر زمیں بھی بسم اللہ　　نقش پا اس کے چوم لیتی ہے

*

تیری بندی ھوں اے مرے پیارے　　تیرے ھی غم سے لو لگاتی ھوں
مفسدوں سے بھی میں تری خاطر　　کتنی عزت سے پیش آتی ھوں

*

اے گرفتار زیست روز نجات　　تیرے کام آئے گا قلم نہ دوات
وقت آخر امین جاں ھوگی　　کونسی بات اے اسیر حیات
لولی 'بروے' کی جانتا ہے تو!　　یوں تو پیاری ہے تیری ھر اک بات

*

تیرے ابرو و چشم ھیں پیارے　　تیغ خمدار و خنجر خونخوار
زخم اب دل کے بھر نہیں سکتے　　جاں لیوا ہے عشق کا آزار
دل ہے جسکے فراق میں بیتاب　　کاش مل جائے مجھ کو وہ دلدار

*

یاد جاناں نے بے قرار کیا　　آج پھر میں نے انتظار کیا
اپنی آنکھوں کو بادلوں کی طرح　　شدت غم سے اشکبار کیا
شوق کی تشنگی نہیں بجھتی　　جب سے اس دلربا سے پیار کیا
کشش حسن دوست کیا کہیے　　آپ ھی اپنا دل فگار کیا
میرے تن من میں آگ سی بھر دی　　تونے یہ کیا جمال یار کیا

*

مدعائے حیات پایا ہے — وہ سراپا بہار آیا ہے
عالم فرط انبساط نے آج — شدت غم کو یوں دبایا ہے
'کھوڑ' کے ساتھ جیسے دھوبی نے — کپڑوں سے میل کو چھڑایا ہے

وائی

مرے مولیٰ بھول نہ جانا
دکھیا کی مدد کو آنا

تو کھیون ہار ہے داتا
میری نیا پار لگانا

گھیرے ہیں مجھے جو بیری
تو اُن کا زور مٹانا

کہتا ہے "لطیف" کوی کا
وہ پیارا دیس دکھانا
مرے مولیٰ بھول نہ جانا

وائی

وہ پیارا ساجن آئے گا — اور ساتھ مجھے لے جائے گا
خود ہاتھ پکڑ کر اندھی کو — آبادی میں پہونچائے گا
ان گھاٹوں کا کیا خوف مجھے — وہ بیڑا پار لگائے گا
وہ پیارا نبی رہبر بن کر — اک سیدھی راہ سجھائے گا

کہتا ہے "لطیف" کہ اے سکھیو
وہ پیارا دھیر بندھائے گا

—⁂—

تیسری داستان

سفر کوہسار ہے دن کو
اور پھر ساری رات سوتے ہیں
حوصلہ مند بھی محبت میں
اپنے ہوش و حواس کھوتے ہیں
ہر گھڑی عاشقوں کے جھرمٹ میں
تذکرے جان جاں کے ہوتے ہیں

*

دم تو سب دوستی کا بھرتے ہیں
دوست کس کو مگر کہا جائے
قدر ہوتی ہے دوست کی اس وقت
جب مصیبت کسی پہ آجائے

*

تیری رحمت سے مل گئے مجھ کو
زندگی ھی میں وہ مرے پیارے
اب وہ مجھ سے جدا نہ ہوں یا رب!
راحت جاں ہیں ان کے نظارے

*

ان گنت عیب مجھ میں ہیں یا رب!
نگہ التفات ہو جائے
پھر بھی جائے اگر کبھی مجھ سے
حسب عادت ادھر پلٹ آئے

*

کیا کہوں جب سے وہ سفر پہ گئے
کس طرح زندگی گذاری ہے
اس پہ قربان جاؤں میں سو بار
جس کی خاطر یہ بے قراری ہے
آرزوے وصال کیا کیجیے
کہ جدائی رضاے باری ہے

*

کیوں یہ فکر ہوس، ہوس بھی کہیں
قابل اعتبار ہوتی ہے!
ایک ھی دل ہو ایک ھی دلبر
عاشقی ایک بار ہوتی ہے

*

بھانپ لیں میری خامیاں تونے
پیارے ساجن ترا جواب نہیں
جانتا ہے برائیاں میری
پھر بھی مجھ پر کوئی عتاب نہیں

*

آج اس کے حضور میں پھر ہوں — پھر وہ لطف و کرم پہ مائل ہے
جو تعلق ہے مجھ سے پیارے کو — ٹوٹنا اس کا سخت مشکل ہے

*

کند خنجر سے کرنہ مجھ کو ہلاک — دسترس میں ہیں تیز خنجر بھی
ہائے یہ درد اور یہ آزار — زخم دل پر بھی ہے جگر پر بھی

وائی

اونٹوں کو چھکے سے لیکر مجھ کو سوتا چھوڑ گئے
آدھی رات کو ہائے بلوچی کیوں مجھ سے منہ موڑ گئے
رات ہی رات میں وہ پردیسی پہونچے کوسوں دور کہیں
سمجھی تھی من میت جنہیں میں وہ بیری دل توڑ گئے
کہتا ہے یہ "لطیف" ہمسیہ سجن ملیں گے بھور بھئے
وہ ناتا ہے پریت کا ناتا جو ناتا وہ جوڑ گئے

وائی

مجھ دکھیا کی دھیر بندھانا
پیارے محمد چھوڑ نہ جانا
مطلب کی ہے دنیا ساری
کون سنے فریاد ہماری
ہر اک بپتا میں کام آنا
پیارے محمد چھوڑ نہ جانا
روز ازل سے نور تمہارا
دیدۂ دل میں جلوہ آرا
رہبر بن کر راہ سجھانا
پیارے محمد چھوڑ نہ جانا
میں ہوں تشنہ کام محبت
مجھ کو بھی اک جام محبت
مجھ کو بھی دو گھونٹ پلانا
پیارے محمد چھوڑ نہ جانا

وائی

وہ پیارا ساجن آئے گا　　　مجھ اندھی کو لے جائے گا
خود ھاتھ پکڑ کر دکھیوں کو　　　آبادی میں پہونچائے گا
وہ کامل اپنی رحمت سے　　　ہر دکھیا کو اپنائے گا
غربت کی اندھیری راتوں میں　　　وہ جگ مگ دیپ جلائے گا
وہ کھیون ھار انوکھا ھے　　　ہر بیڑا پار لگائے گا
وہ رھبر سب کا رھبر ھے
وہ سیدھی راہ سجھائے گا

سرڈھر

سر ڈھر

پھلی داستان

کوئی تیرے سوا کس کو پکارے
بڑا پیارا ھے تیرا نام پیارے

یونھی خاموش بیٹھی ھوں میں کب سے
خدایا تیری رحمت کے سہارے

تعلق روح کا ھے بس تجھی سے
تجھے معلوم ھیں غم بھی ھمارے

کسے تیرا پتا اے چھپنے والے
نظر میں ھیں ترے رنگیں نظارے

وسیلہ کون ھے ھم بے کسوں کا
کہاں جائیں گے یہ غربت کے مارے

اسی امید پر اب جی رھے ھیں
کہ مل جائیں ھمیں تیرے سہارے

*

چھپالے دامنِ رحمت میں پیارے
نہ بھولوں گی کبھی احسان تیرے

تیرا شیوہ ھے میری عیب پوشی
تجھے معلوم ھیں سب عیب میرے

*

اگر ھو تیری رحمت کا اشارا
تو قعرِ آب بن جائے کنارا

ترے قربان اے شاہِ مدینہ
مجھے درکار ھے تیرا سہارا

اثر رکھتی ھے کچھ تو اس کی آواز
محبت سے تجھے جس نے پکارا

نہ خالی جائے اس بیکس کی فریاد
تجھے اپنا کہے جو غم کا مارا

ترے قدموں کی مٹی کیمیا ھے
نہیں تیرے سوا کوئی ھمارا

مجھے عصیاں پہ ھے بیحد ندامت
بھلا دینا نہ تو مجھ کو خدارا

*

اگر ہے عاشقِ شہرِ مدینہ
تو اے سائل وہاں اس طرح جانا
بہ فرط شوق اپنے چشم و دل کو
غبارِ منزلِ جاناں بنانا
نظر آئے تجھے جب نورِ احمد
تو اس کو اپنی رگ رگ میں سمانا

*

ترے دامن سے وابستہ ہوں پیارے
ذرا آ کر مری ڈھارس بندھا دے
مری اجڑی ہوئی اس جھونپڑی کو
مرے سرتاج تو آ کر بسا دے

*

سبھی سکھیوں کے ہیں سرتاج لیکن
مرے سرتاج ہیں سب سے نرالے
کرے گا کون ایسی عیب پوشی
کہ دیکھے اور ہر اک عیب ٹالے
مری لغزش بنے اس کی نوازش
میں گر جاؤں تو وہ مجھ کو سنبھالے
اسے ہونے نہ دے دنیا میں رسوا
جسے وہ اپنے دامن میں چھپالے

دوسری داستان

بظاہر شوخیاں سرتاج سے ہیں
مگر منظور غیروں کی خوشی ہے
تو دانہ چھوڑ کر کیوں آج ناداں
یہ بھوسا جمع کرنے میں لگی ہے

*

تجھے بننا ہے اک اچھی سہاگن
تو اے غافل ذرا ہشیار ہو جا
گراں خوابی ترے کس کام آخر
سحر ہونے کو ہے بیدار ہو جا

*

پلک جھپکا کے پھر ہشیار ہوجا
یہ نیند اچھی نہیں بیدار ہوجا
ارے ناداں ابھی تو دو پہر ہے
سفر کے واسطے تیّار ہوجا

*

خوشا وہ لوگ بیداری سے جن کو
یقیں کی روشنی حاصل ہوئی ہے
شبانہ خلوتوں میں جن کے دل کو
سحر کی تازگی حاصل ہوئی ہے

*

بجز حسرت نہیں کچھ حاصل خواب　　اگر ہے جانِ جاں کی یاد پیاری
بہت پچھتائے گی اپنے کیے پر　　اگر یہ رات سونے میں گذاری

*

یہ کیوں شب خوابیوں پر ناز بے جا　　مقدر میں دیں کچھ ایسی بھی راتیں
کہ تنہائی میں تو گھبرا کے اکثر　　کرے گی دل سے بیداری کی باتیں

*

مجھے اس نیند نے جو دکھ دیا ہے　　تمہیں کس دل سے اے سکھیو بتاؤں
جو لمحے خوابِ غفلت میں گذارے　　کہاں سے ڈھونڈ کر اب ان کو لاؤں
وہ پیارا ھوت "ہاڑے" میں نہیں ہے　　اگر جاؤں بھی تو کس سمت جاؤں

*

بہائے درد کے ماروں پہ آنسو　　مگر شبنم سمجھتا ہے انہیں تو

*

گذارے گی اگر آنکھوں میں ہر رات　　تو ان سے سرخرو ہوتی رہے گی
نہ ہوگی دولتِ دیدار حاصل　　اگر تو رات بھر سوتی رہے گی

*

کھڑا ہے ریت پر یہ قصرِ ہستی　　عبث اس قصرِ ہستی پر ہے نازاں
عروسی پیرہن ہے آج جس کا　　وہی کل ساکنِ گورِ غریباں

*

نہ ہو اے کاش اب کوئی سویرا　　رہے ہر سو اندھیرا ہی اندھیرا
تجھے جب تک نہ میں پھر سے منالوں　　ہٹے سر سے نہ پیارے ہاتھ تیرا

*

دل اس کی یاد میں کھویا ہوا ہے　　خدایا مجھ کو پیارے سے ملانا
جو اس کے وصل کا پیغام لائے　　ہوا میری طرف ایسی چلانا

*

مری سکھیو کرو پیارے کی باتیں　　کہ ان میں نت نئی وارفتگی ہے
اگر مل جائے پھر مجھ کو وہ ساجن　　تو سمجھوں میری قسمت کھل گئی ہے
اسی کی راہ اب تکتی رہوں گی　　جو صورت میری آنکھوں میں بسی ہے
محبت کے فسانے تازہ ہردم　　ہمیشہ داستانِ دل نئی ہے

تیسری داستان

ارے 'کنڈا' ! مجھے کچھ تو بتا دے
کہاں ہیں آج وہ پیارے کہاں ہیں
بہارِ رفتہ کا غم ہے تجھے بھی
گل و برگ و ثمر نذرِ خزاں ہیں
کدھر گم ہو گئے 'ڈھورے' کے مالک
ترے دن رات جن کے رازداں ہیں

*

اگر تو طالبِ آزار ہوتا
تو کیوں مرہونِ برگ و بار ہوتا
نہیں غم تجھ کو اپنے مالکوں کا
وگر نہ سوکھ کر تو خار ہوتا
کبھی رہتا نہ تو اس طرح قائم
اگر ان سے تجھے کچھ پیار ہوتا

*

'ڈھورا' لبریز تھا جب اے 'کنڈا'
یاد تو ہوگا وہ سماں تجھ کو
کہ ملا تھا یہیں کہیں شاید
وہ 'جسودن' سا رازداں تجھ کو

*

اس علاقہ کے مالک و مختار
جانے کس دیس کو سدھارے ہیں
اس قدر خشک ہو گیا ڈھورا
آگ میں چھپ گئے کنارے ہیں

*

موجزن جب تھے 'ڈھاگی' اور ڈھورا
آپ اپنی مثال تھا 'بلیار'
یادگارِ زمانہ ہیں اب تک
وہ جسودن کے دلنشیں اطوار

*

بہہ رہا تھا جہاں کبھی ڈھورا
اب وہاں چھوٹے چھوٹے چشمے ہیں
موجزن تھا جہاں 'پٹیہل' کل
اب وہاں تشنہ لب کنارے ہیں
جن میں رہتا تھا اک ہجوم سدا
کتنے ویران اب وہ رستے ہیں

*

کشتیاں کھولنے لگے ملاح
پہلے جیسا نہیں رہا ڈھورا
کون پرساں ہے اب جسودن کا
ہائے پایاب ہو گیا ڈھورا

*

دیکھ کر اس کو آنکھ ہے پر آب　　اب 'جسو' گھاٹ پر کہاں احباب

*

خواب میں بھی نظر نہیں آتا　　گھاٹ پر جو ہجوم رہتا تھا
کر گئی ہیں جو پار 'کاچھا' کو　　ہائے ان گوریوں کے ٹھاٹھ تھے کیا

*

اے 'پٹیہل' کہاں وہ تیرا جوش　　نہ تلاطم نہ وہ روانی ہے
ریت ہی ریت ہے جدھر دیکھو　　خشک کس غم سے تیرا پانی ہے

*

آج مجھ سے کہا 'پٹیہل' نے　　کر دیا غم نے خشک دھاروں کو
ہر گھڑی فکر ہے جسودن کی　　یاد کرتا ہوں اپنے پیاروں کو

*

ہم چلے، رخصت اے مہارانی　　تنگ ہے 'سانگ' غم کے ماروں پر
آک کے پھول اور سوکھی گھاس　　کیا ہے ان کے سوا کناروں پر

چوتھی داستان

کیوں نہ لوٹا تو اے نہنگ اس وقت　　آبجو میں سوا تھا جب پانی
اب شکاری ہیں اور ان کی جال　　چل سکے گی نہ تیری من مانی
آج ہو جائے گا تجھے معلوم　　جان لیوا ہے کل کی نادانی

*

باز آ اے نہنگ مستی سے　　فتنہ پرور تری جوانی ہے
جس کو دریا سمجھ رہا ہے تو　　چند روزہ ہی اس کا پانی ہے

*

جب شکاری نے جال پھینکا تھا　　تجھے اس وقت تیر جانا تھا
تجھ سے پہلے بھی جو نہنگ مرے　　ان کے حلقوم میں بھی کانٹا تھا

انھی غفلت شعاریوں سے نہنگ !
گلچھڑوں میں چھپا ھوا کانٹا
تجھے بے موت یونھی مرنا تھا
حلق میں تونے خود ھی ڈالا تھا

*

گلچھڑوں میں چھو کے وہ کانٹا
وہ تڑپنا بھی دیکھتے اُن کا
چھوڑ جاتے ھیں اپنے پیاروں کو
مارتے ھیں جو غم کے ماروں کو

*

چھوڑ کر تو 'دنارا 'پہائیر' کا
شاید اے گوسفند بے پروا
ذبح کردیں گے تجھ کو بھی قصاب
کس 'ترائی' میں گھاس چرتا ہے
موت نے تجھ کو آکے گھیرا ھے
ان کی نظروں سے کون بچتا ھے

*

رھنا اے گوسفند تو ھشیار
گلہ بانوں سے رھتے دیں خائف
دفعتہً وہ نظر بدلتے ھیں
گلہ بانوں کے گھر میں پلتے ھیں

*

زندگی بھر سراب ھستی میں
بھاڑ میں جائیں بیریوں کے جھنڈ
نت نئی آرزو کا غم کھانا
تو کبھی اُن کے پاس مت جانا

*

اے ھرن تو ھے فربہ و تازہ
دیکھ شاید اسی لیے صیّاد
تونے جنگل میں خوب کھایا ھے
لے کے تیر اور کمان آیا ھے

*

عاصیوں کے صبیح چہرے دیکھ
آئے جس کام کے لیے وہ یہاں
کہ روی پر بھی مسکراتے ھیں
آکے وہ کام بھول جاتے ھیں

*

دین کو چھوڑ کر نہ جانے کیوں
جھاگ ھی کو سمجھ رھے ھیں دودھ
مول لیتے ھیں نت نیا آزار
کیوں یہ دیں ناشناس دنیادار

پانچویں داستان

وادیوں اور کوھساروں میں　　هم صفیروں نے غل مچایا ھے
تو ھے خاموش کس لیے اے 'کونج'　　هم صفیروں کو کیوں بھلایا ھے

*

رو رھی ھے کہ دے رھی ھے کونج　　هم صفیروں کو پھر کوئی پیغام
ھائے وہ وادیاں وہ جھرمٹ ھائے　　آہ یہ غم یہ نت نئے آلام

*

کھوئی کھوئی سی ھے اداس سی ھے　　زندگی کس طرح گذارے گی
هم صفیروں سے چھین کر اے کونج　　تیری تنہائی تجھ کو مارے گی

*

آدمی میں بھی ھے مگر کمیاب　　ان پرندوں میں جو آخوت ھے
ایک ھی غول ایک ھی منزل　　همسفر، راھبر محبت ھے

*

باز پلٹا تو غول پر جھپٹا　　غول سے کونج کو شکار کیا
اور ادھر ننھے منے بچوں نے　　ماں کے آنے کا انتظار کیا

*

جب سے بچھڑی ھے کونج جھرمٹ سے　　شب کو سوتی ھے اور نہ کھاتی ھے
یاد کرتی ھے هم صفیروں کو　　اور پیہم صدا لگاتی ھے

*

کوھساروں میں تھا وطن جن کا　　کھینچ لائی انھیں یہاں تقدیر
حکم ھے رازقِ حقیقی کا　　اس میں کونجوں کی کچھ نہیں تقصیر

*

تیری آوازِ غمزدہ اے کونج　　یاد محبوب کی دلاتی ھے
رات کے وقت دکھ بھری فریاد　　زخمِ دل کی خلش بڑھاتی ھے
روتی رھتی ھے رات بھر تنہا　　دمبدم اشکِ خوں بہاتی ھے
تجھ پہ شاید وھی ستم ٹوٹا　　جو جدائی بشر پہ ڈھاتی ھے

*

کونی مہجور کونج متواتر
خواب میں ہم صفیر دیکھے ہیں
کل سے سوے شمال نالاں ہے
اس لیے نیم شب کو گریاں ہے

*

کونج بچھڑی ہوئی ہے بچوں سے
بڑھتی جاتی ہے کوشش پرواز
اس لیے شور و غل مچاتی ہے
یاد ان کی ستائے جاتی ہے

*

حسب معمول اس ترائی میں
لیکن اس سبزہ زار میں کیا تھا
اڑ چکے تھے وہ جب سویرے ہی
ایک امید ان کو لے آئی
یہاں ہر کونج آ کے پچھتائی
جن کی چاہت انہیں یہاں لائی

*

آج اے کونج ہم صفیروں کو
تونے دیکھے نہ وہ ترے خاشاک
تجھے بیتابیوں سے کیا حاصل
کر چکے ہیں شکار لاکھوں کو
کر رہی ہے اداس تیری یاد
جال پھیلا گئے تھے جو صیاد
کون سنتا ہے اب تری فریاد
وہ جفا پیشہ وہ ستم ایجاد

*

یہ ترے جال غرق ہو جائیں
میرے دور فراق کا باعث
موت آجائے تجھ کو اے صیاد
تیرا دام فریب ہے صیاد

*

دل صیاد میں بھی ناوک تھا
دفعتہً اک فریب نے اس کو
کونج کو یہ نہ ہوسکا معلوم
کردیا اپنے جھنڈ سے محروم

*

کتنا بوسیدہ حال ہے صیاد
کوہساروں میں چھپنے سے پہلے
ایک بندوق کا سہارا ہے
کچھ حسیں طائروں کو مارا ہے

—⁂—

چھٹی داستان

اپنی بھینسوں کو تو وہاں لے جا
بارشوں کے اثر سے ہے محفوظ
بستیاں ہیں جہاں 'سنگھاروں' کی
جھونپڑی ان وفا شعاروں کی

*

کوئی پہنچائے ان سنگھاروں کو
میری ہستی ہے تم سے وابستہ
کاش میری طرف سے یہ پیغام
مجھے 'کاچھے' سے اب رہا کیا کام

*

دوسروں کو پلا کے پیتے ہیں
ہر جمعرات کو سنگھاروں نے
ماں! یہ منعم ہیں صاحب ایثار
کتنا اچھا اصول ہے اُن کا
اپنی بھینسوں کا دودھ ہے بانٹا
اور دنیا میں ہے کوئی اُن سا!

*

گھیر لیں گے مجھے کئی دکھ درد
کیا یہ سچ ہے سنگھار کاچھے سے
مار ڈالے گی سختی فرقت
اب کہیں اور کر گئے ہجرت!

*

کیوں نہ رشک آئے ان سنگھاروں پر
پھر جمعرات کا دن آیا ہے
دل سخی اور ہمتیں عالی
پھر ہیں گھر اُن کے دودھ سے خالی

*

سُونا سُونا ہے موسم برسات
آج ماتم بپا ہے کاچھے میں
دن دکھایا ہے کیا بہاروں نے
رخ کدھر کا کیا سنگھاروں نے

*

صبحدم کیوں نہ ساتھ چلنے کو
جانتی تھی سنگھار جائیں گے
تونے رخت سفر کیا تیار
وطن اُن کا ہے کاچھا اور کوہسار

*

شاد و آباد وہ رہیں یا رب!
اس بُرے وقت میں انہیں شاید
آسرا ہے مجھے سنگھاروں کا
کچھ خیال آئے غم کے ماروں کا

*

گلہ بانوں سے کیوں وہ کترائیں
خود بھی جو گلہ بان کہلائیں
میں بُرا کیوں کہوں سنگھاروں کو
ہو نہ ہو پھر وہ اس طرف آئیں

*

ان کے مٹکوں کے ٹھنڈے پانی سے
کتنے ہی تشنہ لب ہوئے سیراب
یہ سنگھاروں کی بیٹھکیں خالی
اب جنہیں دیکھ کر ہے دل بیتاب
ماں! نہ جانے کہاں گئے وہ لوگ
چھوڑ کر ایسا موسم شاداب

*

بیٹھکیں اُن کی سُونی سُونی ہیں
کیوں سنگھار اب نظر نہیں آتے؟
کیا پسند آ گیا 'چیٹا نو' گھاٹ؟
ان کے گلّے ادھر نہیں آتے

*

سبزہ زاروں کی جستجو ہے اگر
ساتھ چھوٹے نہ اِن سنگھاروں کا
ان کی صحبت میں چین اور آرام
وہ سہارا ہیں بے سہاروں کا

*

چاہے کتنے ہی عیب ہوں ان میں
بخششوں میں کمی نہیں آتی
جو سنگھاروں کی ہو گئی باندی
روکھی روٹی کبھی نہیں کھاتی

*

پڑ رہی ہیں زمین پر بوندیں
اور گوبر میں بھر گئے ہیں ہات
پھر سنگھاروں کی یاد نے مارا
میری آنکھوں سے پھر ہوئی برسات

*

جو بھی کاچھے میں گھوم پھر آئی
دودھ اپنے تھنوں میں بھر لائی
ان کے گلّے میں رہ کے بھینسوں میں
آگئی ہے نئی توانائی
ان سنگھاروں کے دیس کی کیا بات
جو گیا اس نے زندگی پائی

ساتویں داستان

پھر ہوں 'جاڑیجا' اور 'سما' ھشیار   ان پہ 'لاکھو' نے کی ھے پھر یلغار

*

کچھ کا راجہ بھی ہو گیا ناراض   ھائے جاڑیجوں نے کیا وہ کام
مل سکے گا نہ اب کہیں ان کو   وہ سہارا وہ امن ، وہ آرام

*

کچھ میں لاکھو کی لوٹ نے ہر سو   ایک کہرام سا مچایا ھے
کوئی دیکھے تو اس ستم گر کو   کتنے فتنوں کو ساتھ لایا ھے
لے گیا ھے کہیں سے چوپائے   ساز و ساماں کہیں چرایا ھے
اس ستم کیش کے لٹیروں نے   ہر طرف بستیوں کو ڈھایا ھے
لیکن اب دیکھنا ھے کیا ہوگا   رائے غصے میں 'بھج' سے آیا ھے

*

قیمتی اونٹ بے بہا زیور   لاکھا 'لونی' میں آج لایا ھے
کس قدر ھے عزیز اس کو 'لکھی'   زین کو شوق سے سجایا ھے
ایسے جاسوس ھیں سواروں میں   جن سے گھر گھر کا بھید پایا ھے
کھول کر لے گیا ھے چوپائے   یا کہیں اور کچھ اڑایا ھے
جا کے جاڑیجوں سے کوئی پوچھے   اس نے اندھیر کیا مچایا ھے
ان لٹیروں کی چیرہ دستی سے   دور آہ و فغاں کا آیا ھے

*

کھیت ویران بیٹھکیں مسمار   ھائے لاکھے کی نت نئی بیداد
سونی سونی سی ہو گئی 'لونی'   کردیا سب کو خانماں برباد

*

سارے رستوں پہ چھا گئیں بیلیں   اب کے پھر زور کی ہوئی برسات
بے رسد جنگلوں میں اے لاکھا   کیسے گذریں گے اب ترے دن رات

*

اے 'بڈامانی' کے کنور آجا   جستجو ھے تری ادھر آجا

ھر طرف ھے مہیب ویرانی
کاچھے کو رھزنوں نے گھیرا ھے
گر چکے سقف و بام و در آجا
میرے پیارے کہیں نظر آجا

*

اے 'ریباری' پھر آگیا لاکھا
جب وہ ٹھاکر تری طرف دیکھے
تو اسے عجز سے منا لینا
بے دھڑک اس کے ناز اٹھا لینا

*

دل پریشاں ھے اشکبار آنکھیں
اس کے چوپائے لے گیا لاکھا
جب سے کاچھے میں آئے ھیں رھزن
ان کی زد سے نہ بچ سکا کوئی
کس قدر غمزدہ 'ریباری' ھے
کتنی مظلوم غم کی ماری ھے
سب پہ خوف و ھراس طاری ھے
ھر طرف لوٹ مار جاری ھے

*

سر پہ باندھے سنہرا صافہ وہ
کوئی دیکھے تو قہر لاکھو کا
پھر 'لکھی' پر سوار آیا ھے
کتنے فتنوں کو ساتھ لایا ھے

*

چارا دے کر انھیں 'چٹانو' کا
جب آنھیں کھولنے وہ آ پہنچا
تیرے چوپائے لے گیا لاکھا
بے زبانوں پہ تونے ظلم کیا
تجھے اس بات کی ملی یہ سزا
ان کے منہ سے نکل سکی نہ صدا

*

رھزنوں کی خبر کو سن کر جو
ایسوں پر بھاگنے سے پہلے ھی
مخبروں کا مذاق اڑاتے ھیں
راھزن آکے ظلم ڈھاتے ھیں

*

'ڈھٹ' کے باشی یہاں سے چل تو بھی
لوٹ جا لے کے اپنے چوپائے
میں نے لاکھا اور اس کے ساتھی کل
لوگ کاچھے سے ھوگئے بے زار
آجکل ڈھٹ میں بھی ھیں سبزہ زار
اپنی آنکھوں سے دیکھے ھیں آس پار

*

جتّوں کی دوستی کو آزمانا
تو جاڑیجوں کو بھی اپنا بنانا
سنا ہے ہر طرف ہیں وہ لٹیرے
سنبھل کر اپنے چوپائے چرّانا
یہاں جب اے سنگھار آئے گالاکھو
تجھے دشوار ہوگا بھاگ جانا

*

نا سمجھ 'اوڈ' جانتے ہیں یہ
کتنے گھر تونے پھونک ڈالے ہیں
جو ترے جی میں آئے اے لاکھا
جھونپڑے اب ترے حوالے ہیں

*

اوڈ تھے ایسے مطمئن جیسے
اب کوئی جھونپڑی نہ چھوڑے گا
کیا خبر تھی کہ دفعتہً لاکھا
رخ ادھر ھی کو اپنا موڑے گا

*

جھونپڑے کچھ زمیں کے نیچے ہیں
اب کہاں اوڈ اس بیاباں میں
منتشر ہے کہیں کہیں ان کا
ساز و سامان دیار۔ ویراں میں

*

صبحدم اوڈ 'کاک' سے نکلے
کوئی دیکھے تو ان کی مجبوری
اب کدال اور چھاج لے کر وہ
کرنے جاتے ہیں روز مزدوری

*

چھوڑ دی لوٹ مار لاکھے نے
ھو رھی ہے خوشی سنگھاروں کو
گائے بھینسوں سے پھر بسائیں گے
اس ترائی کے سبزہ زاروں کو

*

کون 'جھونی پران' سے پوچھے
لاکھے جیسا ہے اور بھی کوئی
اک زمانہ ھوا اسے لیکن
کہیں ویسا ہے اور بھی کوئی

*

اب نہ لاکھو نہ وہ لکھی باقی
مشکلیں سب کی ھوگئیں آساں
شاد و آباد پھر ہیں ربباری
عام ہے اے خدا ترا احساں

*

لاکھوں لاکھے ہوئے یہاں پیدا — لیکن اس کی تھی اور ہی کچھ شان
اور 'پھلانی' کے نام سے اکثر — کانپ جاتے تھے جنگجو سلطان
کتنے سردار کتنے ہی رانے — بھاگ نکلے بچا کے اپنی جان
خوف جاڑیجوں کو رہا اکثر — اس کے ڈر سے خطا ہوئے اوسان
پھر نہ راہِ فرار اس کو ملی — اس کی زد میں جو آگیا انسان

سر گھاتو

سر گھاتو

پہلی داستان

سٹ پٹاتے ہیں صاحب۔ مقدور
محوِ حیرت کھڑے ہیں فرزانے
ناز تھا جن کی آشنائی پر
اب ہیں وہ مد و جزر بیگانے
ہائے وہ جرأت آزما مانجھی
گم کہاں ہوگئے خدا جانے

*

چھین لی شب کو ژالہ باری نے
ان کے صافوں کی ساری آب و تاب
ساز و سامان کہاں سفینے کے
ہوگئے ہوں گے نذر موجِ آب
آئے واپس نہ وہ 'کلاچی' سے
کون جانے کہاں ہوئے غرقاب

*

قہر سامان 'کلاچ' میں جاکر
جیتے جی کون لوٹ کر آئے
موت نے جال وہ بچھایا ہے
جو بھی جائے وہیں کا ہوجائے

*

لے کے بھالے کلاچ پہنچے تھے
پھر نہ آئی کوئی خبر ان کی
بھائیوں کو ہوئی بڑی تشویش
ہوگئی زہر ہر خوشی ان کی
پھنس گئے جانے کس بھنور میں وہ
کس کو معلوم بے بسی ان کی

*

کتنا گہرا تھا جانے وہ گرداب
کشتیاں ہیں نہ جال باقی ہے
لوٹ کر آ سکے نہ کیوں ملاح
آج تک یہ ملال باقی ہے

*

گھر کے مانوس و دل نشیں منظر
اب مجھے اجنبی سا پاتے ہیں
اور پھر یک بیک نہ جانے کیوں
ڈوبنے والے یاد آتے ہیں

*

مجھ کو رنج و ملال دے کر ماں!
گم کلاچی میں ہو گئے پیارے
مچھلیوں کے شکار کی خاطر
کس سمندر میں کھو گئے پیارے
اک طرف کو کھڑی ہوئی چپ چاپ
گھاٹ پر ہاتھ مل رہی ہوں میں
وہ شکاری نہ لوٹ کر آئے
دھوپ میں کب سے جل رہی ہوں میں

*

جب سے میرا سہاگ اجڑا ہے
مجھے خاطر ہی میں نہیں لاتے
ہنس کے خوش آمدید کہتی ہوں
پھر بھی 'سائی' ادھر نہیں آتے

*

کوئی سائی نہ کوئی ماہی گیر
گھاٹ والے نہ گھاٹ کا محصول
جس جگہ کل شکارگاہیں تھیں
آج اڑتی ہے اس جگہ پر دھول

*

ڈھیر 'ڈنبھروں' کا ہے نہ وہ بو باس
وہ خریدار ہیں نہ وہ بازار
گردش روزگار کے ہاتھوں
خاک میں مل گئے در و دیوار

*

لوٹ بھی آؤ اب مرے پیارو
میں نے کیا کیا نہ منتیں کی ہیں
گھاٹ کے دوسرے مچھیروں سے
قرض پر میں نے مچھلیاں لی ہیں

*

بیٹھکوں کو اداس پاتے ہیں
سائی اب آکے لوٹ جاتے ہیں
آج کوئی تو بات ہے ورنہ
دیر اتنی کہاں لگاتے ہیں

*

جو روش ہے ہر اک شکاری کی
معتقد وہ اسی کے ہوتے ہیں
وہ کلاچی کے شوق میں اکثر
رات کو چین سے نہیں ہوتے

*

نفس اماره کے 'مگر' کو وہ
قعر دریا میں ختم کر آئے
آج ان کے صبیح چہروں پر
شادمانی کے رنگ لہرائے

*

جانے والے شکاریو! سن لو
اس کلاچی میں ہیں سبھی انجان

رنگ لینا تم اپنا اپنا جال تاکہ آسان آن کی ہو پہچان

*

تم 'مگر' کا شکار گر چاہو جال مضبوط سا بنا لینا
جھول میں جال ڈالنے والے 'رائوں' کو خوب آزما لینا
آگے آئےگا بحرِ بے پایاں کھاڑیوں کا نہ آسرا لینا

وائی

نین کنول مرجھائے
ساجن لوٹ نہ آئے
آشا کی اگنی تو من میں
دیپ پہ دیپ جلائے
ساجن لوٹ نہ آئے
جا کر اس گہرے ساگر میں
کوئی انہیں گھر لائے
ساجن لوٹ نہ آئے
وہ انگڑے جال کہاں ہیں
کوئی کھوج لگائے
ساجن لوٹ نہ آئے
بیری ہیں مگرمچھ مورکھ!
کیسے کوئی جائے
ساجن لوٹ نہ آئے

—ـــ—

سر کاپائتی

سر کاپاتی

پہلی داستان

اکیلی بیٹھ کر مت کاتنا سوت
تجھے ہو اس میں کتنی ہی مہارت

پرکھنے والے دیکھیں گے اسے جب
تری سب جائے گی محنت اکارت

*

ارے ماں، جس نے تنہائی میں کاتا
اسے حاصل ہوئی ہے خوب دولت

مگر وہ تار مجھ سے تو نہ نکلے
بہت ہوتی ہے جن کی قدر و قیمت

*

گھما چرخے کو اور کچھ کر لے ناداں
کہ بس دو چار دن کی زندگی ہے

یہاں جیسا کسی نے سوت کاتا
اسے ویسی ہی عزت بھی ملی ہے

'بہی' کو ہاتھ سے اس نے نہ چھوڑا
جسے حاصل شعور و آگہی ہے

*

گذرتی جاتی ہے ہر ایک ساعت
تجھے ہے فکر فردا کی ضرورت

جہاں تک ہوسکے کاتے چلی جا
تجھے زیبا نہیں چرخے سے غفلت

کل اس کو سوت اگر ماچی دکھائے
پرکھنے والے کو ہوگی شکایت

*

ابھی تو کات لے جو کاتنا ہے
اگر ہیں عید کی خوشیاں منانا

گذر جائے گی غفلت میں جو ساعت
نہیں ممکن پھر اس کا لوٹ آنا

کہیں ایسا نہ ہو سکھیوں میں تجھ کو
ندامت سے پڑیں آنسو بہانا

*

نہیں کیوں کاتنے کی فکر تجھ کو
ترا بستر ہے اور انگڑائیاں ہیں

تجھے شام و سحر بیکار رہنا — یہی کیا عید کی تیاریاں ہیں؟
بڑی سج دھج سے سکھیاں آئیں گی کل — تری تقدیر میں مایوسیاں ہیں

*

اگر تھا شوق تجھ کو کاتنے کا — نہ ڈالا تونے کیوں چرخے میں ڈورا
کبھی سوچا بھی ہے پہنے گی تو کیا — اگر آیا تجھے کوئی بلاوا
کوئی تجھ سا نہ غافل ہم نے دیکھا — ترے سر پر ہے ناداں بوجھ کتنا

*

مری کاتی ہوئی یہ انٹیاں ہیں — کوئی ہے وزن میں کم اور کوئی بیش
انہیں جب تولنے والے نے تولا — ندامت سے مرا دل ہو گیا ریش

*

تجھے رغبت نہیں جب کاتنے سے — کہیں جانے کا یہ ارمان کیوں ہے
اگر تجھ کو دکھانا ہے آسے منہ — تو اتنی غفلت اے نادان کیوں ہے

*

وہ ناحق تونے غفلت میں گذارے — جو تیرے کاتنے کے دن تھے نادان
نہیں پہلی سی اب تیری بصارت — تجھے پیری میں کیا تاروں کی پہچان

*

اگرچہ عمر کافی ہو چکی ہے — ترے حق میں غنیمت ہے یہ فرصت
تو چرخے والیوں کا ساتھ مت چھوڑ — مبارک ہے یہ ان کی نیک صحبت
صلہ مل جائے شاید کاتنے کا — تجھے ان نیک سجنوں کی بدولت

*

ترے ہاتھوں میں کندن کی دمک ہے — مگر تو کاتنے سے ہے گریزاں
کسی گوشہ میں چھپ کر کات لے کچھ — کسی دن ورنہ تو ہوگی پشیماں

*

نہ جب تک مل سکے رنگین چرخہ — پرانے چرخہ ہی پر اکتفا کر
تجھے زیبا نہیں بیکار رہنا — ہمیشہ کام کی دھن میں رہا کر
نئے چرخے نہ جانے کون کاتیں — اسی چرخے سے اپنا فرض ادا کر

*

سحر ہوتے ہی وہ سکھیوں میں آئی
پر کھنے والا جس کا آسرا ہے
نہ جانے کس طرح کاتا تھا لیکن
صلہ محنت کا اس کو مل گیا ہے

*

بخت پر کوئی اعتبار نہیں
کیوں یہ ناز و غرور کرتی ہے
کاتنے کے بغیر سکھیوں پر
کس کو معلوم کیا گذرتی ہے
روز کے کام سے نہ ہو غافل
اپنے انجام سے نہ ہو غافل

*

کاتنے پر غرور کرتی ہے
کیا ملے گا تجھے صلہ اس کا
کچھ عزازیل ہی سمجھتا ہے
تلخ ہے کتنا ذائقہ اس کا

*

صرف چرخے سے رکھ غرض باقی
تاکہ رہ جائے کاتنے کی لاج
اپنے کاتے پہ ناز ہے تجھ کو
اس لیے تجھ سے ہے خفا سرتاج

*

کاتتی جا یہ فرض ہے تیرا
عاقبت کا خیال کرتی جا
بخت پر کوئی اعتبار نہیں
سوئے محبوب ڈرتی ڈرتی جا

*

تونے کاتا ہو کتنا ہی باریک
دل دغاباز ہے تو لاحاصل
جس کا اِک تار بھی نہ لے کوئی
سُوت وہ کاتنے سے کیا حاصل

*

جس کے دل میں غمِ محبت ہے
دم اسی کا وہ لوگ بھرتے ہیں
سوت تولے بغیر بھی اکثر
جیسا بھی ہو قبول کرتے ہیں

*

تونے کاتا نہ سوت کل کچھ بھی
اور جانے کو آج ہے تیار
'مال' ڈھیلی، کھلے ہوئے پائے
اب تو چرخہ بھی ہوگیا بیکار
قابلِ رحم اس کی حالت ہے
کاتنے سے جو ہوگئی بیزار

*

جس نے چرخے کی گردشوں ہی کو قابل اعتبار گردانا
وہ سکھی ہے نجات سے محروم اس کی تقدیر میں ہے پچھتانا

*

وہی مقبول ہیں، "سید" کے نزدیک نہیں تولے گا جن کا سوت کوئی
جو اچھا کات کر بھی کانپتی ہیں کرے گا کون ان کی عیب جوئی

*

لگائے کون ان تاروں کی قیمت جو ہیروں سے زیادہ قیمتی ہیں
روئی دھنوا کے ان تاروں کو سکھیاں بڑے ہی صدق دل سے کاتتی ہیں
وہی مقبول ہیں 'سید' کے نزدیک جو چرخے کی حقیقت جانتی ہیں

*

روئی دھنوا کے جن سکھیوں نے کاتا عجب ہے ان کے تاروں کی نفاست
انہیں کا کام ہے ململ بنانا ملی ہے ان کو ماں سے یہ وراثت

*

عرب میں اور کبھی کابل میں کاتا عجب ان مہوشوں کا کاتنا ہے
نفاست دیکھ کر اندازہ کرلو کہ ان کا سوت کتنا بے بہا ہے
وہ ہیں خوش بخت انہیں کل کی نہیں فکر جنہیں کوئی سہارا مل گیا ہے
مسلم ہو چکی ان کی نفاست وہ کاتیں یا نہ کاتیں سب روا ہے

*

چلی ہے وہ کپاس آنچل میں لے کر صدا دیتی ہوئی ہر ایک در پر
سنا ہے جابجا اس کو یہ کہتے کہ میں ہی کاتنے والی ہوں بہتر

*

تری باریک تکلی اس پہ یہ بل! نہیں اب کاتنے کی کوئی صورت
چلے گا مانگ کر کب تک ترا کام تجھے محتاج کردے گی یہ عادت
تو سکھیوں کی طرح خوشیاں منائے میسر ہو خلوص. دل کی نعمت

*

تجھے ہے ناز اپنے کاتنے پر اکارت جا رہی ہے تیری محنت

غرور اتنا نہ کر چرخے پہ ناداں	ذرا پہچان اپنی قدر و قیمت
بہت سی ہیں یہاں تجھ سے بھی اچھی	جنہیں رہتا ہے احساس ندامت

*

کہاں وہ آج چرخے والیاں ہیں	جنہیں کل تک یہاں مصروف پایا
یہ چرخے ہے سر و سامان شکستہ	خمیدہ تکلا، گرد آلودہ پایا
یہ ویران جھونپڑوں میں ہو کا عالم	کسی کو بھی نہ ان کا دھیان آیا
وہاں اب زخم ہی ملتے ہیں دل کو	جہاں ملتا تھا زخم دل کا پھایا
یہ بازاروں کی حالت کہہ رہی ہے	ہوئی مدت، نہ کوئی سوت لایا

*

جنہیں فصل ربیعی سے ہے امید	انہیں ناداریوں کا غم ہی کیا ہے
جلاہوں کی نہیں ان کو ضرورت	وہ سکھیاں منع جن کو کاتنا ہے

*

سکوں ملتا ہے اس کو کاتنے میں	ہمیشہ کاتنے کا شغل جاری
جہاں بھی اس کو مل جائے وہ پیارا	وہی ہے راہ سب راہوں سے پیاری

*

نہ آیا کاتنا باریک جس کو	اسے کیوں کاتنے سے ہو شکایت
وہ ہے خوش بخت سمجھا جس نے یہ راز	کہ موٹا کاتنا بھی ہے غنیمت

*

میسر مال ہے جن کو نہ تکلی	وہی بازار میں اب سرخرو ہیں
مسلسل جس نے کاتا ہے اسی پر	مصائب ہی مصائب چار سو ہیں

*

نہ جانے میری سکھیوں کو ہوا کیا	کہ ہر اک بیٹھک اب خاموش سی ہے
کپاس آنچل میں لے کر جب میں آئی	تو دیکھا ہر سہیلی سو چکی ہے

*

چلایا جس نے چرخا ڈر کے مارے	ہمیشہ خوش رہے ہیں اس سے پیارے
نہ کاتا بھی اگر اس نیک دل نے	چھپالے آپ اس کے عیب سارے

*

نہ جانے اس میں کتنے عیب نکلے خریداروں نے جب تانے کو تولا
سر بازار سکھیوں کو بلایا اور ان کا دل محبت سے ٹٹولا
کہا ہر ایک نے انجان بن کر نہ مجھ سے بن سکا ہموار گولا

*

وہ کیا پوچھے کٹے گی رات کیوں کر جسے پہلوے جاناں ہو میسر

*

بڑی پیاری ہیں اس پیارے کی باتیں غلط نکلا جو اندازہ لگایا
اسے ہو کاتنے سے فائدہ خاک سمجھ میں سوت ہی جس کی نہ آیا
کوئی آسان نہیں چرخہ چلانا بجز بے تابیٔ دل کچھ نہ پایا

وائی

کچھ تو دل میں سوچ سکھی ری
کچھ تو دل میں سوچ

دھنوا کر پہلے رکھنا ہر پونی تیار
نکلیں گے پھر ہاتھ سے تیرے سیدھے سیدھے تار

چڑیاں کردیتی ہیں تیرے پھنیوں کو بیکار
کچھ یہ ہوا بھی لے اڑتی ہے جیسے گرد و غبار

جیون کے ہر داؤں پہ گوری ہو گئی تجھ کو عار
پھر بھی نیند میں کھوتی ہے تو، ہوجا اب بیدار

دل سے مان "لطیف" کا کہنا اے من مورکھ نار
وہ ہے تیرے من کا راجہ کرلے اس کو پیار

کچھ تو دل میں سوچ سکھی ری
کچھ تو دل میں سوچ

وائی

وہ من میت بلوچ کہاں ہے؟ کیسے چین میں پاؤں گی!
روک نہ اے ماں جیسے بھی ہو اس کی اور ہی جاؤں گی

مجھ کو جس کی آس ہے وہ ہے دونوں جگ کا رکھوالا
مجھ برہن کو چھوڑ گیا جو اس کی کھوج لگاؤں گی

کام نہ آئیں گے یہ دھوکے، جیون ساتھی کون یہاں
کب تک اس سنسان نگر میں یہ دکھ درد اٹھاؤں گی

سونی سونی ہے ہر بیٹھک وہ سکھیاں کس گھاٹ گئیں
اس اندھیارے جگ میں کیسے جیون جوت جگاؤں گی!

—⁂—

سرپ

سر رپ

پہلی داستان

ارے ماں! میں کدھر جاؤں اکیلی
بھی ہے شان آن دکنہاریوں کی
مرے تن من میں ہیں دکھ درد کیا کیا

بِنا ساجن مرے جی پر بنی ہے
کہ جن کی آنکھ ساجن سے لگی ہے
جدائی کتنے غم لے کر چلی ہے

*

دلِ بیتاب پر اے جانِ ارمان
کہ جیسے موسمِ باراں میں سبزہ

تری فرقت میں یوں دکھ درد چھائے
کسی میدان میں پیچ و تاب کھائے

*

لگا کر آگ رخصت ہو گئے وہ
بجھانے آئے گا اب کون اس کو

اشاروں پر ابان کے جل رہی ہے
جو دل ہی دل میں کب سے جل رہی ہے

*

سراسر خامکاری ہے بتانا
پڑا ہے ایسے بیدردوں سے پالا

نہیں آسان بھی اُس کا چھپانا
کہ مشکل ہو گیا پیچھا چھڑانا

*

محبت نے جلایا ہے مجھے یوں
مبارک ہے وہ دل جو رفتہ رفتہ

تلا ہانڈی کا جیسے آگ پر ہو
بقدرِ ظرف سرشارِ نظر ہو

*

محبت دل کو تڑپاتی ہے اکثر
خیالِ یار میں بیٹھے بٹھائے

پرانی چوٹ ابھر آتی ہے اکثر
سہانی رات کٹ جاتی ہے اکثر

*

دلِ بیتاب چھپ کر خوب رو لے

نہ ہو ظاہر غمِ الفت کسی پر

کبھی آجائے گا غمخوار تیرا
یہ آنسوں اسطرح آنکھوں میں گم ہوں

بھروسہ کر ابھی دکھ درد ھی پر
کہ جیسے جھیل کے پانی میں گم ہوں

*

سکون خواب راحت کی طلب کیا
بس اُن کی یاد میں وارفتہ رہنا

مقدر میں نہیں جب خواب راحت
سوا ہے دمبدم جن کی محبت

*

ترے لطف و کرم یاد آرہے ہیں
تری ہر بات فرقت کا سہارا

کہ دل ہے اور گداز محرمانہ
تری ہر یاد جینے کا بہانہ

*

نظر سے دور جب سے وہ سجن ہے
کہ جیسے سارا دن اونٹوں کا گلہ

مری رگ رگ میں کچھ ایسی چبھن ہے
کہیں صحرا بصحرا گامزن ہے

*

ھمیشہ دل کو تڑپاتے رہے ہیں
کہیں ایسا نہ ہو وہ بھول جائیں

مجھے رہ رہ کے یاد آتے رہے ہیں
جو مجھ کو یاد فرماتے رہے ہیں

*

یہ مانا بدگماں ھے مجھ سے ساجن
مجھے دکھ درد جو اُس نے دیے ہیں

مگر کیسے میں اس کو بھول جاؤں
انھی کو اپنے سینے سے لگاؤں

*

گل بے خار جیسے خشک ہو کر
یونہی ہیں اُس سجن کی چند باتیں

خلش انگیز ہو جاتے ہیں اکثر
جو دل میں چبھ رہی ہیں مثل نشتر

*

یہ تیرے غم گھٹاؤں سے گھنیرے
مری آنکھیں مثال ابر گریاں
یہاں یہ وقت برسات آگئی ہے

مرے چاروں طرف یادوں کے گھیرے
برستی ہیں سویرے ھی سویرے
کہاں ہو آج اے محبوب میرے

*

وھی میں ہوں وھی آزردگی ہے

وھی دل اور دل کی بے کلی ہے

بلا سے بادل آئیں یا نہ آئیں
وہی آنکھیں وہی ان کی جھڑی ہے

*

مجھے سوتے میں تیری یاد آئی
جھڑی سی آنسوؤں نے پھر لگائی
مری آنکھیں ترے عارض مرے لب
سبھی نے مل کے برکھا رت منائی
کٹھن ہے زندگی تجھ سے بچھڑ کر
دھائی ہے مرے ساجن دھائی

*

یکایک میری رگ رگ میں سمائی
رباب درد کی نغمہ سرائی
خدا جانے مجھے یوں مطربانہ
یہ کس شیریں ادا کی یاد آئی

*

تمھاری یاد میں بے تاب ہے دل
کسی طعنے کا اس پر کیا اثر ہو
مسلط ہو گئے دکھ درد جس پر
اسے ہوش و خرد کی کیا خبر ہو
ہوا ہے اس طرح غم سے مکدّر
کہ جیسے گرد آلودہ شجر ہو

*

دلاسے دے کے جب میں دل کو اکثر
نکل آتی ہوں شب کو گھر سے باہر
بلاتا ہے غم محبوب مجھ کو
خدا جانے کدھر آواز دے کر

*

اسی کے غم سے میری روح رخشاں
اسی کے غم سے چہرے پر تمازت
نہیں وہ دور چشم منتظر سے
مگر ہے یاد کرنے کی ضرورت

*

خلش افزا مرے قلب و نظر میں
ترے رخ کی جھلک ہونے لگی ہے
کہ جیسے کوئی ہڈی ٹوٹنے سے
رگ و پے میں کسک ہونے لگی ہے

*

انھیں محفوظ کر لیتی ہوں اکثر
جدائی میں جو یاد آتی ہیں باتیں
مگر جب روبرو ہوتے ہیں پیارے
تو دل کی دل میں رہ جاتی ہیں باتیں

وائی

داتا کی دین ہے نیاری

مت توڑ یہ آس بھکاری

جو سب کے عیب چھپائے جو سب کی دھیر بندھائے

ہر بپتا میں کام آئے جو دیا روپ کہلائے

سب اس کے پریم پجاری

مت توڑ یہ آس بھکاری

جا بیٹھ اسی کے دوارے اے جگ جیون کے مارے

آدم سے تجھ تک پیارے مٹی سے بنے ہیں سارے

ہے بات "لطیف" کی بھاری

مت توڑ یہ آس بھکاری

دوسری داستان

مرے دل میں تری باتیں ہیں اتنی شجر جیسے کوئی پھولا پھلا ہو

بتاؤں گی تجھے ہر راز اپنا اگر خلوت میں تیرا سامنا ہو

*

شب سرد و سیہ کیسے کٹے گی کہاں ہے وہ مرا پیارا کہاں ہے

نہ چھیڑ اے ماں کہیں کھل ہی نہ جائے وہ رازِ دل جو تجھ سے بھی نہاں ہے

*

تمنا کی خلش بڑھنے لگی ہے رگ و پے میں نئی بے چینیاں ہیں

کرشمہ دیدۂ خونبار کا ہے درختوں پر جو یہ رنگینیاں ہیں

*

کبھی مجھ کو سرابوں سے گذرنا کبھی اونچے پہاڑوں کی چڑھائی

ہوئے ہیں چلتے چلتے پاؤں چھلنی کوئی امید لیکن بر نہ آئی

نہیں تیرے سوا کوئی سہارا		دھائی ہے مرے پیارے دھائی

*

نہیں اک ابر پارہ بھی فضا میں		مگر دل میں گھٹا سی چھا رہی ہے
مجھے یاد آگیا ہمسایہ میرا		جدائی دمبدم تڑپا رہی ہے
نہیں رکتے مرے آنسو کہ دل میں		محبت حسرتیں برسا رہی ہے

*

برستے ہی رہیں آنکھوں سے آنسو		یہ بادل اے خدا تھمنے نہ پائیں
یہ تیری دید بھی کیا دید ہے دوست		کہ تیرے درد کو ہم بھول جائیں

*

نہیں مجھ کو کسی سے کوئی شکوہ		کسی نے کب مرے دل کو دکھایا
محبت میں تن آساں بن گئی میں		تو یہ صدمہ جدائی کا اٹھایا

*

کبھی یہ نیند سے بوجھل ہوئی تھیں		اسی کی اب سزا پاتی ہیں آنکھیں
کبھی بجھ بجھ کے جل اٹھتی ہیں تنہا		کبھی جل جل کے بجھ جاتی ہیں آنکھیں

*

کسی کی اس کے آگے کیا چلے گی		وہ پیارا جو ترے دل میں مکیں ہے
اسی کی تلخ باتیں کر گوارا		کوئی اس کے سوا تیرا نہیں ہے

*

وہ پیارا ریشمی 'گج' کی طرح ہے		جلو میں نت نئی رنگینیاں ہیں
دل بیتاب اسے کیونکر بھلائے		بڑی پر کیف جس کی شوخیاں ہیں

*

خیال دوست یوں دل میں ہے جیسے		تہ پتوار کا گودے سے ہو پُر
کوئی ہمراز مل جائے جو مجھ کو		بتادے وصل جاناں کا کوئی گر

*

کنوؤں میں جس طرح پانی کے سوتے		ملے رہتے ہیں ریگ تہ نشیں سے
یونہی وابستہ ہے گویا مرا دل		کسی نادیدہ دلدار حسیں سے

*

وهی بادِ شمالی آ رهی هے | بدن پر کپکپی سی چھا رهی هے
هوائے سرد ٹوٹی جھونپڑی میں | مسلسل تیر سے برسا رهی هے
کہاں هے وه مرا عہدِ جوانی | کہ جس کی یاد اب تڑپا رهی هے
پھٹا سا اک دوپٹہ میرے سر پر | هوا یخ بستہ هوتی جا رهی هے
کہاں هے تو کہ مجھ پر بیکسی میں | شبِ فرقت قیامت ڈھا رهی هے

*

جو کم هوجائے آوے کی حرارت | کہاں برتن کمہار اپنے پکائے
یہی عالم هے کچھ سوزِ دروں کا | یہ لازم هے کہ تو اس کو چھپائے
کہیں ایسا نہ هو یہ آتش دل | جو ظاهر هو تو پھر واپس نہ آئے

*

چھپی سی آگ آوے میں جلے گی | مرا دل تجھ سے هم آغوش هوگا
مری آنکھیں سلگتی هی رهیں گی | جہاں جب نیند میں مدهوش هوگا

*

نہ جانے کیا ملا کر کوزہ گر نے | یہ دلکش پیکرِ خاکی بنائے
خود اپنی جان سے هوجائے گا بیزار | یہ بات اس کی سمجھ میں آ نہ جائے

وائی

جذبۂ دلفگار کیا کہیے
خلشِ نوکِ خار کیا کہیے
اپنے پیارے بلوچ کی خاطر
سفر کوهسار کیا کہیے
مدعا اپنا ساربانوں کو
روک کر بار بار کیا کہیے
رنگ آمیزئ حنا کیا خوب
چشمِ خونابہ بار کیا کہیے
عہد و پیمان غمِ محبت کے
کیوں نہ هوں استوار کیا کہیے

'کیچ' کی سمت اٹھ رہے ہیں قدم
وصل کا انتظار' کیا کہیے
جادہ پیما ہے کس بھروسے پر
اک غریب الدیار کیا کہیے

وائی

اے قاصد! پیارے ساجن کو
پیغام مرا پہنچا دینا

میں دکھیاری انجان سہی
پر ان کی اور ہی تکتی ہوں
تن من میں بسائے پیار ان کا
یونہی دن رات بھٹکتی ہوں
کیوں بھول گئے من میت مجھے
تو جا کر یاد دلا دینا
پیغام مرا پہنچا دینا

وائی

پھر جاگ اٹھی ہے دل میں کسی دلربا کی یاد
یادش بخیر پیکر مہر و وفا کی یاد
تائب ہوں آپ نامہ اعمال دیکھکر
اے بیکسی مجھے نہ دلا اب خطا کی یاد
اے چشم شوق پیش نظر حسن دوست ہے
اے دل حرام تجھ پہ ہے اب ماسوا کی یاد
دریا فروش دیدۂ خوں بار ہوگیا
شاید پھر آگئی کسی راز آشنا کی یاد
خلوت میں ہوسکی نہ کبھی گفتگوے شوق
بے فیض وصل یار ہے صبح و مسا کی یاد
بیگانۂ بہار رہا نخل آرزو
اس پر بھی ہے "لطیف" کے دل میں خدا کی یاد

وائی

اونچی نیچی گھاٹیاں کیچی کر گئے پار
میں برھن اب جاسکوں کیسے 'ہوت' کے دوار
مر جاؤں گی کھوج میں پر نہیں مانوں ہار
میری جیون جوت ہے پریتم تیرا پیار

وائی

پیار کا ھاتھ نہ مجھ برھن کے سر سے پیا ھٹاؤ
نینا درشن ابھلاشی ھیں پیارے ساجن آؤ

جن چرنوں کی داسی ھوں میں ان پر سیس جھکاؤں
بھولی بھٹکی دکھیاری ھوں پریتم راہ سجھاؤ
پیارے ساجن آؤ

دیکھ لیا ھے دور سے تم کو اب نہ چھپو پردیسی
سن لو بات "لطیف" کی سن لو دیکھو مان بھی جاؤ
پیارے ساجن آؤ

وائی

چھوڑ کے اپنے دیس کو اپنایا بن باس
اے برھن کیا رہ گئی جگ جیون کی آس

باندھ کے کیچی چل دیے اونٹوں پر پالان
جانے کیوں نہ آسکا تجھ کو آن کا دھیان

سر کارایل

سر کارایل

پہلی داستان

وحدہ کی صدا لگاتا ہے — سوے افلاک اڑتا جاتا ہے
کون جانے کہاں ہے اس کی جھیل — وہ جہاں چین سے نہاتا ہے

*

پھر لب جو کھڑا ہے وہ بیتاب — اور آنکھیں ہیں جانب گرداب
ہنس کو ہیں پسند جو چیزیں — ڈھونڈنے سے ملیں گی وہ تہ آب

*

جاں نثاران عشق کے مانند — موت سے پہلے اپنے دل کو مار
ایسا نغمہ سنا "لطیف" کوئی — جس کی لے ہو نوید جلوۂ یار

*

رزق تیرا وہیں تو ہے اے ہنس — بحر کی تہ میں کیوں نہیں جاتا
زیر گرداب ہے جہاں تیرا — ان کناروں سے تیرا کیا ناتا

*

یہ تو زاغ و زغن کا مسکن ہیں — کیا پسند آئیں ہنس کو تالاب
سطح پر ان کی جستجو کا مدار — اس کی جولانیاں تہ گرداب

*

آج کل ہنس ادھر نہیں آتے — ہائے زاغ و زغن کی نادانی
گرد آلود ہوگیا کتنا — صاف شفاف جھیل کا پانی

*

جانے کس فکر میں ہے تو اے ہنس — اور کس بات پر یہ حیرت ہے
بھول جا اجنبی صدا کو اگر — آرزوے نواے وحدت ہے

خود پرستوں سے دور ھی رھنا
دل اگر مائلِ حقیقت ھے
وسعتِ بحر ھے ترا مقصود
ان کناروں سے کیوں محبت ھے
طالبوں جیسی بات پیدا کر
بس یہی شرطِ محرمیت ھے

*

جھیل میں گھس کے لاکھوں ھی پنچھی
حسبِ توفیق کچھ تو پاتے ھیں
موتیوں ھی پہ کچھ نہیں موقوف
بعض تنکے بھی لے کے آتے ھیں
ھنس کو حوصلے مبارک ھوں
زیرِ گرداب لے کے جاتے ھیں

*

'کنگ' اور بگلے ان کو کیا بھائیں
غور سے ھنس کو جو دیکھ آئیں

*

گندے پانی کو چھوڑ کر اے ھنس
صاف شفاف جھیل پر جانا
پیاس جب بھی تجھے لگے پیارے
جا کے پانی وھیں سے پی آنا
کُنگ اور بگلے کی روش ھے فریب
اس پہ چل کر نہ تو بھی پچھتانا

*

کنگ بیچارہ اس کو کیا سمجھے
پیارے داتا کی نیاری لیلا ھے
جھیل کب سے پڑی ھے خشک مگر
ھنس کا پاؤں اب بھی گیلا ھے

*

اڑ کے آجا تو پھر یہیں اے ھنس
کر رھی ھے یہ جھیل تجھ کو یاد
وھاں رھتا ھے جان کا خطرہ
جہاں رھتے ھوں گھات میں صیاد

*

ھائے اس ایک ھنس کی خاطر
گھات میں بیٹھے ھیں کئی صیاد
اسے اللہ پر بھروسا ھے
جھیل میں اس کا دل ھے کتنا شاد

*

تو ھے اور دور دور تک پرواز
تجھ کو جھیلوں کی کیا کمی اے ھنس
میلے پانی پہ تیرتے رھنا
اک مصیبت کی زندگی ھے ھنس

*

صبحدم تو یہاں سے اڑجانا
کہیں تجھ کو پکڑ نہ لے صیاد
رات ڈھل جائے جب تو لوٹ آنا
نیلوفر کے یہ پھول رکھنا یاد

*

بچ سکے گا نہ ان سے تو اے ھنس
سازشیں آج کل جو ھوتی ھیں
چن لے ان میں سے چار پانچ ابھی
پیارے مہران میں جو موتی ھیں

*

دے گیا جُل انھیں۔پر۔ پرواز
ھنس دریا پہ اڑ کے کیوں آتے
اپنی ننھی سی جان کی خاطر
۔ ایسا مہلک فریب کیوں کھاتے
اعتبارِ نگاہ نے مارا
ورنہ کیوں اڑ کے جھیل سے جاتے

*

پانچ موتی اٹھا کے تو کھالے
پیاری مہران کا ھے یہ انعام
ھوسِ دانہ ھے تجھے اے ھنس
اور نظر سے نہاں ھے ان کا دام
جو تجھے پھانسنے کو پھرتے ھیں
کتنے بیچین ھوکے صبح و شام

*

دو دلوں کو قریب لاتے ھیں
فاصلے اور بڑھتے جاتے ھیں
پانی کی تہ میں ھیں کنول کی جڑیں
اور بھونرے فلک پہ گاتے ھیں
دونوں کی پیاس بجھ نہیں سکتی
پی کے بھی تشنگی سی پاتے ھیں
عشق کے راز ھیں انوکھے راز
کب کسی کی سمجھ میں آتے ھیں

*

جو بھٹکتا رھے کناروں پر
کیوں نہ مخدوش اس کی حالت ھو
خوفِ صیاد اپنے دل سے نکال
طالبِ جادۂ حقیقت ھو
منتخب کرلے سبزہ زار ایسے
جن میں ھر سمت حسن۔وحدت ھو
اب کوئی جھیل ایسی کرلے تلاش
تیرا ایمان جس کی وسعت ھو
تجھ پہ کھل جائیں معرفت کے راز
قلب سرچشمۂ ھدایت ھو

*

آن کا صیاد کیا بگاڑیں گے
ھونے دو سازشیں جو ھوتی ھیں
جب یہ ھوتے ھیں مائلِ پرواز
بستیاں گہری نیند سوتی ھیں
دانہ و دام سے غرض ان کو!
انہیں مرغوب صرف موتی ھیں

*

بگلوں کے ساتھ ھیں وہ دیوانے
پھر بھی ھیں مچھلیوں سے بیگانے

گندے پانی سے دور رہتے ہیں
جن کو مرغوب صرف موتی ہیں
وہ حقیقت شناس فرزانے
کیا ہیں وہ ہنس کوئی کیا جانے

*

جھیل اور نیلوفر کے پھولوں کو
دور جنگل میں جا کے یہ بھنورے
چھوڑ کر کیوں ادھر کو جاتے ہیں
راز اپنا کسے بتاتے ہیں

*

جھیل زاغ و زغن سے ہے ناپاک
ہنس تو سر جھکائے پانی میں
شور یہ بدقماش کرتے ہیں
صرف موتی تلاش کرتے ہیں

*

عصر کے وقت سے نواخواں ہیں
مشل۔ آئینہ جھیل کا پانی
تند موجوں نے لاکھ جنبش دی
مرتعش ہے فضائے قرب و جوار
مدعا عکس جلوۂ رخ یار
لڑکھڑائے نہ طالب دیدار

*

صاف ستھرے ہیں کس قدر یہ ہنس
رات جس جھیل پر وہ آئے تھے
کیوں انہیں دیکھ کر نہ آئے پیار
ہوگئی ہے وہ جھیل خوشبودار

*

شام ہوتے ہی جھیل پر طاؤس
یا پکڑتے ہیں سانپ زہریلے
سیپیوں پر جھپٹتے آتے ہیں
اور کناروں پہ آکے کھاتے ہیں

*

بگلے سن سن کے ہوگئے گونگے
ہوگیا جھیل میں اجالا سا
سارے قرب و جوار سے طائر
جانے اس کی صدا میں تھا کیا راز
رات آئی 'لئلے' کی جب آواز
سوئے کہسار کرگئے پرواز

*

جھیل میں آکے بولیاں اپنی
کر دیا ہنس نے مگر زخمی
بولتا ہی رہا وہ ساری رات
صبح کو آگیا جب اس کے ہات

*

اب ہے آباد ان سے 'کنجھر' جھیل
اب وہ طائر ادھر نہیں آتے

وہی جھیلیں ہیں آج بھی لیکن		وہ پرندے نظر نہیں آتے

*

ھنس اور مور تو کہاں ہیں آج		جھوٹے کووں کا ھے وطن میں راج

*

جھوٹے کووں سے ہو گئی گندی		شاہ وہ جھیل جو تھی خوشبودار
کوھساروں میں چھپ گئے جا کر		ہو گئے ھنس اس قدر بیزار

وائی

میں پنھوں کے پاؤں کی پلکوں جھاڑوں دھول
باندی بنوں بلوچ کی جاؤں سب کچھ بھول

وائی

ان کی باندی کہلاؤں گی
میں ان کے اونٹ چراؤں گی
رکتے ھی نہیں کیچی پیارے
اب کیسے ان کو پاؤں گی
آئیں گے وہ لینے مجھ کو
جاؤں بھی تو کیسے جاؤں گی

دوسری داستان

خود ھی وہ جھیل اور خود ھی ھنس
میرے دل میں چھپا ھے وہ صیاد
خود ھی پنجرہ ھے خود ھی پنچھی ھے
ھر گھڑی جس کی فکر رھتی ھے

*

میں نے طاؤس کی محبت میں
ھنس دیکھے نہ وہ 'للے' دیکھے
پوری کنجھر کو چھان مارا ھے
کون اس دل کا اب سہارا ھے

*

جن سے دنیا میں خیر و برکت ھے
یاد آتا ھے آج تک مجھ کو
تو وھی مور ڈھونڈ کر لانا
مور کا سانپ کو نگل جانا

*

اس کو پورا نگل نہ لیں جب تک
سانپ کو دیکھتے ھیں جب طاؤس
دشمن مار ھیں ازل سے مور
منہ ادھر سے وہ موڑتے کب ھیں
پھر اسے زندہ چھوڑتے کب ھیں
اولیں عہد توڑتے کب ھیں

*

اسقدر خوفناک ھیں یہ سانپ
ان کو سمجھو نہ تم فرومایہ
زھر سے ان کے فیل مرجائے
ھر تنومند جن سے ڈر جائے

*

جن کے جبڑے بھی زھر اگلتے ھیں
دشمن زندگی ھیں کالے ناگ
کون ایسوں کے سامنے جائے
کیا کوئی ان کو مارنے جائے

*

سوسماروں کی بات ھے کچھ اور
گیان والا گورو ھی 'گاروڑی'
ناگ ایسے نہ ھاتھ آئے گا
اس کا منتر تجھے سکھائے گا

*

دیکھتے بھی نہیں سپیروں کو
جب وہ ان کو پکڑنے آتے ہیں
ہاں وہ جن کا یقیں نہیں کامل
ان کو یہ سانپ کاٹ کھاتے ہیں

*

زہر سے جن کا جسم ہے بھرپور
دیکھنے والے خوف کھاتے ہیں
سامنے آئیں جب وہ کالے ناگ
مور میدان چھوڑ جاتے ہیں

*

جو زمیں ہی میں گھر بناتے ہیں
کب وہ بس میں کسی کے آتے ہیں
کون جانے وہ زہر ہے کیا چیز
جو ہم ان اژدھوں میں پاتے ہیں
ان کے چہرے ملائکہ جیسے
دور ہی سے جو تمتماتے ہیں
وار ان کا خطا نہیں ہوتا
دیکھ کر لوگ خوف کھاتے ہیں
بھول کر بھی جو پاؤں پڑجائے
ایک نشتر سا وہ لگاتے ہیں

*

کچھ تو ایسے بھی سانپ ہوتے ہیں
جن سے کرتے ہیں مور بھی پرہیز
ان کو چوپائے سمجھیں اپنا دوست
گر رضامند ہوں وہ کم آمیز
اور جب قہر پر اتر آئیں
بستیوں میں بپا ہو رستاخیز

*

سانپ کے ڈر سے ہی کوئی انساں
انتقاماً قریب آنے کا
اور ڈس لے جسے وہ دشمن جاں
یا تو وہ شخص مر ہی جائے گا
اور جو بچ جائے اپنی قسمت سے
ہاتھ دھوئے گا اپنی صحت سے

*

اس سپیرے سے دشمنی کی ہے
جس کا فرمان ٹل نہیں سکتا
تیرے بل پر ہے اس کا پیرا اے سانپ
اب تو باہر نکل نہیں سکتا
جوناگڑھ کو جلا دیا جس نے
بس ترا اس پہ چل نہیں سکتا

وائی

یہ دنیا ایک تماشا ہے

ہر کھیل یہاں کا جھوٹا ہے
پل بھر کی مہلت ہے تجھ کو
معلوم نہیں اے مور تجھے
خوش ہو ہو کر ان شاخوں پر
دیکھا ہی نہیں شاید تونے

یہ دنیا ایک تماشا ہے
پھر کیوں یہ خوشامد کرتا ہے
کیوں اتنا شور مچاتا ہے
جانے کیوں بیٹھا رہتا ہے
کیسے شہباز جھپٹتا ہے
یہ دنیا ایک تماشا ہے

سر مارئی

سر مارئی

پہلی داستان

خدا شاہد ہے جب روحوں نے باہم   کیے روزِ ازل کچھ عہد و پیماں
نہ جانے کیوں اسی دن سے ہیں مجھ کو   بہت پیارے یہ سب نادار دہقاں

*

کیا ہے قید میرے جسم و جاں کو   عبث اے سومرا سردار تو نے
نہ جانے کیوں ہے یہ ایذا رسانی   دیے کیوں روح کو آزار تو نے
ازل ہی سے مرے دل کو ودیعت   ہوئی ہے پیارے 'مارو' کی محبت

*

میں روز آفرینش ہی سے پیارے   سمجھتی ہوں محبت کے اشارے
بہ لطفِ خاص اس جہدِ بقا میں   مجھے بخشے گئے تیرے سہارے

*

ازل میں جب ہوئی تعظیمِ آدم   ہوا پیدا یہ رنگا رنگ عالم
رضائے خالقِ ارض و سما نے   کیا مارو کو میرے دل کا محرم

*

نہ ہا و ہو نہ یہ بزمِ جہاں تھی   نہ کانوں میں صدائے کن فکاں تھی
نہ جانے جراتِ تخلیقِ آدم   عدم کے بطن میں کب سے نہاں تھی
مگر اس وقت بھی روحِ محبت   کسی حسنِ ازل کی رازداں تھی
کوئی مانوس و معنی خیز صورت   نگاہِ محرمانہ میں عیاں تھی

*

نہ روشن مشعلِ شمس و قمر تھی
نہ تھا کچھ ماسوائے نورِ وحدت
مگر اُس عالمِ لاہوت میں بھی
نہ فکرِ امتیازِ خیر و شر تھی
صدائے کن فکاں جانے کدھر تھی
میں اس روحِ ازل سے بہرہ ور تھی

*

لکھے تھے میری قسمت میں ازل سے
مگر منسوب ہے ان ماروؤں سے
مرے حق میں رگِ جاں سے بھی بڑھکر
رہا کردے مجھے اے 'تھر' کے راجا
کہاں کنجِ قفس میں پھڑپھڑانا
یہ قید و بند یہ کاخِ اسیری
بہر صورت مری روشن ضمیری
'پنوار'، خوبرو کی دل پذیری
عبث ہے یہ عذابِ سخت گیری
کہاں اہلِ چمن کی ہم صفیری

*

جگر جور و جفا سے خوں چکاں ہے
یہ قیدالماء قیدِ ظاہری ہے
مجھے اہلِ وطن سے پھر ملائے
تو جوئے اشک آنکھوں سے رواں ہے
مرا دل تھا جہاں پہلے وہاں ہے
نہ جانے کب خدا وہ دن دکھائے

*

مرے درد آشنا مارو ہیں 'تھر' میں
نہ تھا معلوم اے امرِ مشیت
کسے انکارِ تسلیم و رضا ہے
مگر میں قید ہوں اس بام و در میں
کہ اک ایسی بھی منزل ہے سفر میں
وہی ہوگا جو قسمت میں لکھا ہے

*

رہائی کا نہیں امکان کوئی
مٹا سکتا نہیں کوئی اسے جو
'عمر' سے 'تھر' کے چرواہے ہیں عاری
کسے معلوم کب تک یہ سزا ہے
اسیروں کے مقدر میں لکھا ہے
خدا جانے ملے کب رستگاری

*

مٹادو یہ در و دیوارِ زنداں
وہیں ہے میرے دردِ دل کا درماں
مرے قلب و نظر میں بس گئے ہیں
مجھے اے کاش اس پیارے وطن میں
جلا کر خاک کردو قصر و ایواں
جہاں رہتے ہیں وہ نادار دہقاں
وہ ہنستے کھیلتے اہلِ بیاباں
بہالے جائیں یہ اشکوں کے طوفاں

وائی

یاد آئی ہے پیارو آؤ
او دیس دلارو آؤ

جکڑے ہیں مجھے جو بندھن
توڑیں انھیں آکر ساجن
جیون کے سہارو آؤ
او دیس دلارو آؤ

مرے من کو دھیر کہاں ہے
وہ پیارا 'ملیر' کہاں ہے
آنکھوں کے تارو آؤ
او دیس دلارو آؤ

اس کوٹ میں لاج نہ جائے
موت آئے تو دیس میں آئے
دکھ درد کے مارو آؤ
او دیس دلارو آؤ

دوسری داستان

کوئی قاصد نہ نامہ و پیغام — مجھ کو بھولے ہیں کیوں وہ دل آرام
ہائے افسوس بھائیوں کو بھی — یاد آیا کبھی نہ میرا نام
کون جانے کہ اس طرح کب تک — ہے مقدر میں دانہ زیرِ دام

*

بارِ خاطر یہ قیدِ ایوان ہے — چشمِ پرنم ہے دل پریشاں ہے
جلد اے قاصدِ وطن آ جا — تیری آمد بہار ساماں ہے

*

روشنائی مجھے میسر ہے — کون کاغذ مرے لیے لائے
حرف اشکوں سے مٹتے جاتے ہیں — ہائے ایسے میں کیا لکھا جائے
ایسے قاصد کو بھیج دے یارب — بن کے جو میرا رازداں آئے
میں آسی کی ہوں میں آسی کی ہوں — چاہے اپنائے یا نہ اپنائے

*

ورقِ دل دریدۂ تقدیر — خامۂ شوق مانعِ تحریر
چشم پرنم زبان پر مہریں — ہر ادا جرم ہے ہر نفس تعزیر
کیا خبر تھی کہ اس شبستاں میں — موت ہے خوابِ زیست کی تعبیر

*

جا کے بیٹھے ہیں چین سے 'تھر' میں — مجھ کو سولی پہ چھوڑ کر پیارے
کیوں نہ آنسو بہاؤں میں دن رات — جب نہ آئیں کہیں نظر پیارے

*

اے 'عمر' اب مجھے اجازت دے — اپنے پیاروں کے پاس جاؤں میں
پھر نظر آئیں اُن کے پشمینے — 'لاکھ' کا رنگ پھر چڑھاؤں میں
ساتھ ساتھ اُن کے 'تھر' کی وادی میں — بھیڑ اور بکریاں چراؤں میں

*

اوڑھ کر سر پہ پھر حیا کی شال — 'ماروؤں' کو گلے لگاؤں میں
چھوڑ دے مجھ کو سومرا سردار — پھر انہیں جھونپڑوں میں جاؤں میں

*

تھر سے جو پیرہن ملا مجھ کو　　میں اسی پیرہن میں گھر جاؤں
لاکھ پیوند اس میں لگ جائیں　　دیکھ کر میں اسے نہ شرماؤں
یوں ھی اچھے مرے پریشاں بال　　تیل ڈالوں نہ بال سلجھاؤں
پیارے مارو سے دور ھوں جب تک　　اس روش سے کبھی نہ باز آؤں
چھوٹ کر ان محلسراؤں سے　　اپنے پیارے وطن کو اپناؤں
حرف آئے نہ میری عصمت پر　　میں یہاں چاھے جتنے دکھ پاؤں

*

حرف آئے نہ میری عصمت پر　　اپنا ھر چاکِ پیرھن سی لوں
دکھ تو ھوتے ھی ھیں محبت میں　　اور کچھ دن امید پر جی لوں

تیسری داستان

اپنے گھر کی رنگی ھوئی 'لوئی'　　کیوں نہ ھو رشکِ اطلس و کمخواب
اے عمر اس کے سامنے کیا ھے　　مخملی بافتے کی آب و تاب

*

میں نہ پہنوں گی ریشمی ملبوس　　چاھے جس رنگ کا بھی ھو کوئی
میرے پیارے وطن کا تحفہ ھے　　صاف و شفاف اون کی لوئی
جان سے بھی عزیز ھے مجھ کو　　اپنے پھنوار کی رضاجوئی

*

اے عمر تیرا خلعتِ زرتار　　میری لوئی کے سامنے بیکار
ریشمی لمس سے نہ کم ھوگا　　دل سے اُن پیارے ماروؤں کا پیار

*

اور بیتاب کر نہ اے سفاک　　تجھ سے بیزار ھے دلِ غمناک
اے عمر لاکھ درجہ بہتر ھے　　سیم و زر سے مجھے وطن کی خاک
رنگ و روغن تجھے مبارک ھوں　　مجھ کو پیارے وھی خس و خاشاک

*

دست و بازو پہ اون کے دھاگے
اے سمن پوش کچھ نہیں میرے
سوگ اپنی خزاں نصیبی کا
بے نیازانہ دردِ مہجوری

خلعتِ زر نگار سے بہتر
جامۂ تار تار سے بہتر
اس فریبِ بہار سے بہتر
وصلِ بے اعتبار سے بہتر

*

نرم و نازک کلائیاں یاد آئیں
میرے تن من میں ماروؤں کا پیار
تا بحدِ نگاہ سبزہ زار
اے عمر چھوڑدے، میں جاؤں گی

اور شیشے کی چوڑیاں یاد آئیں
اور پیاری سہیلیاں یاد آئیں
اور تھر کی وہ جگیاں یاد آئیں
اسی دنیا کو پھر بساؤں گی

*

وہ سیہ چوڑیاں کلائی پر
سیم و زر کا مجھے نہ دے لالچ
بھول جاؤں وہ جھونپڑے کیسے
اس عمرکوٹ کے حصاروں سے
اے عمر، اپنے ماروؤں کے ساتھ

ان کا ہر نقش کتنا پیارا ھے
یہ سہارا کوئی سہارا ھے؟
میں نے بچپن جہاں گذارا ھے
لاکھ بہتر وطن ھمارا ھے
مجھ کو فاقہ کشی گوارا ھے

*

...ن رھے ھوں گے کتنے طعنے آج
سوسرا تیری بدنگاھی سے
اے عمر اِن سفید کپڑوں سے

تھر میں رھتے ھوئے مرے سرتاج
ھوگئی میری زندگی تاراج
مجھ کو پیاری ھے اپنے گھر کی لاج

*

وہ بیاباں کی سرد راتوں میں
میں ملوث حریر و دیبا میں
کھائے جاتے ھیں مجھ کو اے سردار
تیری ھر انگبیں صفت عشرت

زیرِ افلاک لرزہ بر اندام
رات بھر چین سے کروں آرام؟
یہ محل یہ فصیل یہ در و بام
میری تشنہ لبی پہ اک الزام

*

زیب دیتے ھیں تھر کی سکھیوں کو
اپنی شرم و حیا پہ نازاں ھیں

'گگریاں' اور ان کے 'گولاڑے'
سبز بیلوں کو جسم پر ڈالے

اک بیاباں ملا جہیز میں اور میرے ماں باپ مجھ کو کیا دیتے

*

سدا برسات کا پیتے ہیں پانی یہ میرے ہم وطن جو پاک ہیں سب
بدن پر کھردری سی اون پہنے وفادار خس و خاشاک ہیں سب
گھنیرے جھنڈ ہیں چوپال ان کے نڈر ہیں نیک ہیں بیباک ہیں سب
مگر ظالم ہو اتنے اے عمر تم کہ یہ مظلوم سینہ چاک ہیں سب

*

تھر کے کھارے ببول کے نیچے وہ بناتے ہیں ریت پر چوپال
اور پلاتے ہیں راہگیروں کو چھاچھ سے بھر کے اپنا جام سفال
اے عمر میں جہاں امانت ہوں سانس لینا وہاں ہے مجھکو وبال

*

عمر تیرے یہاں جو عید سی ہے مجھے وہ ماتم بیچارگی ہے
خبر بھی ہے تجھے آن ماروؤں کی ترے قبضے میں جن کی ہر خوشی ہے
وہ میرے سوگ میں کھوئے ہوئے ہیں وبال جان اب ان کی زندگی ہے

*

حال اہل وطن کا کیا ہوگا میں اِدھر قید وہ اُدھر ناشاد
میری آنکھوں میں ہیں وہ سبزہ زار کتنے گنجان کس قدر آباد
آہ وہ 'پھرہ' 'لانی' اور ساڈوھی چٹکیاں لے رہی ہے جن کی یاد
اف یہ زنداں یہ آہنی زنجیر ہائے یہ ظلم اور یہ بیداد
آرزوئیں ہیں سہمی سہمی سی اور تمنا ہے مائل فریاد
پاس ہے اپنے عہد و پیماں کا چھوڑ دے مجھ کو اے ستم ایجاد

وائی

مارو کو میت بنایا
مارو سے بیاہ رچایا
ہاتھوں میں اون کے بندھن
جیسے سونے کے کنگھن

بن باسی چرواھوں نے
کملی میں موھے چھپایا
مارو سے بیاہ رچایا

بیری ھے عمر تو میرا
پہنوں گی نہ ریشم تیرا
پیارے کملی والوں سے
مری پریت نے سب کچھ پایا
مارو سے بیاہ رچایا

چھوٹی جب دیس کی 'سائوں'
کیوں تیری کھجوریں کھاؤں
'سنگر' 'ماندھانو' والا
بن میرے دان میں آیا
مارو سے بیاہ رچایا

—✻—

چوتھی داستان

جب بھی آتی ھے یاد پیاروں کی
ماروی بے قرار ھوتی ھے
زلف ژولیدہ، مضمحل چہرہ
آھیں بھرتی ھے اور روتی ھے
فکر کھانے کی ھے نہ پینے کی
ایک پل کو بھی کب وہ سوتی ھے
رات دن جیسے قصر و ایواں میں
اپنے ھوش و حواس کھوتی ھے
غم یہی ھے کہ پھر وھاں جاؤں
جس جگہ میرے من کا موتی ھے
اے عمر تابکے یہ ظلم یہ جور
چھوڑدے اس غریب کو فی‌الفور

*

میلے میلے سے الجھے الجھے بال
یہ نہ دھوئے انھیں نہ سلجھائے
ماروی پیارے ماروؤں سے دور
کوٹ میں کیا سکون دل پائے

سوچتی ہے کہ آج تک آخر		کیوں نہ وہ آشنا ادھر آئے
مجھ سی بیکس پہ کاش پھر خدا		خود عمر ھی کو رحم آجائے

*

زلف ژولیدہ، مضمحل چہرہ		اب نہ شوخی نہ وہ شرارت ہے
جب سے آئی عمر کی محلوں میں		ماروی کی عجیب حالت ہے
نہ تصنع نہ ذوقِ آرائش		وہ سراپا غمِ محبت ہے

*

مجھ کو پیارے ملیر کی سوگند		جال میں تیرے میں نہ آؤں گی
اے عمر سوگوار آنکھوں سے		یونہی آنسو سدا بہاؤں گی
ڈال رکھی ہے سر پہ جو کملی		لاج اس کی نہ میں گنواؤں گی
چھوڑ کر ماروؤں کی بستی کو		چین ھرگز یہاں نہ پاؤں گی
لاکھ بھولے ہوں وہ مجھے لیکن		آس آن سے ھی میں لگاؤں گی
مجھ کو سولی ہے تیری سیج نہیں		جان پر اپنی کھیل جاؤں گی

*

یوں مسلط ہے اب خیال ترا		سر پہ لٹکی ہو جس طرح تلوار
میرے دل کو قرار بخشے گا		کیسے زندان کا سایۂ دیوار
یاد رکھتے اگر مجھے مارو		یوں نہ ھوتی میں نیند سے بیزار

*

جس کی خاطر یہ گت بنائی ہے		کب انھیں میری یاد آئی ہے
مجھ کو رکھنی ہے جھونپڑوں کی لاج		ورنہ محلوں میں کیا برائی ہے
ماروؤں کی ھوں منتظر لیکن		نارسائی ھی نارسائی ہے
ایسی امید تو نہ تھی آن سے		معتبر جن کی باوفائی ہے
کون جانے کہ میری رگ رگ میں		آرزوئے وطن سمائی ہے

*

اپنے پیارے ملیر میں جاؤں		گن اسی سبزہ‌زار کے گاؤں
پاس ھوں پھر اگر مرے سرتاج		کس قدر خوش نصیب کہلاؤں
اس صبیح و ملیح چہرے کو		جب بھی دیکھوں نئی کشش پاؤں

*

اے عمر ذکر اپنے پیاروں کا
اک مداوا ہے غم کے ماروں کا
ایک مدت ہوئی انہیں دیکھے
جانے کیا حال ہے بچاروں کا
ان کا کاشانہ' خس و خاشاک
حسن ہے تھر کے سبزہ زاروں کا
کھب گئی کوئی کیل سی دل میں
نہ چلا بس یہاں لوھاروں کا

وائی

پرجا ہوں عمر میں تیری — مت چھین کملیا میری
جیون ساتھی ہے مارو
مری پیتا تو کیا جانے
میں 'ڈنؤر' پہ پلنے والی
کیوں کھاؤں محل کے کھانے
بس چھوڑ یہ ھیرا پھیری — مت چھین کملیا میری
کہتے ھیں جسے بن باسی
مرے من کا میت وھی ہے
دکھ درد بھری سانسوں کا
البیلا گیت وھی ہے
مانوں گی بات نہ تیری — مت چھین کملیا میری

پانچویں داستان

دیکھ کر میری خستہ حالی کو
میرے گھر والے سن رہے ہوں گے
اے عمر کھول دے مری زنجیر

پیارے مارو بھی ہوں نہ بیگانے
کتنے طعنے وہاں خدا جانے
جاؤں اس کوٹ سے میں بے تاخیر

*

ہائے اس قید و بند کی میعاد
کر رہا ہے دھنواں دھنواں مجھ کو
کیسے اب اُن کو منہ دکھاؤں گی
دیکھ کر میری زشت روئی کو

سارا حسن و جمال ہے برباد
یہ سلگتا ہوا دلِ ناشاد
جن کی بستی ہے حسن سے آباد
سن سکیں گے وہ کیا میری فریاد

*

سومرا تیری قید میں آکر
کیسے جاؤں وطن کو اب واپس
مجھ میں باقی کہاں ہے وہ پندار

مجھ میں کوئی کمال ہی نہ رہا
جب وہ حسن و جمال ہی نہ رہا
جس سے ملتی ہے دولتِ دیدار

*

اے عمر اس غمِ اسیری میں
تھے وہ مارو فریفتہ جس پر
اب وہ حسن و جمال ہی نہ رہا
اپنے پیارے ملیر والوں کو
کتنی برباد اور بے رونق

کیسی حالت یہ ہوگئی میری
اب کہاں ہے وہ دلکشی میری
جس پہ نازاں تھی زندگی میری
منہ دکھائے گی کیا خوشی میری
کر گئی مجھ کو بے کسی میری

*

میرے سر پر جو یہ مصیبت ہے
ورنہ پیارے ملیر میں اب بھی
اُن حسیں ماروؤں کا کیا کہنا

اے عمر اپنی اپنی قسمت ہے
سایہ افگن خدا کی رحمت ہے
ہر ادا جن کی خوبصورت ہے

*

جانتا ہے وہ قادرِ مطلق
کوئی اس کو بدل سکے گا کیا

کیا ہے تعزیر اور کیا تقصیر
جو بھی ہوگا نوشتۂ تقدیر

وائی

تری رحمتوں سے چھپا نہیں جو برا کیا کہ بھلا کیا
مرے رازداں میں بتاؤں کیا کہ شکست خوردہ نے کیا کیا

تری ذات تیری صفات کا مرے سر پہ دستِ کرم رہے
مری آرزو کی لگن رہے مرے حوصلوں کا بھرم رہے
یہ بجا کہ عرصۂ زندگی نے ذلیل لغزشِ پا کیا
مرے رازداں میں بتاؤں کیا کہ شکست خوردہ نے کیا کیا

ترا آسرا ہے وہ آسرا جو ہے زندگی سے عزیز تر
تری آرزو ہے وہ آرزو جسے چاہتے ہیں دل و جگر
ترے التفاتِ نگاہ نے مجھے آشنائے وفا کیا
مرے رازداں میں بتاؤں کیا کہ شکست خوردہ نے کیا کیا

چھٹی داستان

پیارے مارو کے دیس میں جاکر — کاش پھر خود کو سرخرو پاؤں
حرف آئے نہ میری عصمت پر — جیسی آئی تھی ویسی ھی جاؤں
آسماں پر جو ابر چھائے ھیں — یاد پھر سبزہ زار آئے ھیں

*

ھائے اب اُن کے سامنے جاکر — کس طرح اپنا سر اٹھاؤں گی
نہ وہ تمکیں نہ وہ تسلی ھے — ان کو کیسے یقیں دلاؤں گی
نہ وہ رونق نہ رنگ چھرے کا — جیسے برسات میں گلِ لالہ

*

یا تو پیدا کبھی نہ ھوتی میں — اور جو پیدا ھوئی تھی مرجاتی
میں نہ جیتی اگر تو مارو پر — کیوں پھر ایسی بری گھڑی آتی

*

ایسے جینے سے زہر ہی کھالے
کوئی عورت ملیر میں تجھ کو
ماروی تیرا اُن سے کیا رشتہ
کیا یہ صورت انہیں دکھائے گی
اب نہ بھولے سے منہ لگائے گی
تو انہیں اجنبی سا پائے گی

*

ہائے کس منہ سے دیس میں جاؤں
اے عمر خاک ایسے جینے پر
کتنی رسوائی ہوگئی میری
بھاڑ میں جائے زندگی میری

*

پیدا ہوتے ہی مرگئی ہوتی
'سانگیوں' کے بغیر کیا جینا
اس عمر کوٹ میں پھنسی آ کر
یا نہ پیدا ہی میں کبھی ہوتی
مجھ کو محلوں میں کیا خوشی ہوتی
ورنہ مارو کے ساتھ ہی ہوتی

*

اپنی کملی کو دھو رہی ہوں میں
خوف سے میں عمر کے ہوں خاموش
بڑھ کے دنیا کے ہر سہارے سے
آسرا اس کا مجھ کو پیارا ہے
ورنہ یہ قید کب گوارا ہے
پیارے مارو ترا سہارا ہے

*

زندگی اپنے دیس میں گذرے
ہائے یہ قید اُف یہ زنجیریں
موت بھی اپنے دیس میں پاؤں
روتے روتے یہیں نہ مرجاؤں

*

ہائے یہ قید و بند یہ زنجیر
میرے مرنے کی تم خبر سن کر
کوئی طعنہ نہ مجھ کو دے جانا
میری میت ملیر لے جانا

*

میری آنکھیں وطن کی جانب ہیں
آخری ہچکیوں سے پہلے ہی
اے عمر تھر میں ماروؤں کے ساتھ
دیس کی کچھ مہکتی بیلوں کو
کیا عجب عشق یہ بھی دکھلائے
میرے پیاروں کو لاش دے آنا
میری میت ملیر لے جانا
ٹھنڈی مٹی میں مجھ کو دفنانا
قبر کے آس پاس سلگانا
تن مردہ میں روح لوٹ آئے

*

یہ سلاسل یہ طوق یہ زنجیر
یہ سلاخیں، یہ قفل یہ زنداں

تاک میں ہر طرف کئی جاسوس
اور مخبر قدم قدم نگراں
کیا بتاؤں میں پیارے مارو جام
زندگی ہے کہ دردِ بے درماں

*

وہ 'سسوں' اور رچھیوں کا اون
وہ ملیر اور اس کے سبزہ زار
کملیاں اوڑھے من چلی سکھیاں
وہ حسین بیلیں اور برگ و بار
اونچے محلوں میں ہوسکے کیسے
اپنے پیاروں کا اب مجھے دیدار
آ بھی جا غم وطن خدا کے لیے
میں عمرکوٹ سے ہوئی بیزار

*

ہاتھ پاؤں مرے جکڑنے کو
ہتھکڑی آئی بیڑیاں آئیں
اے عمر اس محل میں آتے ہی
مجھ پہ کیا کیا نہ سختیاں آئیں

*

میرے ہاتھوں میں ہتھکڑی تیری
دل میں مارو کے پیار کی زنجیر
اے عمر مجھ کو یاد آتا ہے
سانگیوں کا خلوص دامنگیر
عہد و پیمان کچھ اور تھے ان سے
آ کے پھوٹی کہاں مری تقدیر

*

کیا کروں طوق اور سلاسل نے
ہر طرف سے جکڑ لیا مجھ کو
اے عمر تیری چیرہ دستی نے
غم کا ڈھانچا بنادیا مجھ کو

*

صاف و شفاف اون کی کملی
دیکھ اس پر نہ کوئی میل آئے
بیٹھی سیتی رہوں اسے چپ چاپ
دھجی دھجی ہی کیوں نہ ہوجائے
اے عمر میری خستہ حالی کا
کاش تجھ کو کبھی خیال آئے
اپنی سکھیوں سے پھر ملوں جاکر
رت ہو برسات کی گھٹا چھائے
آرزوے تلافیٔ مافات
کوئی پیغامِ جانفزا لائے

وائی

میں تڑپ تڑپ مرجاؤں
مارو سے پریت نبھاؤں
اے برکھا رت جب آنا
پریتم کا سندیسا لانا

وہ لاکھ کرے گا ھتیا
چھوڑے گی نہ مجھ سے ستیا
تھر والے کوٹ میں آئیں
مرتی ہوں مجھے لے جائیں
چھٹکارا عمر سے پاؤں　　　ماروں سے پریت نبھاؤں

—❊—

ساتویں داستان

ہو رہی ہے خوشی پنواروں کو　　تھر میں پھر موسم بہار آیا
والہانہ مری زباں پر نام　　اُن گھروندوں کا بار بار آیا
جھونپڑی ہے چٹان پر جس کی　　یاد مجھ کو وہ رازدار آیا

*

کتنے خوش ہوں گے اے عمر وہ لوگ　　رت ہے برکھا کی آج کل تھر میں
کوئی کاتے گا کوئی کاتے گی　　اون ہی اون ہوگا ہر گھر میں
کتنے خوش ہو کے بن رہے ہوں گے　　نت نئی کملیاں وہ 'کھاٹر' میں
گوسفندوں کی وہ توانائی　　وہ طرارے نشیب 'پاٹر' میں
وہ حسیں بیلیں اور برگ و بار　　اب کہاں ہیں مزے مقدر میں
کہتی ہوں گی ملیر کی سکھیاں　　کاش آجائے ماروی تھر میں
اے عمر جھونپڑوں کا وہ سکھ چین　　کیا ملے گا محل کے بستر میں

*

گھاس کے بیج روز لاتے ہیں　　اور کس شوق سے پکاتے ہیں
جنگلی 'ساؤں' اور 'لنب' اکثر　　جمع کرتے ہیں اور سکھاتے ہیں
اُن کے آگے پلاؤ بھی ہے ہیچ　　جو غذائیں وہ لوگ کھاتے ہیں

*

'ڈونرے' چن چن کے روز لاتے ہیں　　اور کس شوق سے پکاتے ہیں
اے عمر میرے دیس کے دھقان　　جنگلوں میں سکون پاتے ہیں

اعتدال مزاج کے قربان
وقت پیری بھی مسکراتے ہیں

*

وہ کسی بات کے نہیں محتاج
کیا کہوں میں بہادری اُن کی
گرد آلودہ ھی سہی کملی
دیدنی ہے مگر خوشی اُن کی
اے عمر خود ملیر میں جاکر
دیکھ لے پاکدامنی اُن کی

*

خود نگہدار اور خودمختار
کوئی قدغن نہ ہے کوئی محصول
اک مہکتا ھوا چمن ہے ملیر
اور مارو ہیں اس چمن کے پھول

*

خوب ہیں میرے دیس کے دھقان
کتنی ندرت ہے اُن کے جینے میں
ٹوکرا سر پہ دھول پیروں پر
جسم بھیگا ھوا پسینے میں

*

جا بہ جا وہ جھکی جھکی ڈالیں
گھومتے پھرتے ساتھ ہیں سرتاج
پھر تصور میں چن لیے 'پیروں'
یاد 'ساڈوھیوں' کی آئی آج

*

رت ہے ساڈوھیوں کے پکنے کی
اور مجھ پر یہ بند یہ بیداد
وہ کشادہ فضائیں وہ میدان
ھر فصیل و حصار سے آزاد
کیسے محلوں میں جی لگے میرا
آرہے ھیں ملیر والے یاد

*

خیمہ و شامیانہ و در و بام
اب اِنھیں سے لگا دلِ برباد
ماروی مان لے مرا کہنا
بے اثر ہے یہ نالہ و فریاد
خود مصیبت زدہ ھیں وہ مارو
کیا کریں گے بھلا ترا دل شاد

*

سوزنِ عشق نے مرا دامن
سی دیا 'ماروؤں' کی بستی سے
اے عمر وہ حسین 'گولاڑے'
منسلک ھیں ردائے ھستی سے
میں بظاھر ھوں کوٹ میں محصور
دل انھیں جھونپڑوں میں ہے مستور

*

منسلک کردیا ھے مارو سے　　میری سانسوں کو سوزن غم نے
اپنے کانوں میں کوئی آویزہ　　کیسے پہنوں بغیر مارو کے

*

سوزن آھنی میں دیکھا ھے　　حسن ایثار میری فطرت نے
خود برھنہ رھی مگر ڈھانپا　　ساری دنیا کو اس کی ھمت نے

وائی

روتے روتے رات گذاری　　میں ھوں عمر مارو کی پیاری
بیکل ھیں میرے پریتم تھر میں
کیسے رھوں میں تیرے گھر میں
پریم کی داسی دکھ کی ماری　　میں ھوں عمر مارو کی پیاری
کتنے دن سے دیس کو چھوڑے
بیٹھی ھوں سب ناتا توڑے
جال میں تیرے سب کچھ ھاری　　میں ھوں عمر مارو کی پیاری

آٹھویں داستان

ازل سے جو مرے دل میں بسا ھے　　بس اس مارو کو اب کیسے بھلاؤں
یہی جینا ھے تو اس سے یہ بہتر　　کہ اس کی یاد پر قربان جاؤں

*

وھی برسات کا پیارا سماں ھے　　مگر جانے مرا مارو کہاں ھے
مری محویتوں میں بسنے والے　　تری یادوں میں کھویا دو جہاں ھے
مرے ساقی مرے ھونٹوں پہ اب تک　　وھی کیف شراب ارغواں ھے
مرے بے مثل مارو گرچہ تیرا　　مری آنکھوں سے اوجھل آستاں ھے
عدم کے وسعتوں میں ڈھونڈ لوں گی　　کہ اک توھی تو میرا رازداں ھے

*

وہیں آسائشِ قلب و نظر ہے
جہاں اُن ماروؤں کی رہگذر ہے
میں آؤں توڑ کر بند و سلاسل
بلا لے اے مرے پیارے کدھر ہے
مزے لے لے کے کھاؤں گی خوشی سے
جو پیارے جھونپڑوں کا ماحضر ہے

*

مرے قلب و نظر میں بس گئی ہے
محبت ماروؤں کے بانکپن کی
خدایا اپنی رحمت سے سنادے
نویدِ جانفزا صبحِ وطن کی

*

خدا جانے وطن سے کر کے ہجرت
گئے ہیں کس طرف وہ نیک سیرت
میں اُن کی راہ کب سے تک رہی ہوں
ملے گی جانے کب آنکھوں کو راحت
سمائی ہے مرے قلب و نظر میں
ازل سے پیارے مارو کی محبت

*

وہ اس برسات کے موسم میں شاید
کسی ڈھلوان پر جا کر رہیں گے
کنویں وہ کھارے پانی کے ہمیشہ
منقش لوحِ فطرت پر رہیں گے
نہ بھولوں گی سحر کے مشعلوں کو
تصور میں وہی منظر رہیں گے
مرے قلب و نظر میں پیارے مارو
بہر انداز جلوہ گر رہیں گے

*

کہیں وہ پیاسے چوپایوں کو لے کر
چلے ہیں گھاٹ پر پانی پلانے
کہیں سکھیوں نے آنگن میں کیے ہیں
اکٹھے جنگلی بالوں کے دانے
گھلائے جا رہے ہیں اس محل میں
مری جانِ حزیں کو یہ فسانے

*

سحر ہوتے ہی وہ گہرے کنوؤں سے
چلی ہیں پانی بھرنے ڈول لے کر
نہ کیوں یاد آئیں وہ مسرور سکھیاں
کھلا ہے ان کے دل کا حال مجھ پر

*

چلی تھی حسبِ عادت آخرِ شب
میں اک گہرے کنویں سے پانی بھرنے
خبر کیا تھی کہ میری تاک میں ہیں
وہ ظالم جن کو بھیجا تھا عمر نے
نہ آئی تھی کبھی میرے وطن سے
کوئی عورت یہاں بے موت مرنے
جلا کر کیوں نہ پہلے ہی مٹایا
مجھے اس آتشِ قلب و جگر نے

*

نہ پنگھٹ پر وہ سکھیوں کا جھمیلا　　نہ وہ چرخی گھمانے کی صدا ہے
وہ 'سن' کی رسیاں گلنے لگی ہیں　　جنھیں چھوڑے ہوئے عرصہ ہوا ہے
سحر کے وقت بھی سوئی ہوئی ہیں　　مسلط آن پہ کوئی خوف سا ہے

*

بہت پیاسی اگر ہوتی ہے کوئی　　تو ڈرتے ڈرتے جاتی ہے کنویں پر
نظر میں رکھتی ہے گلّے کو اپنے　　نہیں رکتی وہاں پھر پانی پی کر

*

کنویں میں اب نہ چرخی کی صدا ہے　　سماں اس گاؤں کا سنسان سا ہے
نظر آتے ہیں ان کے حوض خالی　　نہ گلہ ہے نہ کوئی جھونپڑا ہے
کہاں ہیں اب وہ خرقہ پوش مارو　　خدا جانے وہاں کیا ہو گیا ہے
سراپا محوِ حیرت ہو گئی ہوں　　خیال ان کا مرے دل میں بسا ہے

*

چراگاہیں، کنویں اور ان کے گلّے　　وہی خوشیاں وہی معمول ہوگا
مری حالت کی مارو کو خبر کیا　　وہ اپنے کام میں مشغول ہوگا

*

کوئی جانے گا کیا دکھ درد میرا　　عمر، میں حال اپنا کیا بتاؤں
وہ مارو جس کی خاطر جی رہی ہوں　　اسی کو جب نہ اپنے پاس پاؤں
تو اس اونچے محل میں کیوں نہ آخر　　یونہی بے چین ہو کر تلملاؤں
جو اجڑی ہے مری رسوائیوں سے　　میں اس بستی کو کیسے بھول جاؤں

وائی

مجھ دکھیا کا کون سہارا　　روٹھ نہ جانے مارو پیارا
مجھ میں ہے ہر ایک برائی
اس میں ہے ہر ایک بھلائی
وہ من میت ہے جگ سے پیارا　　روٹھ نہ جانے مارو پیارا
میرے سارے عیب چھپالے
پریتم پیارا پاس بلالے

پھر پلٹے یہ جیون دھارا روٹھ نہ جائے مارو پیارا
مدھر ملیر میں برکھا آئی
گھاٹ گھاٹ پر دھوم مچائی
سندر ہے وہ دیس ہمارا روٹھ نہ جائے مارو پیارا

نویں داستان

ہو رہی ہو جہاں کہیں برسات پیارے مارو وہیں کو جاتے ہیں
جنگلوں میں اِدھر اُدھر اکثر نت نئے جھونپڑے بناتے ہیں
کیا خبر اُن کو میری حالت کی نت نئی دھن میں گیت گاتے ہیں

*

تھر کے دلدل میں ہوں گے وہ مارو اور بارش برس رہی ہوگی
کیا خبر ایک تشنہ لب ان کو دیکھنے کو ترس رہی ہوگی
لذتِ جرعۂ محبت ہائے اس کے ہونٹوں میں رس رہی ہوگی

*

وہ ڈھلانوں پہ رنگ رلیاں ہائے اور چٹانوں پہ ایک عالمِ خواب
ماروؤں کے کھلے ہوئے کھلیان او، 'پائر' کی وادیٔ شاداب
اے عمر اس قفس میں گھٹ گھٹ کر کیوں نہ تڑپے مرا دلِ بیتاب

*

پیارے 'کھائر' میں آئی برکھا رت ہر طرف ہے نئی توانائی
کوئی دیکھے ملیر میں جاکر ماروؤں کی غیور برنائی
سبزہ زاروں میں اُن کے چوپائے وہ تبسم وہ رنگ و رعنائی
چہچہائے ہواؤں میں تاڑے وہ اٹھا ابر وہ گھٹا چھائی
سامنے اپنے اپنے پیاروں کے ہر سکھی دیس کی غذا لائی

اے عمر رشکِ قصر و ایوان ہے　　　جھونپڑوں کی قطار آرائی
میری قسمت کہ اس اسیری نے　　　چھین لی مجھ سے ہر شناسائی
ہر گھڑی اشکِ خوں بہاتی ہے　　　میری افسردگی کی تنہائی
سوچتی ہوں وطن کے لوگوں میں　　　ہو رہی ہوگی میری رسوائی
کون پوچھے یہ جا کے مارو سے　　　کیا اسے میری یاد بھی آئی
کاش پھر میرے روبرو آئے　　　کملی والوں کا حسنِ زیبائی

*

کس طرف کوچ کر گئے وہ لوگ　　　یہ دلِ بیقرار کیا جانے
اجڑا اجڑا سا سبزہ زار ہے کیوں　　　دیدۂ اشکبار کیا جانے
ہائے یہ دوری اور مجبوری　　　خلشِ انتظار کیا جانے

*

کوئی قاصد نہ نامہ و پیغام　　　مجھ سے شاید وہ بدگماں ہوں گے
میرے خانہ بدوش تھر والے　　　حسبِ عادت رواں دواں ہوں گے
کیا خبر تھی کہ مجھ سے اتنے دور　　　دیدۂ و دل کے آستاں ہوں گے

*

کس طرح خاک و خس بہ ”پائر“ میں　　　ہاتھ پر رکھ کے سر میں سوتی تھی
کون جانے کدھر گئے وہ لوگ　　　میں کبھی جن کے ساتھ ہوتی تھی
کون سمجھے گا سوچ کر کیا کیا　　　یہ غریب الدیار روتی تھی

*

جانے کتنی چھل پھل ہوگی　　　آجکل تھر کے سبزہ زاروں میں
دیکھتی ہوں بہ دیدۂ حیران　　　اک تلاطم سا جوئباروں میں
یاد ہے میں بھی تھی کبھی شامل　　　اپنے پیارے وطن کے پیاروں میں

*

میں یہاں مر رہی ہوں گھٹ گھٹ کر　　　اور مارو ہیں اب نظر سے دور
ہیں کسی گونہ سے بسا اوقات　　　میری یادوں کے کاخ و کو معمور
کوئی قاصد ہی بھیج دے یا رب!　　　کچھ تو ہو جائے میرا دل مسرور

وائی

سکھ اپنے دیس میں پاؤں گی مت روک عمر میں جاؤں گی
سکھیوں کا ساتھ نہ چھوڑوں گی
'گولاڑوں' کو پھر توڑوں گی
'سنگر' کی ڈال گراؤں گی مت روک عمر میں جاؤں گی
'گندیوں' کی 'کوکڑ' پھانکوں گی
بن بن میں 'ڈونرے' جھانکوں گی
'مکھنی' 'ماندھانو' کھاؤں گی مت روک عمر میں جاؤں گی
مارو کے ساتھ نبھاؤں گی
میں روکھی سوکھی کھا لوں گی
تہوار تمام مناؤں گی مت روک عمر میں جاؤں گی

دسویں داستان

دور آسودگی کا ہے تھر میں موسم برشگال آیا ہے
ماروی یہ نسیم کا جھونکا مژدۂ نوبہار لایا ہے
دیکھ بھیجا ہے ماروؤں کے نام سومرہ نے بھی صلح کا پیغام

*

کب ہوئی ہے ملیر میں بارش کیا بتائے یہ دیدۂ بے تاب
یاس نے جس کو جڑ سے کاٹا ہو کیسے ہوگا وہ نخلِ دل شاداب

*

کس سے پوچھوں یہاں ہے کون اپنا جانے آن بے کسوں پہ کیا گذری
کل وہاں بجلیوں کی یورش تھی رات بھر ماروؤں پہ کیا گذری

*

کوئی قاصد وہاں سے آیا ہے　　ماروؤں کا پیام لایا ہے
ماروی کیوں ہے اس قدر مایوس　　کیوں یہ خوف و ہراس چھایا ہے
تجھ کو جانا ہے لوٹ کر تھر میں　　کوٹ تیرے لیے پرایا ہے

*

ماروی! ماروؤں کی عزت کو　　بھول کر بھی نہ تو گنوا دینا
حرف آئے نہ تیری عصمت پر　　سر سے کملی نہ یہ ہٹا دینا
اور کچھ دن ہے کوٹ میں رہنا　　پیارے تھر کو نہ تو بھلا دینا

*

سچ ہے جن کا سنگھار وہ سکھیاں　　ماروی تجھ کو یاد کرتی ہیں
سونا ان کی نظر میں سیسہ ہے　　جو خطاکاریوں سے ڈرتی ہیں
ان کی عفت پہ حرف کیوں آئے　　دم جو شرم و حیا کا بھرتی ہیں
پیروی ان کی تجھ پہ لازم ہے　　جو خلوص و وفا پہ مرتی ہیں

*

دل کی باتیں نہ میں چھپاؤں گی　　حال اپنا اسے بتاؤں گی
آیا ہے میرے دیس کا قاصد　　گر کے قدموں پہ میں مناؤں گی
لوٹ جاؤں نہ میں وہاں جب تک　　چین ہرگز یہاں نہ پاؤں گی

*

میرے پیارے وطن کے قاصد نے　　مجھ کو آتے ہی یہ دیا طعنہ
تیری کملی متاعِ غیرت ہے　　نذرِ آتش اسے نہ کر جانا
بیٹھنا مت پلنگ پر ہرگز　　طوقِ زریں کو بھی نہ اپنانا
کہہ رہی ہیں سہیلیاں تیری　　روح اپنی کہیں نہ کھو آنا
ساعتِ نیک آنے والی ہے　　ختم ہونے کو ہے یہ افسانا

*

میل میں چپ چپاتے بالوں سے　　پڑ گئی ہیں جوئیں مرے سر میں
یاد ساڈھوئیوں کی لذت ہے　　نیند کیا آئے دیدۂ تر میں
دور کر لیں سہیلیاں آ کر　　وہ غلط فہمیاں جو ہیں تھر میں

*

داغ دل کے یونہی چھپائے جا — چوٹ کھائے جا دکھ اٹھائے جا
ماروی پاک دامنی اپنی — جیسے بھی ہو سکے بچائے جا
لوٹ کر پھر وطن میں جانا ہے — آبروئے وطن بڑھائے جا

*

کوٹ میں کیسے جی لگے میرا — لاج تھر کی مجھے بلاتی ہے
قید میں یاد پیارے مارو کی — کس طرح مجھ پہ ظلم ڈھاتی ہے
شام ہوتے ہی آشیاں کی طرف — جس طرح کونج اڑ کے جاتی ہے
موجۂ قعر آب میں جیسے — سیپ بادل سے لو لگاتی ہے
گھر ہی جس کا ہو گہرے ساگر میں — کب ندی میں وہ چین پاتی ہے
میٹھی بوندوں کی آس میں جی کر — کھارے پانی کے دکھ اٹھاتی ہے
پیار سے اپنے من کے موتی کو — دوسروں سے سدا چھپاتی ہے
اس کو پیاری ہے آبرو اپنی — پریت کی ریت یہ سکھاتی ہے
بادلوں کا اسے سہارا ہے — مجھ کو اپنا ملیر پیارا ہے

*

باوفا ماروؤں کے گھر یا رب — پیارے تھر میں رہیں یوں ہی آباد
ہر گھڑی بیکسی کے عالم میں — آ رہے ہیں ملیر والے یاد
پہلی ہی رات کاخ و ایواں سے — کانپ اٹھا مرا دلِ ناشاد

*

دن وطن سے الگ جو گذرے ہیں — آن پہ تہمت دھریں گے تھر والے
جیسی آئی تھی ویسی جاؤں گی — ورنہ نفرت کریں گے تھر والے

وائی

اس کوٹ میں جی گھبرائے

مارو مرا من برمائے

جو بی تھی ساتھ سجن کے
وہ تھر کی لسی یاد آئے

مارو مرا من برمائے

جانے کب یہ میری آشا
کملی والوں کو پائے
مارو مرا من برمائے
پل بھر کو بھی میرے سر سے
کملی یہ اتر نہ جائے
مارو مرا من برمائے

—*—

گیارھویں داستان

ہو گیا ظالموں کا سر نیچا
قید غم سے مجھے چھڑانے کو
پھر مرے دل نے حوصلہ پایا
پیارا مارو ملیر سے آیا

*

ہے جہاں مشک بیز خاکِ وطن
دل ہے اس سر زمیں کا گرویدہ
خوش رہے ماروؤں کا وہ قاصد
کس قدر وہ مقام پیارا ہے
اور سر میں بھی اس کا سودا ہے
جو وہاں سے پیام لایا ہے

*

جانے کس گھاٹ پر بسے ہوں گے
پھول جھڑتے ہیں مے چھلکتی ہے
جی رہی ہوں کسی سہارے پر
ہو رہی ہوگی آج کل برسات
جب بھی ہوتی ہے ماروؤں کی بات
گرچہ ناسازگار ہیں حالات

*

سوچتی ہوں ملیر میں شاید
ہر طرف آج کل وہاں ہوگی
لیکن افسوس میری قسمت میں
پیارے مارو کی راہ تکتی ہوں
مجھ کو بھولے ہوئے ہیں کیوں وہ لوگ
ہو رہی ہوگی آج کل برسات
سبزیوں اور اناج کی بہتات
ہیں یہی صرف چند احساسات
بھیگی آنکھوں سے یوں ہی دن رات
میرے آتے ہی ہو گئی کیا بات

کاش پھر ماروؤں میں لے جائے کھینچ کر مجھ کو گردش حالات

*

جب بھی چاھا بفیض ربانی مارے تھر میں برس گیا پانی
خوے تسلیم ان کا جوھر ھے جانتے ھیں رضاے رحمانی
میرے پیارے ملیر والوں کو ہوگی حاصل ھر ایک آسانی

*

کاخ و کو پر برس رھا ھے ابر کلبلاتا ھے میرا جسم اسیر
ھو گئی دھل کے میرے اشکوں سے صاف و شفاف پیر کی زنجیر
پھر بھی آیا نہ آج تک مارو پھوٹی آ کر کہاں مری تقدیر
دن جو اپنے وطن میں گذرے تھے ھوگئے ایک خواب کی تعبیر

*

میں نے بھیجا ھے ماروؤں کے نام اے عمر آج پھر کوئی پیغام
جانے بھولا ھوا ھے کیوں مجھ کو وہ بیاباں نورد مارو جام
کاش زنجیر ٹوٹ ھی جائے کاش نکلے یہ جذب دل سے کام

وائی

ماروجام کی پریت میرے من کی جیت

میں بن کے دلہن جب آئی تھی
دان میں لونی پائی تھی
تھر کی سندرتا لائی تھی
جیون کا سنگیت

ماروجام کی پریت میرے من کی جیت

میں ھوں پیارے ملیر کی رسیا
محل سے اچھی اپنی کٹیا
رکھے میری لاج کملیا
ھے یہی دیس کی ریت

ماروجام کی پریت میرے من کی جیت
سکھیوں کے جھرمٹ میں جاؤں
'کھاٹونبا' اور 'سنگر' کھاؤں
اپنے پیارے کو پھر پاؤں
گاؤں "لطیف" کے گیت
ماروجام کی پریت میرے من کی جیت

—✻—

متفرق ابیات

گر عمر کی یہی رہی بیداد
آن غریبوں کی کون سنتا ہے
جس کو سمجھے تھے راہبر اپنا

کس طرح رہ سکے گا تھر آباد
پیارے مارو کہاں کریں فریاد
وہ ہے اک رہزنِ ستم ایجاد

*

بدنصیبی ملیر سے مجھ کو
چیرہ‌دستی مجھے 'عمیروں' کی
سوچتی تھی وطن نہ چھوٹے گا

ہائے اس کوٹ میں پکڑ لائی
ایک زنجیر میں جکڑ لائی
میرا عہدِ وفا نہ ٹوٹے گا

*

اے عمر میں بغیر مارو کے
کوئی پہنچادے پھر وہیں مجھ کو
منتظر ہیں انہیں سنانے کو

رہ رہی ہوں سلامتیں کیا کیا
تھیں جہاں دل کو راحتیں کیا کیا
دیدۂ و دل حکایتیں کیا کیا

*

شب کو عصمت مری رہے محفوظ
دن جو پیارے کے ساتھ گذرے تھے
چھٹ گیا مجھ سے جب چمن میرا

صبح ہوتے ہی کوئی آجائے
یاد رہ رہ کے ان کی تڑپائے
جی نہ کیوں اس قفس سے گھبرائے

اے عمر تیری چیرہ دستی ہائے
کیسے میرے سہاگ کو بھائے
کاش وہ میرا پیارا مارو جام
کل مجھے پھر ملیر میں پائے

*

اے عمر مجھ کو پیاری سکھیوں نے
کتنے طعنے وہاں دیے ہوں گے
ہوں گی کیا کیا شکایتیں اُن کو
گلے شکوے بہت کیے ہوں گے
اس محل اور محل کی چیزوں کے
نام تحقیر سے لیے ہوں گے

*

اس کی دوشیزگی پہ حرف آیا
اس کی عفت کا پھول مرجھایا
یاد آیا ملیر جب اس کو
اس کی آنکھوں نے خون برسایا
کاش ان کو گلے لگائے وہ
پھر اسی انجمن میں جائے وہ

*

پیارا مارو جہاں کہیں ہوگا
چین دل کو مرے وہیں ہوگا
چنتی ہوں گی سہیلیاں ٹنڈے
وہ سماں کس قدر حسیں ہوگا
جانے کب میری آہ سے یا رب!
کوٹ خاکستر، زمین ہوگا

*

جوے آبِ حیات ہے تھر میں
وہی پانی بجھانے پیاس آئے
اس کے قدموں پہ میری آنکھیں ہوں
جب وہ پیارا وفاشناس آئے
زندگانی ملیر میں گذرے
موت بھی ماروؤں کے پاس آئے
پھر انھیں کملیوں میں سوجاؤں
تھر کی رعنائیوں میں کھوجاؤں

*

مژدہ لایا ہے طالعِ بیدار
آنے ہی والے ہیں وہ میرے پنوار
وہ میرے پاکباز آتے ہیں
جن کی ہیبت سے کانپتے ہیں حصار
صبحدم پھرتے ہیں چٹانوں پر
کھو کے میرے لیے وہ صبر و قرار

*

کس کی شادی میں مجھ کو جانا ہے
جو میں کملی کو اپنی دھلواؤں
کیسے پہنوں یہ ریشمی ملبوس
پاس مارو کو جب نہ میں پاؤں

*

میری آنکھیں ملیر والوں کا　　رات دن انتظار کرتی ہیں
اے عمر تجھ سے ان کو کیا نسبت　　وہ تو 'مارو' سے پیار کرتی ہیں

*

کیسے مارو کو میں برا سمجھوں　　جو ہمیشہ سے دل میں بستا ہے
اور میری نظر میں کوئی نہیں　　بس وہی خرقہ پوش اچھا ہے

*

میں نہیں چاہتی کسی عنوان　　حرف میرے وقار پر آئے
منہ نہ دھوؤں گی میں یہاں ہرگز　　میل چہرے پہ لاکھ جم جائے

*

کھال کو کھینچ کر نمک بھر دے　　پھر بھی عہد وفا نہ توڑوں گی
سانس جب تک ہے میرے سینے میں　　پیارے مارو سے منہ نہ موڑوں گی

*

ہوک اٹھتی ہے اشک بہتے ہیں　　جب بھی مارو کی یاد آتی ہے
پیارے دوھیال کے تصور میں　　ایک بجلی سی کوند جاتی ہے
اے عمر تیری خود سری لیکن　　بیکسی کا مذاق اڑاتی ہے

*

کوششیں ہیں مجھے مٹانے کی　　آہ! نیرنگیاں زمانے کی
چند تنکے ہیں برق کی زد پر　　خیر ہو میرے آشیانے کی
گریۂ جاوداں ہوئی تعزیر　　صرف اک بار مسکرانے کی
یہ سزا تھی مرے مقدر میں　　پیارے مارو سے دل لگانے کی
اے عمر جان سے بھی پیاری ہے　　خاک اپنے غریب خانے کی
کاش میں پھر وہیں پہنچ جاؤں　　یا وہ زحمت کریں خود آنے کی
دے رہی ہیں یہ بجلیاں مجھ کو　　پھر تمنا نظر ملانے کی
ہائے یہ ابر و باد و برق و رعد　　یاد آتی ہے آشیانے کی

*

جھونپڑوں اور کملیوں کا دیس　　کس طرح میرا جی لبھاتا ہے
پیار ان بھولی بھالی سکھیوں کا　　میری آنکھوں میں جگمگاتا ہے

'تھر' کے میووں کا ذائقہ اکثر
پیارے مارو کا وعدۂ فردا
اپنی جانب مجھے بلاتا ہے
مجھے رہ رہ کے یاد آتا ہے

*

یاد آتے ہیں تھر کے وہ دن رات
نامہ بر میرے پیارے مارو سے
بھوکی پیاسی ہوں میں کئی دن سے
ہائے یہ قید و بندِ تنہائی
برق کی طرح دیدۂ و دل میں
میرے 'بھنوار' اب تو آ بھی جا
جھونپڑوں میں وصال کے لمحات
کہنا رو رو کے میری ہر اک بات
بھیج دے دیس کی کوئی سوغات
حیف یہ دلفگار احساسات
تلملاتی ہے یورش جذبات
دشمنِ جاں ہے گردشِ حالات

*

پیارا مارو نہ تھر کے سبزہ زار
ہتھکڑی اور بیڑیاں توبہ
کھاتی ہوں گی سہیلیاں 'منگر'
جا کے اے قاصدِ وطن ان کو
میرے سرتاج سے بصد آداب
پھر انہیں پرسکوں فضاؤں میں
کوئی ساتھی نہ اب کوئی غمخوار
نت نیا سوگ نت نیا آزار
اور 'کرڑوں' میں ہوں گے برگ و بار
دینا میرا پیام پُر ایثار
کہنا اے خوش ادا و خوش اطوار
کب بلائے گا مجھ کو تیرا پیار

*

قید میں گر وہ ماروی ہوتی
آڑے آتا عمر تو میں اس کو
کھول کر اس کے پیر کی زنجیر
اے "لطیف" اس ملیر والوں کو
جا کر اس کو ابھی چھڑا لیتا
جسم و جاں دے کے بھی منالیتا
پیار سے گود میں اٹھا لیتا
کوٹ کے ظلم سے بچا لیتا

*

تن پہ کپڑا نہیں تو کیا غم ہے
ہم بیاباں نورد 'ڈھٹ' والے
مقصد جسم و جاں سمجھتے ہیں
تھر کو جنت نشاں سمجھتے ہیں

*

پاس جب تک تھے پیارے مارو جام
کیسے بھولوں میں ان کے احسانات
وائے محرومی ان سے مجبوراً
آتے رہتے تھے نامہ و پیغام
یاد ہے وہ ملیر کا آرام
چھٹ گیا تھر بہ پاسِ ننگ و نام

کن مقاموں سے اب گذرتے ھیں　　آن کے خانہ بدوش صبح و شام

*

جیسے جڑ میں 'گنڈھیر' کی گانٹھیں　　ویسے ھی دل میں ان کی چاھت ھے
میرا جینا بغیر مارو کے　　ھائے کتنی بڑی اذیت ھے
اے عمر تیری سعیٔ نا مشکور　　زخمِ اندازِ عیش و عشرت ھے
تجھ کو ان ماروؤں سے کیا نسبت　　ذات جن کی سراپا رحمت ھے

*

دیدۂ و دل میں گشت کرتے ھیں　　وہ بیاباں وہ گھر وہ سبزہ زار
یاد ھیں تھر کے وہ خس و خاشاک　　اور وہ پیارے ماروؤں کا پیار
کاش میں پھر وھیں پہنچ جاؤں　　آج بھی ھیں جہاں مرے غمخوار

*

مجھ پہ مارو کے ھیں وہ احسانات　　جن کا ھرگز بدل نہیں کوئی
سر سے اس کو نہ میں اتاروں گی　　آبروے وطن ھے یہ لوئی

*

چھٹ گئی ماروؤں سے مجبوراً　　ورنہ بگڑے تھے کب مرے حالات
ان کا بدلہ چکاؤں اب کیسے　　مجھ پہ سکھیوں کے ھیں جو احسانات

*

چھٹ گئی قید و بند سے لیکن　　دل میں زنجیر عشق ھوں ڈالے
چابیاں ماروؤں کے بس میں ھیں　　کھول سکتا ھے کون یہ تالے
کس سے شکوہ کروں جدائی کا　　جانے ھوں گے کہاں وہ تھر والے
جب سے میں اس محل میں آئی ھوں　　پڑ گئے دل میں کتنے ھی چھالے

*

دفعتاً پھر گیا نگاھوں میں　　عکسِ رنگیں ھر ایک منظر کا
خوبرو بہنیں اور وہ سکھیاں　　وہ سہانا سماں مرے گھر کا
اے عمر کھل گئی کلی دل کی　　بڑھ گیا جوش قلبِ مضطر کا
آپ ھی آپ کٹ گئی زنجیر　　ذکر کس نے کیا مرے تھر کا

*

عالم الغیب کاتبِ تقدیر — میری عصمت پہ سایہ افگن تھا
اے عمر کچھ خبر بھی ہے تجھ کو — تو ازل ہی سے پاکدامن تھا

*

پیارے مارو چلے گئے تھر سے — لے گئے ساتھ اپنے احساسات
سوچتی ہوں کہ جب وہی نہ رہے — کیا رہے زندگی کے امکانات

*

گھٹ رہی ہوں میں تیرے محلوں میں — اور تو محوِ عیش و عشرت ہے
چیرہ دستی سے باز آ ظالم — تجھ سے بڑھ کر بھی کوئی طاقت ہے
مجھ کو جانِ عزیز سے پیارا — ماروؤں کا غمِ محبت ہے

*

ختم کر اشک و آہ کو پیاری — بس یہ بدبختیاں ہیں ٹلنے کو
یہ سلاسل یہ طوق ہیں اب تو — اپنی ہی آگ میں پگھلنے کو
اور کچھ دن یونہی نہ ہمت ہار — تو ہے اس قید سے نکلنے کو
پھر اٹھا لے ذرا دعا کو ہاتھ — شب ہے نورِ سحر میں ڈھلنے کو
پھر ترے تھر میں آئے گی برسات — بھیگی بھیگی ہوا ہے چلنے کو
پھر انہیں ماروؤں میں تو ہوگی — تیرے حالات ہیں سنبھلنے کو
ساعتِ نیک آنے والی ہے — سوز ہے ساز میں بدلنے کو

*

اپنی سج دھج کبھی نہ بھولوں گی — دیس کی آن بان ہے لوئی
مرتے دم تک بھی میں نہ بھولوں گی — پیارے مارو تری رضاجوئی
میں سراپا غمِ محبت ہوں — ورغلائے گا کیا مجھے کوئی
پھر مجھے ماروؤں کی یاد آئی — دل کے زخموں نے تازگی پائی
وصل کی آرزو نہ جانے کیوں — رنگ سوزِ فراق کا لائی
اب نہ وہ تھر ہے اور نہ وہ مارو — بینھکیں ہیں نہ ان کی زیبائی
دل میں اب درد کا بسیرا ہے — میں ہوں اور یہ نحیف تنہائی

وائی

میرے من میں اس کا گھر ہے		اس کے من میں میرا ڈیرا
میں ماروی کی مارو میرا

طعنہ دیگا پریتم پیارا
منہ اپنا میں کیسے دھولوں
تھر میں جبتک لوٹ نہ جاؤں
یاد کروں اور چھپ کے رولوں
سومرا جیسی ہوں رہنے دے
کیا مانوں میں کہنا تیرا		میں ماروی کی مارو میرا

سر سوهنی

سر سوهنی

پهلی داستان

پرُ هول و خطرناک سهی ورطۂ دریا ‏ لیکن دلِ عشاق کو اس کی نهیں پروا
کر لیتے هیں یہ غوطہ زنِ بحرِ محبت ‏ خلوت هی میں طوفان و تلاطم کا نظارا
کاش ان کو میں پھر دیکھ سکوں برلبِ ساحل ‏ وابستہ هے جن سے مری تقدیر خدایا

*

دیکھے تو کوئی جوش تمنائے محبت ‏ پابندیٔ ساحل نهیں موجوں کو گوارا
ان کے لیے پهنائی دریا هے بس اک گام ‏ منظور هے جن کو رخِ جاناں کا نظارا

*

دیکھا هے جو کچھ میں نے اگر دیکھتیں تم بھی ‏ سکھیو! تمهیں بھولے سے بھی پھر چین نہ آتا
سوتیں نہ کبھی رات کو تم اپنے گھروں میں ‏ ساهڑ کبھی صورت جو تمهیں اپنی دکھاتا
پھر تم کو لبھاتی نہ کسی اور کی صورت ‏ میری هی طرح تم کو بھی طوفاں نہ ڈراتا
تم اپنے گھڑے لے کے بڑے شوق سے جاتیں ‏ جس وقت بھنور اپنی طرف تم کو بلاتا

*

دل درد سے لبریز گھڑے سر پہ سجائے ‏ وہ سوهنی کی سکھیاں چلیں سوهنی بن کے
بے چین جسے دیکھ کے هوجاتی هے منجدهار ‏ سب پریم پجاری هیں اسی ایک سجن کے

*

اب گھاٹ پہ سکھیوں میں هے ساهڑ هی کا چرچا ‏ کیا جانیں کہ اس طرح تو ساهڑ نهیں ملتا
اس کے لیے جو کودے نڈر هو کے بھنور میں ‏ دیتا هے سدا ساتھ وہ ساهڑ بھی اسی کا

*

جا پهنچے تھے سب اپنے بسیروں میں پرندے ‏ لیکن تھا عجب حال میں اس کا دلِ ناکام

کس جوشِ تمنا سے وہ دوشیزۂ محزوں

داخل ہوئی دریا میں گھڑا لے کے سرِ شام

*

داخل ہوئی دریا میں گھڑا لے کے سرِ شام
"سر در قدمِ یار فدا شد چہ بجا شد"
پہنچیں تری رحمت سے وہ اُس پار خدایا

بڑھتی ہی رہی یورش گرداب پہ ہر گام
اے سوھنی! ہونا تھا یہی عشق کا انجام
ہے آمدِ شب جن کے لیے وصل کا پیغام

*

داخل ہوئی دریا میں گھڑا لے کے سرِ شام
روکے گا اُنھیں کون رہِ عشق میں "سید"
راتوں کو جنھیں ملتی ہے دیدار کی دولت

گھبرائی نہ ہرگز کسی گردابِ بلا سے
کیا ڈر انھیں غیروں کا جو ڈرتے ہیں خدا سے
وہ پار اتر جائیں گے فیضانِ دعا سے

*

پھر سوھنی دریا میں گھڑا لے کے چلی ہے
کہتی ہے کہ اس دھن میں ہو کچھ بھی مرا انجام
ہرچند کہ درپیش ہے منجدھار ہی منجدھار

ملنے کے لیے اپنے میہنوال سے اس پار
بڑھتی ہی رہوں گی میں اسی دھن میں لگاتار
منجدھار؟ نہنگوں سے بھی مانوں گی نہ میں ہار

*

جب سوھنی دریا میں گھڑا لے کے چلی تھی
دلدل کی کثافت میں اٹے بکھرے ہوئے بال
گھڑیال وہ خونخوار، خطرناک وہ منجدھار

آیا تھا اچانک یہ برا وقت بھی اس پر
لتھڑے ہوئے کیچڑ میں چمکتے ہوئے زیور
جاتی تو کہاں جاتی ان آفات سے بچ کر

*

سکھی! قربان جاؤں اس گھڑے پر
ملا ہے اس طرف مجھ کو میہنوال

نہ ٹوٹے یہ مری آنکھوں کا تارا
دیا ہے جب مجھے اس نے سہارا

*

کبھی ہمت نہ ہاروں گی میہنوال
گھڑے کے ٹوٹنے کا غم نہیں ہے
اسے روکا نہ گردابِ بلا نے

چلی آؤں گی جب تو نے پکارا
مجھے درکار ہے تیرا سہارا
تری رحمت نے جس کو پار اتارا

*

گھڑا ٹوٹا تو یہ آواز آئی
شکستِ جسمِ خاکی سے ہے پیدا
وصالِ یار کی راحت پہ قربان

نہیں دونوں میں اب کوئی جدائی
ربابِ روح کی نغمہ سرائی
طریقِ زہد و رسمِ پارسائی

*

سہارے روح کے اب تیرتی جا
تجھے دکھلا گیا ھے جو مہینوال
گھڑا ٹوٹا تو ٹوٹا دل نہ ٹوٹے
وہ سیدھا راستہ ہرگز نہ چھوٹے

*

طالبِ وصلِ یار بڑھ آگے
کیوں گھڑا ٹوٹنے سے ھے مایوس
دیکھ محرومِ شوقِ دید نہ ھو
اس کی رحمت سے نا امید نہ ھو

*

اب گھڑا ھے نہ سوھنی باقی
ھوگئے اس کے سب جتن بیکار
ھر سہارے نے ساتھ چھوڑ دیا
جان سے اپنی ھاتھ دھو بیٹھی
جاوداں عرصۂ محبت میں
آف ! مہینوال کی شناسائی
اپنی سج دھج اسے نہ راس آئی
ختم ھونے لگی توانائی
کھینچ کر موت اسے کہاں لائی
رہ گئی حرف اس کی یکتائی

*

دے رھی ھے یہ دل نشیں پیغام
توڑ دے اپنے ھر سہارے کو
سوھنی، جادۂ محبت میں
تجھ کو آبِ رواں کی گہرائی
کام آتی نہیں یہ خود رائی
شرط ھے روح کی توانائی

*

کیوں گھڑا ٹوٹنے سے ھے مایوس
موج آبِ رواں پہ بہتی ھے
بیخودی شرط ھے محبت میں
جادہ پیمائے معرفت کے لیے
اٹھ گیا ایک پردۂ حائل
کیسا گرداب اور کیا ساحل
خود فریبی ھے سعیِ لا حاصل
عشق ھوتا ھے رھبر کامل

*

اس جہانِ وسیع و تنہا میں
ھم تو پروردۂ تلاطم ھیں
سازو سامانِ زیست بے معنیٰ
زلفِ پر خم سے موجِ پیچاں تک
سوھنی، جذبۂ محبت کو
اک محبت کا آسرا کیا ھے
ساحلِ آسودگی بلا کیا ھے
ھر تگ و دو کی انتہا کیا ھے
یہ تمنا کا سلسلہ کیا ھے
موج و طوفاں سے واسطہ کیا ھے

*

بس مہینوال ہے انہیں کا میت جن کے من میں بسی ہے اس کی پریت
کھیل ہے جن کے سامنے منجدھار ہار میں بھی ہے اُن کے من کی جیت
کیوں کسی اور کا سہارا لیں جن کو معلوم ہے ملن کی ریت

*

بحرِ ہستی کا ناخدا بھی عشق موجِ ورطۂ فنا بھی عشق
عشق رازِ بلندیٔ انسان عشق سازِ خودی، خدا بھی عشق

*

نہ کوئی سوھنی نہ جاناں ہے نہ کوئی آبجو نہ طوفاں ہے
ایک سربستہ رازِ عرفاں ہے ایک گم گشتہ سرِّ انساں ہے

وائی

نہ سمجھوں اونچی نیچی بات جگت کی کوئی ریت نہ بھائے
پیا بن میرا جی گھبرائے
رھوں میں دنیا میں چپ چاپ میں اپنے من کی ھوک چھپائے
پیا بن میرا جی گھبرائے
بنوں میں ان چرنوں کی دھول مری من مورکھتا مٹ جائے
پیا بن میرا جی گھبرائے
بہتے پانی سا سنسار کتنی بھولوں کو چمکائے
پیا بن میرا جی گھبرائے
اسی مانجھی کو میں اپناؤں جو میری نیا پار لگائے
پیا بن میرا جی گھبرائے
برھا ہے میرا چت چور سکھی ری مجھ کو چین نہ آئے
پیا بن میرا جی گھبرائے
جس کو من کا میت بنایا وھی اب میرا روگ مٹائے
پیا بن میرا جی گھبرائے

دوسری داستان

قعرِ دریا و شورشِ امواج
اور ہر سمت خشمگیں گرداب
دیکھیے سوھنی کی ہمت کو
ایک دل اور کتنے پیچ و تاب
اے خوشا لطفِ کارساز "لطیف"
موجِ طوفاں بھی ہوگئی پایاب

*

الاماں، الحفیظ، ہائے غضب!
یورشِ موجۂ تلاطم خیز!
سوھنی بے نیازِ بیم و رجا
ہوگئی موت سے ستیز انگیز
کاش تیرے کرم سے وہ پہنچے
تا لبِ ساحلِ سکوں آمیز

*

اس خطرناک قعرِ دریا میں
کوئی کچا گھڑا نہ کام آیا
ہوگئے جب مرے جتن بیکار
یاد اس ناخدا کا نام آیا

*

کیسی تاب و تواں کہاں کا ہوش
اہلِ ہمت بھی ہوگئے خاموش
قعرِ دریا نہنگ در آغوش
موجۂ آب صد بلا بردوش
اُن سے بچ کر کوئی کہاں جائے
مجھے اُس پار کون پہنچائے

*

قعرِ گرداب و شورشِ امواج
دہشت انگیز جوشِ طغیانی
کیسے مشکیزے اور کیا تیراک
کچھ نہیں جز شکستہ سامانی
کاش تیرے کرم سے مل جائے
اپنا ساحل مجھے باآسانی

*

روح فرسا ہے دہشتِ امواج
جوئے طوفاں بدوش بہتی ہے
گھیرے پانی میں مضطرب ہو کر
نازنیں سوھنی یہ کہتی ہے
وہ مہینوال مجھ کو مل جائے
جستجو جس کی مجھ کو رہتی ہے

*

یونہی منجدھار میں بہے کب تک
دور محبوب سے رہے کب تک
اے مہینوال دکھ جدائی کے
رات دن سوھنی سہے کب تک

*

دہشت انگیز ہے بہت گرداب
تیز موجِ بلا کی شورش ہے
عین منجدھار میں پھنسی ہوں میں
میری قسمت کی آزمائش ہے
آسرا ہے ترا مرے مالک
ورنہ کیا چیز میری کوشش ہے

*

اِس طرف پانی، اُس طرف پانی
موج و طوفاں کی فتنہ سامانی
اے مہینوال دیکھتا ہے تو
قہرِ گرداب، جورِ طغیانی
قعرِ جوئے رواں میں آ بھی جا
اس کڑے امتحاں میں آ بھی جا

*

کلبلاتی ہوئی نفیریں ہیں
میری وامانده روح کی غماز
جان لیوا ہے زور موجوں کا
میری امداد! اے مرے ہمراز
کہیں ایسا نہ ہو کہ رہ جائے
شورِ طوفاں میں ڈوب کر آواز

*

دہشت انگیز شورشِ طوفاں
دشمنِ جاں مصیبتیں، آزار
تاک میں موجہائے طوفاں خیز
ناخداؤں کی کوششیں بیکار
جانے کتنی ہی کشتیاں ڈوبیں
کتنے گرداب میں پھنسے ہشیار
کون سمجھے یہ قہرِ نادیده
کس کو معلوم کیا ہے یہ منجدھار
اے مہینوال اب تو پہنچادے
اپنی رحمت سے تو مجھے اس پار

*

یہ تلاطم یہ ورطۂ دریا
کونسی دھن میں ہیں خدا جانے
جز شناسائے قلزمِ ہستی
کوئی اُن کے رموز کیا جانے

وائی

دیا کر میرے کھیون ہار
رہوں میں کب تک آس لگائے
مجھ کو تیری یاد ستائے
من کو مرے موہے منجدھار
لہر لہر مجھ کو للچائے
مجھ کو تیری یاد ستائے
میں چھوڑوں جگ جیون کا ساتھ
آجا! تجھ بن چین نہ آئے
مجھ کو تیری یاد ستائے

—✻✻✻—

تیسری داستان

کون ھوتا ھے خوگرِ گرداب　　جز شناسائے قلزمِ ھستی
فکرِ طوفاں نہ رغبتِ ساحل　　عشق ھے ناخدائے سرمستی

*

سوھنی کو نہیں غمِ ساحل　　عشقِ محبوب کار فرما ھے
یہ بھنور اور یہ شبِ تاریک　　جز طلسماتِ ظاھری کیا ھے
جرأتِ شوق ھے نگاھوں میں　　قعرِ دریا حباب آسا ھے

*

سوھنی اور منتِ ساحل　　عشق کو یہ کہاں گوارا ھے
'ڈم' کی طاقت ھے، جسم تک محدود　　اور مہینوال کا سہارا ھے
پیارے ساھڑ کی ناخدائی سے　　موجِ طوفاں ھی خود کنارا ھے

*

فکرِ ساحل ھے شیوۂ باطل　　سوھنی محوِ حق پرستی ھے
وہ مہینوال کی محبت میں　　بے نیازِ قیودِ ھستی ھے
کیسا گرداب اور کیا دریا؟　　دل کی مستی عجیب مستی ھے

*

نور آنکھوں میں آرزو دل میں　　ھر طرف موجزن محبت ھے
ساحل، زشت و خوب کیا معنی　　سوھنی طالبِ حقیقت ھے
کیا بگاڑیں گے اس کا یہ گرداب　　جس پہ اُس ناخدا کی رحمت ھے

*

ناخدا تھا نہ کوئی کشتی تھی　　پھر بھی حائل نہ ھوسکا گرداب
اے خوشا سوھنی کا جذبۂ شوق　　موجِ طوفاں بھی ھوگئی پایاب

*

سوھنی نے ھمیشہ سمجھا ھے　　اِک مہینوال کو گلے کا ھار
اس جہانِ بسیط میں اس کو　　جُز غمِ عشق کچھ نہیں درکار

*

تیری زیبائشِ لب و رخسار — تیری حرص و ہوا، ترا پندار
رغبتِ سایۂ در و دیوار — رسمِ مہر و وفا نہیں زنہار

*

بے الف اور میم کی قربت — سوھنی خوب ہے تری قسمت
اک مہینوال کو پسند آئی — تیری کیا بات اے وفا طینت

*

سوھنی نے پکڑ لیا دامن — رہروِ جادۂ محبت کا
معرفت کے کھلے انھیں پر راز — جن کو ادراک ہے حقیقت کا

*

ھیں بہر حال صابر و شاکر — دل گرفتہ بقیدِ تنہائی
مسلکِ عاشقانِ عزلت گیر — رازداری و خلوت آرائی
تیرتی ہے بغیر مشکیزہ — اے خوشا روح کی توانائی

*

کیا ڈراتی اسے شبِ تاریک — مطمئن تھی وہ موجِ طوفاں سے
بے کسی، بے بسی میں بھی نہ پھری — سوھنی اپنے عہد و پیماں سے
بندشیں ڈم کی ہوگئیں بے سود — مرحبا وصلِ شاھد و مشہود

*

جن کو اس پار کی تمنا ہے — خوف گرداب کا انھیں کیا ہے
وہ مہینوال کو بھلا نہ سکا — جس نے اک بار اس کو دیکھا ہے
جانِ جاناں ہے وہ تپیدۂ عشق — قعرِ دریا میں آرمیدۂ عشق

*

ڈم نے ہر چند پیش بندی کی — سوھنی پھر بھی کامیاب ہوئی
جب مہینوال کے بغیر آسے — زندگی باعث عذاب ہوئی
ختم سب ہوگئے نشیب و فراز — اور لگی دل کی بے نقاب ہوئی

*

تندیٔ باد و شدتِ سرما — دور محبوب، درمیاں گرداب
حرف آئے نہ عہد و پیماں پر — المدد، المدد، دلِ بیتاب

*

ھائے وہ تیز سردیوں کی رات
بیچ منجدھار اور وہ برسات
کیا ھوا سوھنی کا پھر انجام
آؤ معلوم تو کریں یہ بات

*

اے خوشا سوھنی کی تیراکی
زیرِ گرداب جس کا ساحل ھے
جوشِ طوفان و شدتِ سرما
پار اترنا بڑا ھی مشکل ھے
کون روکے گا کودنے سے انھیں
قعرِ دریا ھی جن کی منزل ھے

*

آ بتاؤں میں تجھ کو اے بجرے
اپنی بے چین زندگی کا حال
سکھ ھے تن من کا گھرنے پانی میں
اور کنارہ مرے لیے ھے وبال
سردیوں میں بھی لطف ساون کا
یوں گذرتے ھیں میرے ماہ و سال
وہ مہینوال جلوہ گر ھے جہاں
آ رھا ھے مجھے وھاں کا خیال

*

کوئی جاکر کہے یہ دریا سے
جوشِ طوفاں کا اعتبار نہیں
رُت ھے ساون کی چند دن کے لیے
ابرِ باراں سدا بہار نہیں

*

اب جہاں تو ھے ریگ زار بنے
خشک دیکھوں میں تیرے دھاروں کو
کوئی آفت ملا کے ایک کرے
دور افتادہ اِن کناروں کو
تونے اے جوے آب غرق کیا
جانے کتنے امیدواروں کو

*

شور و شر یہ کہاں تک اے دریا
ڈونگیوں کو نہ کر تہِ گرداب
اپنے دل سے بھلا سکوں گی کیا
میں مہینوال کی وہ آب و تاب
خوف کیا تجھ کو موجِ طوفاں کا
پاس ھے اپنے عہد و پیماں کا

*

تیری خدمت میں جاوداں دریا
اور میں ایک عاشقِ ناکام
لا کہیں سے مرے لیے بجرے!
اُس مہینوال کا کوئی پیغام

*

سوھنی تیری روح ہُو ایثار
بادۂ جذب و عشق سے سرشار
ھو مہینوال جس کے دل میں مکیں
کچھ نہیں اُس کے سامنے منجدھار

وائی

او پیارے مہینوال بچا لے گھری ھے منجدھار

تجھ بن 'ڈم' کے ساتھ رھوں میں؟
کب تک یہ دکھ درد سہوں میں؟
کیسی ھوں کیا بات کہوں میں؟

کوئی نہیں اس گھاٹ پہ ساجن میرا کھیون ھار
او پیارے مہینوال بچا لے گھری ھے منجدھار

کچا گھڑا ھے رین اندھیری
کون سنے گا بپتا میری
ھائے بھنور کی ھیرا پھیری

آ بھی جا بجرے کو لے کر پہنچا دے اُس پار
او پیارے مہینوال بچا لے گھری ھے منجدھر

چنچل ندیا گہرا پانی
اور یہ لہروں کی من مانی
ھائے میری بھرپور جوانی

تاکے میں چاروں اور کھڑے ھیں کتنے ھی خونخوار
او پیارے مہینوال بچا لے گھری ھے منجدھار

—⁂—

چوتھی داستان

اکثر اوقات کر گئی مجھ کو　　نے کی آواز لرزہ بر اندام
جذبۂ عشق! بے قرار نہ ہو　　راز محبوب ہو نہ طشت از بام
خلوت دل میں آئے در پردہ　　دور افتادہ دوست کا پیغام

*

نالۂ نے، خموشیٔ صحرا　　چشم خوابیدہ ہوگئی بیدار
دل میں ہیجان سا ہوا برپا　　چین آیا نہ پھر مجھے زنہار

*

یہ بہ یہ سن رھی ہوں نالۂ نے　　کیا مہینوال ہے کہیں دلگیر
جیسے میں ہوں اسیر جذبۂ شوق　　اور عالم ہے حلقۂ زنجیر

*

یہ شب تار، یہ سیہ گرداب　　مطمئن ہے مگر دل معتوب
راھبر بن گیا ہے نالۂ نے　　قعر دریا ہے جادۂ محبوب

*

نالۂ نے سکوت نیم شبی　　سوھنی خواب سے ہوئی بیدار
وہ مہینوال اور وہ اس کی یاد　　چشم وارفتہ طالب دیدار

*

دل غمگیں میں نالۂ نے سے　　ایک تازہ شگفتگی آئی
خلوت آرا ہوئی کسی کی یاد　　جگمگانے لگی ہے تنہائی
پھر کسی کا خیال در پے ہے　　یہ فراق و وصال کیا شے ہے

*

اس مہینوال سے ملوں گی میں　　تابکے غفلت و گراں خوابی
دشت میں گونج اٹھی صدائے جرس　　المدد! اے جنون بیتابی

*

آئی اس پار سے صدائے جرس　　چشم خوابیدہ ہوگئی بیدار

مندمل زخم ہوگئے تازہ
یاد پھر آگیا مجھے غمخوار
پھر مہینوال کی طرف لے جائے
کیاعجب مجھ کوحسرتِ دیدار

*

پیارے 'ساھڑ' کی پیروی کر کے
اِک نیا گل کھلا گئیں بھینسیں
اُن کی آواز میں تھا کیا، جانے؟
محوِ حیرت بنا گئیں بھینسیں

*

آ رھی ھے کہاں سے یہ آواز؟
اس مہینوال کی نہ ہو یہ نفیر!
اے تمنائے مسکنِ محبوب
توڑدے موجِ آب کی زنجیر

*

پھر مہینوال اُس کو یاد آیا
سوھنی کی پھر آنکھ بھر آئی
جاکے بھینسوں کے پاس کہنے لگی
دیکھتی ھوں تمھاری برنائی
جانتی ھوں یہ میں کہ تم کو بھی
ھے مہینوال سے شناسائی
آؤ تم کو گلے لگاؤں میں
کم ھو کچھ رنجِ آبلہ پائی
ساتھ 'ڈم' کے نہ رہ سکوں گی میں
چاھے کتنی ھو میری رسوائی

*

جس جگہ سے چلیں تری بھینسیں
پھر وھیں لوٹ لوٹ کر آئیں
اے مہینوال تیری بھینسیں بھی
دور رہ کر بہت ھی پچھتائیں

*

اک مہکتی ہوئی صباحت ھے
نشہٴ عشق سے خمار آلود
چوٹ کھائے ہوئے محبت کی
فطرۃٌ بے نیازِ رسم و قیود
پھر مہینوال کی طرف ھے رواں
سر بسر ایک شعلہٴ بے دود

*

ایک ھی گھونٹ پی کے اے "سید"
ھائے کیا سوھنی کا حال ھوا
بے مہینوال، سوھنی کے لیے
زندہ رھنا بڑا محال ھوا

*

ھو وھی آن بان 'کُنڈیوں' کی
اُن کا مالک رھے سدا خوشحال
نت نئی ھو چہل پہل اس کی
کاش اُجڑے کبھی نہ وہ چوپال

لوگ کچھ بھی کہیں مجھے لیکن　　میرے دل میں رہے اسی کا خیال

*

وہ مہینوال کی ملاقاتیں　　آج بھی مجھ کو یاد آتی ہیں
اس کی وہ کٹیاں اور وہ بھینسیں　　میری آنکھوں میں جگمگاتی ہیں
ھائے وہ صبحیں ھائے وہ شامیں　　مجھ کو لائیں جو قعرِ دریا میں

*

خوش رہیں اس کے سارے چوپائے　　اور سرسبز ہوں چراگاہیں
کاش پھر سامنے ہو وہ منظر　　بھرتی ہوں جس کی یاد میں آہیں

*

ہو کے آسودۂ شکم سیری　　ساتھ چلنے کو ہوگئیں تیار
حکم دیتا ہے جو انہیں مالک　　ٹال سکتیں نہیں اسے زنہار
اس قدر خوش ہیں گہرے پانی میں　　جیسے دریا ہو آن کا گہرا یار
پیارے ساھڑ کے نقشِ پا پہ چلیں　　خود بخود ہی پہنچ گئیں اس پار
خود مہینوال چاھتا ہے جنہیں　　تیر جاتی ہیں پل میں وہ منجدھار
کیوں نہ ہوں شادکام وہ بھینسیں　　مہرباں جن پہ ہے وہ کھیون ہار

وائی

کھینچ رہی ہے پریت پیا کی مجھے نہ کوئی روکے
اپنے ہی من کو سمجھائے اپنے آپ کو ٹوکے
مجھے نہ کوئی روکے
چڑھی ہوئی یہ چنچل ندیا اور یہ آدھی رات
پریتم ہے اس پار میں پکڑوں کیسے اس کا ھات
یہ لہروں کے جھوکے
مجھے نہ کوئی روکے
پریت کی اگنی سلگ رہی ہے دھواں سا ہے اس پار
میرا من بھی جھلس رہا ہے لے چل اے منجدھار
کوئی نہ مجھ کو ٹوکے
مجھے نہ کوئی روکے

—⁂—

پانچویں داستان

جس طرف بھی نظر اٹھی دریا
دور اُس پار کا کنارا ہے
تند گرداب جوش میں طوفان
روح فرسا ہر ایک دھارا ہے
سوھنی اور سعی لا حاصل
المدد! اے خدائے آب و گل
موج و طوفاں سے تا لبِ ساحل
سایۂ افگن ہو رحمتِ کامل

*

کیا انھیں اپنی جان کی پروا
خود مہینوال جن کو اپنائے
کیا ڈریں گے وہ موج و طوفاں سے
موج و طوفاں ھی جن کو راس آئے

*

سوھنی آئیں گھڑے پانی میں
جن کو جانا ہے شوق سے اُس پار
ہے مہینوال بھی وہیں موجود
حلقہ زن ہے جہاں جہاں منجدھار

*

فکرِ مشکیزہ کے بغیر یہ لوگ
اپنے دل کی لگن بجھاتے ہیں
یہ بھنور کیا ڈبوئیں گے اُن کو
خود بھنور جن میں ڈوب جاتے ہیں

*

جو تھے مقبولِ بارگاہِ وفا
موجِ طوفاں بھی ان کو راس آئی
اے مہینوال دلربا میرے
میں نے اب تک نہ وہ جھلک پائی
جو تری یاد بن کے آتی ہے
کالی راتوں کو جگمگاتی ہے

*

یادِ جاناں، سکوتِ نیم شبی
روح میں اضطراب و پیچ و تاب
تو ہے مقبولِ بارگاہِ وفا
سامنے تیرے کیا ہے یہ گرداب
آ شبستانِ یار میں آجا
پرتوِ صبح کی طرح چھا جا

*

جس طرف لے چلا ہے دل مجھ کو
تاک میں ہے اسی طرف منجدھار
وہ مہینوال ہے کہاں یا رب
کشتیٔ دل کا ہے جو کھیون ہار

*

عشق میں پیچ و تاب، کیا معنی　　خلش و اضطراب کیا معنی؟
جب مہینوال محتسب ھے خود　　فکرِ روزِ حساب کیا معنی؟

*

گو بظاھر وہ دور ھے لیکن　　درحقیقت قریب ھے دل سے
قعرِ دریا سے بھاگنے والے　　کچھ نہ تجھ کو ملے گا ساحل سے

*

وہ مہینوال ھے کہاں یا رب!　　اس کو میں ڈھونڈنے کہاں جاؤں
اے گوالو! تمھیں بتاؤ کچھ　　کس طرح اپنے جی کو بہلاؤں
خود ھی اس کو خیال آجائے　　جب میں آنکھوں سے نیر برساؤں
جس کی دوری عذابِ جاں ھے مجھے　　اس کو پھر اپنے سامنے پاؤں

*

ڈم کا ڈر ھے نہ خوف دریا کا　　سوھنی بے نیازِ سود و زیاں
کون جانے سوائے تاروں کے　　کہ مہینوال جلوہ گر ھے کہاں

*

اس مہینوال کی محبت میں　　دشمنِ صبر امتحاں نہ ھوا
ڈم نے طعنے تو سوھنی کو دیے　　دل مگر اس کا بدگماں نہ ھوا

*

اب حدِ نیک و بد سے دور ھوں میں　　آزمائے گا کوئی کیا مجھ کو
بڑھ گیا پھر سکوتِ نیم شبی　　یاد آیا وہ دلربا مجھ کو

*

ڈوبتے ھی عمیق دریا میں　　سب فنا ھو کے رہ گئے اوھام
جسمِ فانی سے کر گئی پرواز　　یک بیک اس کی روح تشنہ کام
آرزوئے حیات سے بہتر　　ایسی پر کیف مرگِ بے ھنگام
اس کی وارفتگی کا کیا کہنا　　عشق آغاز عشق ھی انجام
عشق اسے راس آگیا ورنہ　　جانتا کون سوھنی کا نام

*

رازدارانہ رات دن گرداب　　ذکر اِن عاشقوں کا کرتے ھیں
جرعۂ عشق کی طلب میں جو　　تہِ گرداب میں اترتے ھیں

*

مثلِ ماھی مری تمنائیں
اک مسلسل تلاش میں دن رات

قعرِ دریا میں تشنہ رھتی ھیں
موجِ آبِ رواں پہ بہتی ھیں

*

ڈم کا غصہ، بھنور کی داروگیر
میں کہاں اور سیلِ آب کہاں

ایک نادیدہ خواب کی تعبیر
سامنے ھے نوشتہ تقدیر

*

ڈوبتی ھوں تو ڈوب جانے دو
سرخرو ھو کے جاؤں گی اس پار

میرا پیارا مجھے ابھارے گا
جب وہ آ کر مجھے پکارے گا

*

ھائے یہ کون بیقرار آیا
موج و گرداب کے تھپیڑوں میں
ایک طوفانِ رنگ و بو اٹھا

سوئے دریائے جاں شکار آیا
کون گل‌پوش و گلعذار آیا
دفعتاً سوئے جوئبار آیا

*

ھو نہ تر دامنی اگر حائل
لو لگائے رھے جو ساھڑ سے

موجِ طوفاں ھی ناخدا بن جائے
کس کو معلوم کیا سے کیا بن جائے

*

ھائے کس سوچ میں پڑی ھوں میں
گر نہ جاؤں تو خلوتِ شب میں
اور اگر جاؤں میں کبھی اس پار

ھر طرف اک فساد کا ڈر ھے
اپنے ساھڑ کی یاد کا ڈر ھے
تو جہاں کے عناد کا ڈر ھے

*

دس کو اپنا بناؤں میں یا رب!
میرے دل کو لگن ھے ساھڑ کی

الجھنیں میری کون سلجھائے
چین اس کے بغیر کیا آئے

وائی

بینوں کو پاؤں بناؤں
سکھیو! جب لوٹ کے آؤں
پریتم کا بھید چھپاؤں

ساجن کے دوارے جاؤں

ساجن کے دوارے جاؤں

مہینوال کی پریت لگن کو
من ھی من میں بہلاؤں
اوروں کو نہ کچھ بتلاؤں

ساجن کے دوارے جاؤں

چھٹی داستان

کیا مہینوال، سوھنی تھی کون؟
فہم و ادراک کی رسائی سے

راز سربستہ ھی رھی یہ بات
ماورا آرزو کے امکانات

*

کیا مہینوال، سوھنی کیا تھی
ماورائے ازل نمو جس کی

در حقیقت وہ سرخوشی کیا تھی
کون جانے وہ عاشقی کیا تھی

*

یاد عہدِ ازل رھا اس کو
کہ مہینوال کی محبت میں

زندگی بھر وفاپرست رھی
سوھنی سرخوشِ الست رھی

*

یاد ھے مجھ کو عالمِ ارواح
ھوں مہینوال کی ازل سے میں

جاوداں میرے عہد و پیماں ھیں
لوحِ محفوظ میرے ارماں ھیں

*

میں مہینوال کا نہ چھوڑوں ساتھ
میں ازل سے ھوں رازدارِ الست

یاد روحوں کا عہد و پیماں ھے
پیارے ساجن پہ جان قرباں ھے

*

کر دیا آشکار روحوں پر
تو مہینوال کی محبت میں

جب احد نے الست کا فرماں
سوھنی جان سے ھوئی قرباں

ٹوٹنا ھی گھڑے کا راس آیا
قعرِ دریا کی تہ بہ تہ موجیں
اے خوشا جذبِ عشق کا ھیجان
اور اس کے وہ مضطرب ارمان

*

جن کی روحیں تھیں آشنائے الست
اور جو محوِ ماسوا ھی رہے
وحدتِ حق کے رازدار ہوئے
اپنے اوہام کا شکار ہوئے

*

جستجو، اضطراب، سوزِ دروں
بحرِ ھستی سے سیر ھو نہ سکی
جز محبت یہ زندگی کیا ھے
کون جانے یہ تشنگی کیا ھے

*

اک مسلسل تپش مری ھستی
اکثر اوقات خلوتِ شب میں
اک خلش سی ھے سعیٔ لاحاصل
موت بھی مجھ کو سازگار نہیں
ایک پل بھی مجھے قرار نہیں
ھائے میں پھر بھی سوگوار نہیں

*

گھڑا کچا، تلاطم خیز دریا
یہ آدھی رات، یہ پر ھول گرداب
بعید از فہم ھیں یہ ساری باتیں
گرجتی گونجتی موجیں رواں ھیں
یہ جسمِ نازنیں، سب چیستاں ھیں
عجب تقدیر کی نیرنگیاں ھیں

*

آسے تیرہ شبی سے خوف کیسا
وہ مشکیزہ ھو یا کچا گھڑا ھو
پہنچ جائے گی وہ دل کے سہارے
جسے ھے موجِ طوفاں ھی کنارا
نہیں درکار اب کوئی سہارا
مہینوال اس طرف سے جب پکارا

*

گھڑا کچا ھے، میرے سر پہ چھائے
فضا ایسی کہ جیسے شیر کوئی
سہارا دے مجھے جوشِ محبت
نڈر ھو کے میں اب دریا میں اتروں
برستی رات کے گھنگھور سائے
کہیں بیٹھا ھو اپنا سر اٹھائے
کمی جوشِ محبت میں نہ آئے
بلا سے جان جاتی ھے تو جائے

*

کنارا صرف ساجن کے لیے ھے
تجھے گھرا بھنور ھی راس آئے

وھیں اے سوھنی! منزل ھے تیری		جہاں تو اتفاقاً ڈوب جائے

*

اسے کچے گھڑے کا کیا سہارا		جسے منجدھار میں رھنا گوارا
خدایا تیری رحمت کے حوالے		نہیں جس کے لیے کوئی کنارا

*

عجب تھا سوھنی کا جذبِ الفت		کہ خود دریا بھی آتش زیرِ پا ھے
کیا تھا غرق جس نے سیکڑوں کو		وھی اب کشتۂ مہر و وفا ھے

*

کہیں پرھول دریاؤں کے ڈر سے		چلن بدلا ھے اپنا عاشقی نے
خوشا وہ جذبۂ ایثارِ الفت		جسے اپنا لیا تھا سوھنی نے

*

کوئی اس ڈوبنے والی سے کہہ دے		نہیں زیبا تجھے کوئی سہارا
کہیں ایسا نہ ھو اے غیرتِ عشق		کہ طعنہ دے تجھے وہ تیرا پیارا

*

اگر ھے ڈوبنے کا شوق تم کو		تو بے خوف و خطر دریا میں آؤ
نظر آئے اگر ساجن کی نیا		تو بھولے سے نہ ھاتھ اس کو لگاؤ
کٹھن ھے یہ ملن کی ریت لیکن		جہاں تک نبھ سکے ھنس کر نبھاؤ

*

جہاں ڈوبے کوئی ناکامِ الفت		وھیں آتا ھے وہ محبوب پیارا
سمٹتی ھیں ادھر دریا کی موجیں		ادھر دامن بڑھاتا ھے کنارا
"لطیف" اس ڈوبنے والی کی قسمت		جسے مل جائے ساھڑ کا سہارا

*

نہ ساھڑ ھے نہ کوئی سوھنی ھے		فقط قلب و نظر کی بے خودی ھے
وھاں کیا اعتبارِ موج و ساحل		جہاں بس عاشقی ھی عاشقی ھے
نہ لے اے ڈوبنے والے سہارا		تری منزل بھی وارفتگی ھے

*

مرے ابیاتِ پر معنی کی کیا بات		شگفتہ صورتِ آیاتِ قرآن
دلِ انسان پہ کھلتے جا رھے ھیں		رموزِ معرفت، اسرارِ عرفان

وائی

مرے من میں یاد سجن کی
سکھیو! ھے پیا کے کارن
یہ درگت مجھ برھن کی
مرے من میں یاد سجن کی

گھر بیٹھے چین نہ آئے
ساھڑ جیارا تڑپائے
ڈم نشدں مار لگائے
من وینا ٹوٹ نہ جائے

چت چور وہ سندر گوالا
مرا پیارا مرلی والا
پہلے تو ندی میں ڈالا
پھر بڑھ کر آپ نکالا
بر آئی آس ملن کی

مرے من میں یاد سجن کی

—⁂—

ساتویں داستان

اک مہینوال کی تلاش سدا
عین راحت ھے سوھنی کے لیے
شور انگیز و فتنہ خیز بھنور
کھیل ھے اس کی بےخودی کے لیے
ھائے وہ اضطرابِ قلب و نظر
ایک نادیدہ روشنی کے لیے

*

میرے کچے گھڑے کی لاج رھے
بیچ منجدھار میں پھنسی ھوں میں
رحم کر مجھ پہ میرے کھیون ھار
اپنے ساھڑ کو ڈھونڈتی ھوں میں

*

کیسی تجہیز اور کیا تکفین
مرگِ عاشق صلائے عام نہیں

مر کے بھی اُس کی روحِ وارفتہ
جز غمِ دوست شاد کام نہیں

*

لبِ دریا پہ ناخداؤں سے
یہ مہینوال پوچھتا ہے سوال
آؤ دیکھو تو اس بھنور میں ذرا
ڈال کر تم سب اپنے اپنے جال
کس طرف ہے وہ ڈوبنے والی
پردۂ راز میں ہے جس کا حال
کون جانے کدھر گئی آخر
قعرِ دریا میں روحِ حسن وجمال
اے رفیقو! اسے جہاں پاؤ
میری آنکھوں کے سامنے لاؤ

*

ڈوبنا سوھنی کا اے دریا
تا قیامت رہے گا مجھ کو یاد
دیکھ کر اپنی چیرہ دستی کو
موجِ مضطر ہے سائلِ فریاد

*

لوگ ساحل پہ کانپ اٹھے
دیکھ کر آبِ جو کی گہرائی
جس بھنور میں کوئی نہیں جاتا
کس طرح سوھنی یہاں آئی

*

موجِ طوفاں اسے ڈبو نہ سکی
جو بھی ساھڑ کا ھوگیا دل سے
ھو بھروسہ جسے توکل پر
کیا سروکار اس کو ساحل سے

*

دے رہا ہے کوئی مجھے آواز
معتبر جذبۂ محبت ہے
یہ گھڑا اور تند خو دریا
جوبھی پیش آئے میری قسمت ہے
ہے یقیں مجھ کو میں نہ ڈوبوں گی
آزمودہ مری صداقت ہے

*

اے تمنائے جلوۂ محبوب
چاک کردے یہ پردۂ اوھام
اب مہینوال کے بغیر تجھے
عالمِ بے ثبات سے کیا کام
عاشقی ہے صفائے قلب و نظر
کیسا آغاز اور کیا انجام

*

میری دلبستگی کا کیا کہنا
سیر حاصل ہے جلوۂ محبوب

جس کی طالب تھی روحِ وارفتہ   آج پیشِ نظر ھے وہ محبوب

*

دل ھے وابستۂ غمِ محبوب   کثرتِ آرزو سے کیا نسبت
اس مہینوال کے بغیر مجھے   عالمِ رنگ و بو سے کیا نسبت

وائی

سجنا موھے بھول نہ جانا

ھر موتی بھینٹ چڑھاؤں
جب تجھ سا ھیرا پاؤں
سو جان سے واری جاؤں
میں من ھی میں مسکاؤں
مری جیون جوت جگانا
سجنا موھے بھول نہ جانا

دوبھر ھے تجھ بن جینا
ٹوٹے نہ مری من وینا
مرے من کی دھیر بندھانا
سجنا موھے بھول نہ جانا

—⁂—

آٹھویں داستان

جو ھیں دانائے رازِ موجِ طوفاں
سمجھتے ھیں وہ رحمت کا اشارا
کسے معلوم ھے تائیدِ غیبی
خدا جانے آنھیں کس نے پکارا
تلاطم خیز گردابِ بلا میں
ھوا ھے خود بخود پیدا کنارا
"لطیف" ان ڈوبنے والوں کی قسمت
جنھیں راس آئے تنکے کا سھارا

*

خس و خاشاکِ ساحل کی رفاقت
وھی اسبابِ ظاھر کی اسیری
حیات افزا ھیں یہ اسبابِ ظاھر
پر اس کی شرط ھے روشن ضمیری
کرے گا کون گردابِ بلا میں
بجز محبوب تیری دستگیری

*

نہ جانے کتنے ھنگامے ھیں برپا
کنارِ آبِ تند و فتنہ زا پر
"لطیف" آن کو عطا ھو کامیابی
بھروسا ھے جنھیں صبر و رضا پر
رھے کچّے گھڑے کی لاج یا رب
کبھیں آئے نہ حرف اھلِ وفا پر

*

الجھ کر رہ گئے موجِ بلا میں
روادار شکستِ عھد و پیماں
مگر وہ دل جو منزل آشنا ھے
"لطیف" اس کی ھرا ک مشکل ھے آساں
رھیں گے کون بے پروائے ساحل
بجز وارفتگانِ عیشِ طوفاں

*

ارے او ناشناسِ موجِ طوفاں
تجھے کچّے گھڑے کا کیا سھارا
سنا تو ھوگا لوگوں کو یہ کہتے
بڑا ظالم ھے یہ کالا کنارا
وھی منجدھار سے جائے گا بچ کر
مدد کو جس کی آئے گا وہ پیارا

*

رھا پیشِ نظر ھردم مھینوال
نہ آیا حرف اس کی عاشقی پر
بھلا کچّے گھڑے کی خامکاری
اثر کیا کر سکے گی سوھنی پر
"لطیف" آن کے لیے کیا قعرِ دریا
بھروسا ھو جنھیں محبوب ھی پر
بھٹک کر رہ گئے موجِ بلا میں
جو نازاں تھے تکبر پر خودی پر

*

کہاں میں اور کہاں یہ قعرِ دریا
مقدر میں ہے گردابِ بلا بھی
خدا جانے کہاں ہے وہ مہینوال

دل بیتاب نے کیا گل کھلایا
گھڑا بھی آج کچا ہاتھ آیا
مجھے جس کی محبت نے بلایا

*

کشش تھی روح کی اے جوشِ الفت
کہاں میں اور کہاں موجِ تلاطم

وگرنہ میں نے کب ایسا کیا ہے
گھڑے نے سربسر دھوکا دیا ہے

*

کہاں وہ عشرتِ جوشِ جوانی
کہاں وہ چند روزہ رنگ و روغن
ہوئی ظاہر بالآخر سوھنی پر

کہاں یہ روح فرسا بے قراری
کہاں گرداب کی طوفاں شعاری
گھڑے کی خوشنما ناپائیداری

*

گھڑا کچا ہے لیکن میرے پیارے
نہیں اب ڈم سے مجھ کو کوئی نسبت
میں جن کی جستجو میں کھو گئی ہوں

میں اس طوفاں میں ہوں تیرے سہارے
سمجھتی ہوں ترے دلکش اشارے
خوشا وہ دور افتادہ کنارے

*

میں سمجھوں گی اسی کو عین راحت
اسے کیا امتیازِ پختہ و خام

مری وارفتگی جو کچھ دکھائے
جسے ہر بے ثباتی راس آئے

*

گھڑا کچھ دیر بھی رہنے نہ پایا
کہیں بیچارگی نے ہوش اڑائے
دیا آخر اسے کس نے سہارا

بھنور جب سوھنی کو کھینچ لایا
کہیں پرجوش موجوں نے ڈرایا
اجل کے بھیس میں وہ کون آیا

*

بھلا کچا گھڑا کیا ساتھ دیتا
مدد کر اے مرے پیارے مدد کر

مرے 'ساھڑ' میں اب بے دست و پا ہوں
میں اس گرداب سے نا آشنا ہوں

*

غضب ہے سوھنی! یہ سادہ لوحی
گھڑے نے اپنی ظاہر داریوں سے

خبر ہے یہ ستم کس نے کیا ہے؟
تجھے دانستہ یہ دھوکا دیا ہے

*

نہ ہوگی کارگر تدبیر کوئی بھنور میں تجھ کو پچھتانا پڑیگا
گھڑے کو آزما کر دیکھ لینا نہیں تو جان سے جانا پڑیگا

*

اسی تاریک ساحل سے گذر کر سدا محبوب سے ملنے گئی ہوں
ہوا ایسی چلی ھے آج لیکن اسیرِ پنجۂ بے چارگی ہوں

*

یہ دریا اور یہ پُر ہول موجیں کہاں بچ کر کوئی ایسے میں جائے
مجھے ڈر ھے کہیں گمراہ ہو کر مری بے چارگی دھوکا نہ کھائے
خدا جانے مری بے دست و پائی تہِ گرداب کیا کیا گل کھلائے
مہینوال ! اب تو میرے پاس آجا تمنائیں ھیں تجھ سے لو لگائے
سوا تیرے مجھے اے میرے 'ساھڑ' بھلا کس کا سہارا راس آئے

وائی

پربت لگن اس پار کی سکھیو! میرا من برمائے
سندر ساجن سانجھ سویرے اپنی اور بلائے
او پریتم پردیسی! مجھ کو تیری یاد ستائے
رین اندھیری جگ والوں کو گہری نیند سلائے
مجھ برھن کو بن باسی کی بنسی تان سنائے
او پریتم پردیسی! مجھ کو تیری یاد ستائے
رھتے ھیں اس پربت ڈگر میں بیری تاک لگائے
ڈرتی ھوں میری آھٹ سے کوئی جاگ نہ جائے
او پریتم پردیسی! مجھ کو تیری یاد ستائے
تیری چھل بل، تیری چھب ڈھب نینوں کو ترسائے
ھائے ملن کی آشا مجھ کو کیا کیا روپ دکھائے
او پریتم پردیسی! مجھ کو تیری یاد ستائے

نویں داستان

بحر و بر ھی پہ کچھ نہیں موقوف
کار فرما ھے اے مرے محبوب
عرصۂ دار و گیر ھے دنیا

ساری دنیا ھے حسن سے معمور
فرش سے تا بہ عرش تیرا نور
ذرہ ذرہ ھے پیروِ منصور

*

موج در موج بحرِ بے پایاں
باعثِ جلوہ ھائے رنگا رنگ
اے مری آرزوے گم گشتہ
خواہشِ وصلِ یار کیا معنی ؟

میرے محبوب کی نشانی ھے
موجِ بے تاب کی روانی ھے
ھر جگہ ایک ھی سا پانی ھے
قربِ محبوب جاودانی ھے

*

سوھنی ! موت سے نہ ڈر، رکھ یاد
ڈم کی نظروں سے کوئی نسبت ھے

اس مہینوال کی محبت کو
تیری معصومیٔ صباحت کو

*

میں ھوں وابستۂ غمِ محبوب
مجھے منظور ھے اسی کی رضا

جی رھی ھوں اسی سہارے پر
جان قربان ھر اشارے پر

*

دیکھ کر جلوہ ھائے رنگا رنگ
اے خوشا عیشِ تلخیٔ ھجراں
موت سے پہلے کیوں نہ مرجاؤں

حسن کا اعتبار کون کرے
خواہشِ وصلِ یار کون کرے
موت کا انتظار کون کرے

*

ھیں ابھی کتنے مرحلے باقی ؟
حشر کا دن تو پھر بھی ھے نزدیک

اے غمِ انتظار کیا معلوم؟
دوریٔ وصلِ یار کیا معلوم؟

*

میں کہاں اور سیلِ آب کہاں
کیا خبر تھی کہ موجِ طوفاں میں

کھینچ لائی مجھے یہاں تقدیر
ڈوب جانا ھے عشق کی تقدیر

*

ہے یہی مسلکِ قضا و قدر
کچھ نہیں جز نوشتۂ تقدیر
کیا کرے کوئی شکوۂ آلام
کس کو ٹھیراؤں موردِ الزام

*

اہلِ ساحل ہیں طعنہ زن مجھ پر
دعوتِ سیل آب دیتا ہے
میں نے سمجھا نوشتۂ تقدیر
ہائے میں اور یہ مرا ہیجان
قعرِ دریا مجھے علی الاعلان
جس طرف لے چلے مرے ارمان

*

تیرتی ہوں تو جان کا خطرہ
قربِ محبوب کی طلب دل میں
ہائے اپنوں کی ناشناسی بھی
میرے محبوب آسرا تیرا
اور واپس بھی لوٹنا دشوار
اور آنکھوں میں حسرتِ دیدار
میرے حق میں ہے مستقل آزار
میں بھنور میں ہوں اور تو اُس پار

*

درد ہی درد ہے، دوا کیسی
حاصلِ عشق کوئی کیا جانے
کیا ہے یہ ماجرا کسے معلوم
ابتدا ہے نہ انتہا معلوم

*

اک مہینوال سوھنی کے لیے
دردمندوں کا غمگسار نہیں
اب نہیں اور ناخدا کوئی
دامنِ عشق کے سوا کوئی

*

ہوگیا تیرنا مرا بے سود
تجھ سے پوشیدہ کب ہے اے محبوب
اے نگہدارِ ظاہر و باطن
ہائے گہرائیاں محبت کی
بیقراری اسیرِ فرقت کی
اس طرف بھی نظر عنایت کی

*

دل ہے وابستۂ غمِ محبوب
ہے گرانبار عشق کی زنجیر
جستجو ایک راہِ خم در خم
بحرِ غم اور سیلِ اشکِ رواں
عالمِ جذب و شوق لا محدود
جنبشِ پائے ناتواں بے سود
آرزو ایک شعلۂ بے دود
موج در موج گوہرِ مقصود

*

ساحلِ تابناک دور و دراز
اور میں دلفگارِ تنہائی
تیرتی ہوں ترے سہارے پر
ورنہ مجھ میں کہاں توانائی

*

پھر نویدِ وصالِ یار آئے
ختم ہوجائے ظاہری دوری
سرخرو جذبۂ محبت ہو
اب نہ حائل ہو کوئی مجبوری
وصل سے شاد کام ہوں یا رب
یہ اسیرانِ دردِ مہجوری

*

کتنی راتیں گذر گئیں روتے
آج تک محوِ انتظار ہوں میں
غم کی بیلوں نے جس پہ یورش کی
وہ خزاں دیدہ شاخسار ہوں میں

*

کیا بتاؤں ترے بغیر اے دوست
زندگی کس طرح گذرتی ہے
کیا کہوں کیا ہے حسرتِ دیدار
وہ خلش نو بہ نو ابھرتی ہے
جانے کیوں میری تیرہ بختی سے
ہر تجلی گریز کرتی ہے

*

اک مہینوال کے سوا مجھ کو
اب نہیں کوئی اور شے درکار
محوِ آرائشِ جمال ہوئی
شام ہوتے ہی حسرتِ دیدار

وائی

پگ پگ ہے رین اندھیرا
ٹھوکر نہ کہیں کھا جانا
مت مایا لوبھ میں آنا

جگ جیون کی آشائیں
نت نیارے روپ دکھائیں
کچھ انجانی بادھائیں
دکھ درد کو اور بڑھائیں
بچ بچ کے پاؤں بڑھانا
مت مایا لوبھ میں آنا

کس کام کے جھوٹے بندھن
بس توڑ انہیں اے برھن
ان بپتاؤں کے کارن
چھوٹے نہ پیا کا دامن
مـن سانی پـریت چھپانا
مت مایا لوبھ میں آنا

منجدھار کا چنچل دھارا
جـل گہرا دور کنارا
اس پار ھے ساجن پیارا
اب تیرا کون سہارا
ساجن سے آس لگانا
مت مایا لوبھ میں آنا

—※—

ابیات متفرقہ

در حقیقت بغیر 'ساھڑ' کے　　　سوھنی سربسر کثافت ھے
قرب اس پاکباز ساھڑ کا　　　ایک سرچشمۂ لطافت ھے

*

سوھنی کو بغیر ساھڑ کے　　　بار خاطر یہ اجنبیت ھے
ایسے بیمارِ دردِ ھجراں کو　　　قربِ محبوب غسلِ صحت ھے

*

سوھنی کو بغیر ساھڑ کے　　　شدتِ درد سے اماں نہ ملی
لاکھ آھیں بھریں مگر بے سود　　　ناتواں قلب کو تواں نہ ملی

*

سوھنی کو بغیر ساھڑ کے
ڈم کی قربت ھے باعثِ آزار
دفعتاً ھوگئی وہ صحت یاب
جب مہینوال کا ھوا دیدار

*

یہ اندھیرا، یہ رات، یہ پانی
سیلِ گرداب اور طغیانی
آنکھ ڈم کی کہیں نہ کھل جائے
پر خطر ھے تری پریشانی
نکتہ چیں ھے ھر ایک ھمسایہ
'سوھنی کیا ھوئی ھے دیوانی'؟

*

کیا خبر ڈم کو اے شبِ تاریک
ھے مہینوال جان سے بھی عزیز
امتحاں اس کا شورشِ طوفاں
وہ اُسے امتحان سے بھی عزیز

*

ھائے وہ نامراد کیا جانے
غم میں راحت جو میں نے پائی ھے
سختیاں ڈم کی روز افزوں ھیں
میرے 'ساھڑ' تری دھائی ھے

*

زندگی پیچ و تاب میں گذری
ایک طرفہ عذاب میں گذری
کیا مقدر ھے، عمرِ اھلِ طلب
جادۂ کامیاب میں گذری
یادِ محبوب پیش پیش رھی
میں جدھر اضطراب میں گذری
وہ مہینوال مل گیا آخر
جان سے موجِ آب میں گذری

*

چاندنی رات سے کہیں بڑھ کر
شبِ تیرہ کا آسرا مجھ کو
اور کیا دیکھنا ھے دنیا میں
اک مہینوال کے سوا مجھ کو

*

اے گرفتارِ قیدِ تیرہ‌شبی
اے شناسائے سرحدِ امکاں
سوئے محبوب گامزن ھوجا
اس سے پہلے کہ صبح کی ھو اذاں

*

سوھنی یوں نہ ڈوبتی شاید
موجزن ایک جوئے رحمت تھی
موت کے بعد اُس کی آنکھوں میں
اُس مہینوال کی محبت تھی

*

بحر و بر پر نہیں ہے کچھ موقوف　　ہر جگہ ہے وہی سراپا نور
پیارے ساھڑ نے حوصلہ بخشا　　ورنہ کچے گھڑے کا کیا مقدور

*

ریگ زاروں کے آن گنت ذرّے　　اور ساون کی نت نئی برسات
ھاں مگر ان سے بھی کہیں بڑھ کر　　میرے محبوب تیرے احسانات

*

میں نہ جانوں یہ رشتہ و پیوند　　کس سے وابستہ ھیں مرے ارماں
کیا بتاؤں کتنے ھیں کیوں مجھ پر　　میرے پیارے نے اس قدر احساں

وائی - ۱

روح پرور ہے دلکشی تیری
میرا حاصل ہے بندگی تیری

بے سہاروں کا تو سہارا ہے
اے خوشا بندہ پروری تیری

بس گئی ہے مری نگاھوں میں
دور افتادہ روشنی تیری

مچلے آنکھوں میں خون کے آنسو
جب کبھی یاد آ گئی تیری

دیکھنا ہے بروزِ حشر مجھے
گل کھلاتی ہے کیا خوشی تیری

میرا مرشد وہ غوثِ اعظم ہے
جس کو حاصل ہے رھبری تیری

وائی - ۲

یوں تو کہنے کو بے نیاز ہے تو
پھر بھی در پردہ کارساز ہے تو

کوئی جن کا نہیں زمانے میں
آن غریبوں کا کارساز ہے تو
تیرا در چھوڑ کر کہاں جاؤں
میری دلبستگی کا راز ہے تو

وائی - ۳

اے مہینوال سوگوار ہوں میں
آ بھی جا اب کہ بے قرار ہوں میں
تن بہ تقدیر بے سر و سامان
ہمہ تن محوِ انتظار ہوں میں
کوئی تیرے سوا نہیں درماں
ہائے کس درد کا شکار ہوں میں
کیا غرض رسم و راہِ دنیا سے
حسنِ یکتا کا اعتبار ہوں میں
عیش و عشرت کی آرزو کیسی
مبتلائے فراقِ یار ہوں میں

وائي - ۴

کیا خبر اس کو عاشقی کیا ہے
طفلِ ناداں نے کھیل سمجھا ہے
بھول جانا الست کا پیماں
سربسر گمرھی کا سودا ہے
کیوں نہ کہلائے پیروِ نمرود
جس سے برگشتہ ذاتِ یکتا ہے
رحمتِ حق سے جو ہوا محروم
کون پرسانِ حال اس کا ہے

وائی -۵

مرحبا تیری جلوہ آرائی
کارفرما ہے شانِ یکتائی

تجھ سا محبوب مل گیا مجھ کو
بس مری ہر امید بر آئی

ماورائے ثنا ہے تیری ذات
ذرہ ذرہ ہے تیرا شیدائی

بادہ پرور نگاہ کے قرباں
دیدہ و دل نے سر خوشی پائی

گرچہ حدِ ادب سے گذری ہے
بارھا میری ناشکیبائی

تیرا در چھوڑ کر کہاں جائے
مطمئن ہے مری جبیں سائی